ہمارے ہندوستانی مسلمان

منذر

www.KitaboSunnat.com

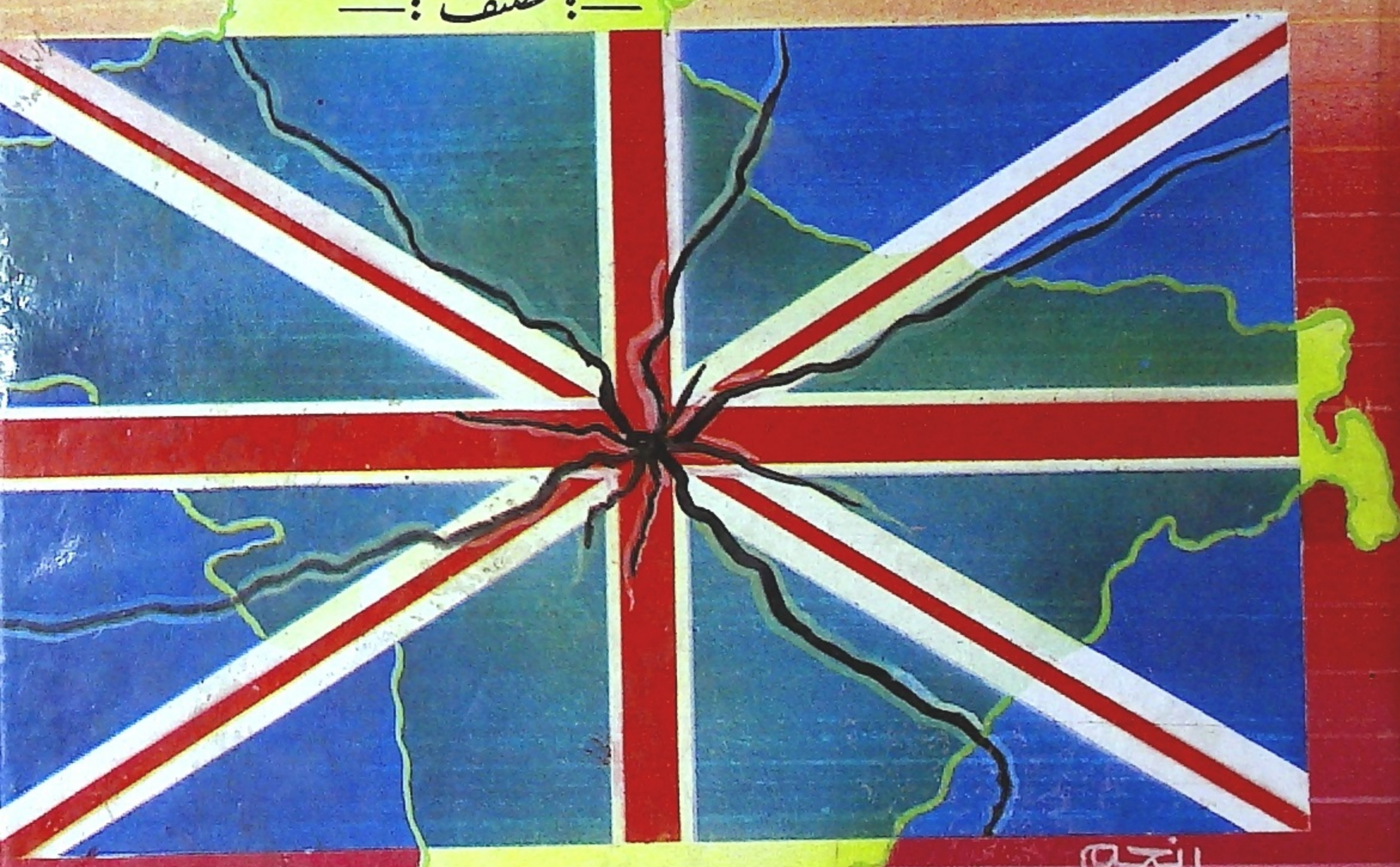

مصنّف :

ڈبلیو۔ڈبلیو۔ ہنٹر۔ ایل، ایل، ڈی، آئی، سی، ایس (بنگال)

مُترجم :

ڈاکٹر صادق حُسین، ایم، بی، بی، ایس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

737

DATA ENTERED

ہمارے ہندوستانی مسلمان

کیا وُہ اپنے ضمیر کے مُطابق ملکہ کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبُور ہیں؟

MFN
12474

—: مصنّف :—

ڈبلیو۔ڈبلیو۔ ہنٹر۔ ایل، ایل، ڈی، آئی، سی، ایس (بنگال)

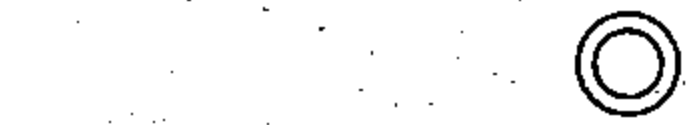

SEERAH LIBRARY
Institute of Islamic Studies
University of the Punjab Lahore.

—: مُترجَم :—

ڈاکٹر صَادق حُسین، ایم، بی، بی، ایس

مکّی دَارُالکُتب ◎ ۵۔ یُوسف مَارکیٹ غزنی سَٹریٹ اُردُو بَازار، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ نمبر-م-د/97-33/0[illegible]

کتاب	☆	[illegible] ہندوستانی مسلمان
مصنف	☆	ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر
اہتمام	☆	محمد عباس شاد
ناشر	☆	قاری محبوب الرحمان انور
اشاعت	☆	اپریل 1997ء
مطبع	☆	حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور
قیمت	☆	120/-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

737

فہرست مضامین

دیباچہ

باب اول

ہندوستان کی سرحد پر ایک باغی کیمپ

باب دوم

ایک پرانی سازش

باب سوم

مسلمان علماء کا فتویٰ

باب چہارم

انگریزی حکومت کے ماتحت مسلمانوں سے نا انصافیاں

ضمیمہ نمبر۱

مکہ کے علماء کا فتویٰ

ضمیمہ نمبر۲

شمالی ہندوستان کے علماء کا فتویٰ

ضمیمہ نمبر۳

محمڈن سوسائٹی کلکتہ کا فیصلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتساب

شملہ 23 جون

میرے پیارے!

میں آپ کی ان کوششوں کی بنا پر جن سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے یہ چھوٹی سی کتاب آپ کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں۔ سول سروس کے تمام علم دوست حضرات میں سے آپ ہی ہیں جنہوں نے قوموں کو سمجھنے کی اہمیت کا پورا پورا احساس کیا ہے۔ سب سے بڑی بے انصافی جو انگریز اپنی ایشیائی رعایا سے کر سکتے ہیں یہ ہے کہ ان کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ برطانوی حکومت کو ہندوستان میں جو مستقل خطرہ درپیش ہے وہ فاتح اور مفتوح کا تفاوت ہے۔ میں نے اس کتاب میں اس جنگ جُو جماعت کی گزشتہ تاریخ اور موجودہ ضروریات کو بالوضاحت بیان کر دیا ہے جس کے متعلق ہندوستان کے انگریز حکام نے بار بار اعلان کیا تھا کہ وہ ہماری سلطنت کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے۔

برائین ہوفٹن ہو حسن اسکوائر
ایلڈرنے گرینج
گلوسٹر شائر

میں ہوں آپ کا خیر اندیش
ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ

بیا تا گل بیفشانیم و مے درساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم

اس وقت قومیں تغیر و انقلاب پر آمادہ ہیں اور مسلمانان ہند بھی اس عالمگیر تحریک سے الگ نہیں رہ سکتے دنیا کے بدلے ہوئے حالات اور ہندوستانی سیاست کے تازہ واقعات نے ان کی حیات ملی کو زندہ کر دیا ہے۔ انہیں بھولا ہوا خواب پھر نظر آنے لگا ہے۔ احیائے ملت کا جذبہ جو دل کی گہرائیوں میں خوابیدہ تھا پھر ابھر رہا ہے اور قوم کا سمجھدار طبقہ قومی ہستی کو برقرار رکھنے اور اس کی نشوونما کے وسائل سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے یہ وسائل کیا ہیں؟ بس اس ایک سوال کے جواب پر ہماری قومی حکمت کا عملی دارومدار ہے۔

تقلید مغرب کی وبا عام ہو چکی ہے اور اسے دیکھ کر خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ہم بھی اپنی حکمت عملی کو وضع کرتے ہوئے ضابطہ الٰہی کو پس پشت ڈال کر ذلت و نامرادی کے کبھی ختم نہ ہونے والے چکر میں پھنس جائیں۔ اس لیے کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے ہمیں ایک تو یہ دیکھنا ہے کہ رسول مقبول ﷺ کی بتائی ہوئی الہامی شاہراہ کونسی ہے۔ جس پر گامزن ہو کر ہمارے آباؤ اجداد "اُمۃ وسطا" کے مخصوص لقب سے ملقب ہوئے اور وہ معجزانہ قوت حاصل کی جس سے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ گئے۔ رومتہ الکبریٰ کی سطوت خاک میں مل گئی۔ تعبد و غلامی کی زنجیریں ایک ہی جھٹکے میں پارہ پارہ ہو گئیں۔ اس شاہراہ کامرانی کی کلید آپ کو ملے گی تو بس قرآن و حدیث میں "ثانیا" ہمیں ان حالات کا بھی جائزہ لینا ہے جن کے زیر اثر ہماری قومی عظمت کی کھیتی جس کی شادابی پر ایک زمانے کو ناز تھا دیکھتے دیکھتے ویران ہو گئی اور اس کے گلہائے رنگا رنگ بکھر کر اغیار کی زیب و زینت کا سامان بن گئے ان حالات سے آگہی تاریخ کی ورق گردانی کے بغیر ممکن نہیں۔ پس حیات ملی کی از سرنو ترتیب و تعمیر میں صحیح واقعات کا جاننا اور تاریخ سے زندہ تعلق پیدا کرنا ازبس ضروری ہے۔

فاتح کبھی بھی ملک گیری پر قناعت نہیں کرتا وہ مفتوح کی رہی سہی استعداد کردار اور قومی سیرت کی تخریب کے درپے رہتا ہے کیونکہ اس کے بغیر اس کی غلامی کی زنجیریں مضبوط نہیں ہو سکتیں۔ ہندوستان کے مسلمان ڈیڑھ صدی سے اسی جان گسل جدوجہد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مصروف رہے کہ اپنی ملکی ہستی کو قائم اور برقرار رکھ سکیں۔ لیکن ہندوستان میں مختلف قوموں کی موجودگی نے اس کشمکش کو اور بھی سخت کر دیا ہے۔ ہم میں زندگی کی رمق اگر ابھی تک باقی ہے تو یہ ہمارے سخت جان اور پختہ کار ہونے کی بین دلیل ہے اور ایک کوتاہ بین سے کوتاہ بین تک کو بھی اس میں امید کی جھلک نظر آئے گی۔

حکومت چھن جانے کے بعد ہماری قومی زندگی کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کیے گئے اور ہم نے اس کے مقابلے میں کیا کچھ کیا۔ اس کے متعلق چند سالوں کی مختصر مگر جامع تاریخ آپ کو اس کتاب کے اوراق میں نظر آئے گی۔ یہ اس انگریز کے فکر و مطالعہ کا نتیجہ ہے جس نے اس جدوجہد کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جسے خود بھی حکومت میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور جس کی رسائی ارباب حل و عقد تک بے روک ٹوک ممکن تھی لیکن وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا کہ واقعات کو ایک ہی نقطہ نظر سے دیکھے۔ بایں ہمہ اس کا قلم واقعات کا انکار نہ کر سکا۔

انیسویں صدی کی تاریخ ہندوستان نے اصلاح و تجدید کی جس قدر شخصیتیں پیدا کی ہیں ان میں کوئی شخصیت بھی اپنی طبعی ذہانت اور غیر اکتسابی قوتوں میں اس قدر غیر معمولی نہیں جس قدر حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمتہ تھے۔ اس کتاب کے پہلے دو ابواب میں حضرت امیر شہید کی تحریک حق و صداقت کو' جو مسلمانوں کو ان کی انفرادی اور ملی زندگی کے ہر شعبے میں مسلمان بننے کی دعوت دیتی تھی اور جسے بعد میں "وہابیت" کا نام دیا گیا تھا' وضاحت سے بیان کیا گیا ہے گویا یہ ہماری انفرادی اور ملی زندگی کو تخریب و ہلاکت سے بچانے کے لیے پہلا قدم تھا جو اٹھایا گیا اور جس کی کامیابی کو دیکھ کر جناب امیر شہید اور ان کے رفقاء کی قوت عمل اور پختگی ایمان و یقین پر حیرت ہوتی ہے۔ کیا مسلمانوں میں کبھی یہ جذبہ موجود تھا کہ اس کارخانے کے مالک کو جہاں محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالتے' صاف صاف کہہ دیں کہ ہمیں چند مہینوں کی رخصت دی جائے تاکہ ہم مجاہدین کی صف میں کھڑے ہو سکیں؟ دینی فریضہ جہاد کی انجام دہی کا یہ جذبہ ہر چھوٹے بڑے میں پایا جاتا تھا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت' اعلیٰ ہو یا ادنیٰ' شہری ہو یا دیہاتی' عوام سے ہو یا خواص سے۔ مختصر یہ کہ ہر فرد ملت اس نشے میں سرشار تھا اور اپنی اپنی بساط کے مطابق سرگرم عمل' سب ایک ہی دھن میں لگے ہوئے تھے اور حوادث روزگار سے بے پرواہ ہو کر جس راہ پر گامزن ہوئے اس سے سرمو انحراف نہ کیا۔

حضرت سید احمد رحمتہ اللہ علیہ کی تحریک کا مقصد اسلامی حکومت کا قیام تھا اور اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے پہلے ان کا مقابلہ سکھوں سے اور بعد میں انگریزی حکومت سے ہوا۔ جناب سید صاحب کی ابتدائی زندگی کا حال بیان کرتے ہوئے ان کی شان میں مصنف نے جو گستاخانہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان پر تعجب نہ ہونا چاہیے کیونکہ مغربی تاریخ نگاروں کا ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ ملت کے یہ وفادار سرفروش اگر یورپ میں ہوں تو انہیں قومی اور مذہبی زندگی میں بلند ترین مقام پر جگہ دی جاتی ہے اور بدقسمتی سے اگر ان کا تعلق سرزمین ایشیا اور بالخصوص اسلام سے ہو اور وہ کسی مغربی سے برسرپیکار ہو تو اس سے زیادہ ذلیل انسانیت کا خون کرنے والا اور امن پسند شہریوں کی جائیداد و املاک کو لوٹنے والا اس دنیا میں کوئی اور ہو نہیں سکتا۔ چاہیے کہ اس کی لاش بھی قبر سے کھدوا کر جلا دی جائے۔ مجاہدین کے لیے "باغی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ دو متضاد قوانین میں سے ایک کی پرجوش حمایت دوسرے سے بغاوت کے مترادف ہے۔ بحیثیت مترجم میں بھی شاید مصنف کے الفاظ ہی استعمال کرتا اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ پنجاب اور صوبہ سرحد بلکہ تمام ہندوستان میں یہ سرفروش گروہ "مجاہدین" کے نام سے مشہور ہے اور اس سے قارئین کرام کو واقعات کی رفتار ذہن نشین کرانے میں آسانی ہوگی۔

سید احمد رحمتہ اللہ علیہ اپنوں میں کس قدر ہردلعزیز تھے اس کا اندازہ ان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کے جوش و خروش کے علاوہ اس واقع سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ کلکتہ یا بمبئی میں وارد ہوتے تو مرید بننے والوں کا ہجوم اس قدر زیادہ ہوتا کہ آپ اپنی دستار کھول کر اس حکم کے ساتھ پھیلا دینے پر مجبور ہو جاتے کہ جو شخص بھی اسے چھوئے گا بس وہ میرا مرید کہلائے گا اور یہ سب کچھ اس زمانے میں ہوا جب پروپیگنڈا اور نشرواشاعت کے موجودہ وسائل اور طریقوں سے دنیا ہنوز ناآشنا تھی۔

حضرت امیر شہیدؒ کی شہادت کے بعد مجاہدین کی تحریک' ان کے لیڈروں کے طرز عمل اور طریق کار پر بھی خوب بحث کی گئی ہے۔ بہت سے واقعات کا انکشاف مقدمات کے دوران میں ہوا ہے۔ اس ضمن میں کئی ایک پیشین گوئیاں بھی درج کی گئی ہیں اور چند کتابوں کا ذکر بھی ہے کچھ تو ان میں ایسی ہیں جو زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور باقی ماندہ کی اشاعت ازبس ضروری ہے۔ سرحدی جنگوں کی روئیداد سرکاری دستاویزوں سے مرتب کی گئی ہے اور قابل مطالعہ ہے ان ابواب کا بغور مطالعہ کرنے سے عام مسلمانوں کا رجحان طبیعت اور 1857ء کے واقعات پر مزید روشنی پڑے گی اور ان کے اسباب بہت حد تک سمجھ میں آجائیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرے باب میں مسئلہ جہاد زیر بحث آیا ہے۔ ہندوستان کے دارالاسلام اور دارالحرب ہونے کے متعلق بھی کئی ایک نظریے پیش کئے گئے ہیں۔ اور ان کے متعلق علماء دین کے فتوے بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔ اس مذہبی بحث میں الجھنا ایک بہت بڑی جسارت ہے جسے اور تو اور میں بھی پسند نہیں کرتا البتہ اپنے ایک پختہ یقین کو پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

انیسویں صدی کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یورپ نے اپنے الحاد و بے دینی کے باوجود بے انداز دولت صرف کر کے مبلغین کی بہت بڑی تعداد ہندوستان اور عالم اسلامی میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بھیجی۔ لیکن اس قدر صرف کثیر کے باوجود وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوا اور مسلمانوں کو صراط مستقیم سے ہٹا کر تثلیث کے جھنڈے تلے جمع کرنے میں اسے مونہہ کی کھانی پڑی۔ یورپ کی یہ تبلیغ اس کی عیسائیت پرستی کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس لیے تھی کہ مبلغین کی یہ جماعت "ملوکیت" کے ہراول دستے کا کام دیں اور باقاعدہ تسلط کا راستہ صاف کرنے کے لیے اس ملک میں دینی عصبیت اور مخصوص مفاد پیدا کرنے کی سعی کریں۔ مسلمانوں میں جب براہ راست دینی تبلیغ ناکام رہی تو ملوکیت کے پرستار ایک نیا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے اس زمانے میں مسئلہ جہاد ہندوستان میں ایک موضوع بنا ہوا تھا اور بقول مصنف ہر دیندار مسلمان اپنے عقیدے کا علی الاعلان اظہار کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس ضمن میں سرحدی جنگوں اور 1857ء کے ہنگامہ کے علاوہ بہت سے دیگر واقعات پیش آئے جس کا بیان طوالت سے خالی نہ ہوگا اور بالآخر 1872ء میں لارڈ میو وائسرائے ہند انڈیمان کا دورہ کرتے ہوئے پورٹ بلیر (Port Blair) کے مقام پر ایک پٹھان کے ہاتھوں قتل ہوا اور ملزم نے اپنے بیان میں اسے کار ثواب بتلایا۔ واقعات کی رفتار صاف صاف بتلا رہی ہے کہ ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں جہاں کہیں مغربی شہنشاہیت نے قدم رکھا' ایسے "انبیاء" کا مبعوث ہونا کیوں ضروری ہو گیا جن کا مقصد وحید اس ضلالت و طغیان سے بھرپور دنیا میں صرف مسئلہ جہاد کی توضیح و تشریح تھا۔ اس مسئلہ کے ساتھ بعض دیگر غیر ضروری مسائل کو اس طرح خلط ملط کیا گیا کہ ہمارے علماء کرام ان کا رد لکھنے میں ہمہ تن مشغول ہو گئے چنانچہ مسئلہ جہاد اور اس کی سیاسی اہمیت کو پس پشت ڈال دیا گیا اور یہی منشاء "خداوندی" تھا۔ پس مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس قسم کے "انبیاء" کا مبعوث ہونا ناگزیر ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخری باب موجودہ زمانہ کے لحاظ سے بہت اہم ہے اور زیادہ تر یہی اس کتاب کے ترجمے کا باعث ہوا۔ اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہماری شیرازہ بندی کی اہم کڑیاں کونسی ہیں اور انہیں کس طرح بکھیرا گیا اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو اور خصوصاً" اس کے نوجوان طبقے کو اپنے دل سے یہ خیال حرف غلط کی طرح مٹا دینا چاہیے کہ ان میں سربلندی اور حاصل کردہ قوت کے صحیح اور جائز استعمال کی اہلیت نہیں۔ یا وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں پست ہمت اور سرمایہ عقل و دانش میں کمتر ہیں۔ اگر فی زمانہ وہ اپنی آرزوؤں اور تمناؤں میں کماحقہ کامیاب نہیں ہو رہے تو اس کا سبب بیرونی اثرات ہیں جن کا مقابلہ استقلال اور ایمان کی پختگی سے کیا جا سکتا ہے۔ راہ کی مشکلات اور مدت کی طوالت سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ مخصوص تہذیب و تمدن کے علمبردار ہونے کے باعث ان کی راہ اوروں سے مختلف ہے اس لیے ذرا دشوار بھی۔ اگر غیر اقوام کی تقلید کرتے ہوئے صحیح راہ سے بھٹک گئے تو بظاہر برتری ہماری ذلت کا باعث ہوگی۔ اور پھر ہم جیئے بھی تو ہمارا جینا بے کار ہوگا۔ ہاں اگر دانش قرآنی چشمہ سرمدی سے فیض یاب ہو کر ہمت و استقلال کے ساتھ صراط مستقیم پر چل نکلیں تو لیستخلفنھم فی الارض کا عملی اطلاق اب بھی ہم پر ہو سکتا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طبع ثانی

1944ء میں جب میں نے ولیم ہنٹر کی اس کتاب کا یہ ترجمہ پیش کیا تھا تو ملک میں تحریک آزادی پورے شباب پر تھی۔

آج ہم آزاد ہیں۔ ہماری جدوجہد کا ثمرہ "پاکستان" ہمیں مل چکا ہے اور بظاہر حالات بہت بدل چکے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو جہاد آزادی کی تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں اور وہ نئی نسل جو پاکستان میں پروان چڑھ رہی ہے ان تاریخی حقائق کو کبھی نظرانداز نہیں کر سکتی جو ایک متعصب انگریز کے قلم سے عینی شاہد کی حیثیت سے ترتیب پائے ہیں۔

مجھے میرے احباب نے اسی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر اس کتاب کے طبع ثانی کا مشورہ دیا ہے۔ میں نے اس پر نظرثانی بھی کر دی ہے اور حسب ضرورت حاشیہ بھی دے دیا ہے تاکہ کہیں الجھاؤ باقی نہ رہے۔

مجھے توقع ہے کہ مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کی تاریخ میں یہ کتاب بہرطور ایک کڑی کی حیثیت رکھتی ہے اور اسے آج بھی وہی اہمیت حاصل ہوگی جو آج سے دس برس پیشتر حاصل تھی۔

صادق حسین

طور منزل 59 بیڈن روڈ

1955ء لاہور

737

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب اول

ہندوستان کی سرحد پر ایک باغی کیمپ

بنگال کے مسلمان ایک دفعہ پھر عجیب کشمکش میں مبتلا ہیں۔ سالہا سال سے سرحد کے مجاہدین کی نو آبادی ہماری سرحد پر چھاپے مار رہی ہے۔ وقتاً فوقتاً وہ متعصب لوگوں کے گروہ بھیج دیتی ہے۔ جو ہمارے کیمپ پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ہمارے گاؤں کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ہماری فوج کو ان کے ساتھ تین تباہ کن لڑائیاں لڑنی پڑی ہیں۔ اس مخالف نو آبادی کے لئے نہایت ہی منظم طریقہ پر بنگال میں آدمی بھرتی کئے جاتے ہیں اور یکے بعد دیگرے مختلف سازشی مقدمات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سازش کا یہ جال ہمارے تمام صوبوں میں پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ پنجاب سے پرے کا غیر آباد کوہستانی علاقہ گرم ملک کی ان دلدلوں سے جہاں دریائے گنگا سمندر میں جا گرتا ہے اس قسم کے مسلسل سازشی اداروں سے ملا ہوا ہے۔ ان مقدمات سے ایسے سازشی اداروں کا بھی پتہ چلا ہے۔ جو گنگا[1] کے دہانے سے بڑی باقاعدگی کے ساتھ روپیہ اور آدمی حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کو ہماری جرنیلی سڑک پر منزل بمنزل گزارتے ہوئے اس باغی کیمپ میں پہنچا دیتے ہیں۔ جو یہاں سے دو ہزار میل کی مسافت پر واقع ہے۔ بڑے بڑے ذہین اور دولت مند اشخاص اس سازش میں حصہ لے رہے ہیں اور روپیہ پہنچانے کے طریقے کو جو باغیانہ سازش کا ایک نہایت ہی خطرناک کام ہے کمال ہوشیاری سے ایک بے ضرر مہاجنی کاروبار کا رنگ دے دیا گیا ہے۔

جو مسلمان زیادہ متعصب ہیں وہ تو کھلم کھلا بغاوت میں حصہ لے رہے ہیں اور باقی تمام مسلمان علانیہ جہاد کی فرضیت پر بحث میں مصروف ہیں۔ چنانچہ گزشتہ نو ماہ سے بنگال کے سرکردہ اخبارات نے اس بحث پر کالم کے کالم سیاہ کر دیئے ہیں کہ مسلمانوں پر ملکہ[2] کے خلاف بغاوت کرنے کا فرض عائد ہوتا ہے یا نہیں۔ سب سے پہلے شمالی ہندوستان کے علماء کا متفقہ فتویٰ شائع کیا گیا اور اس کے بعد بنگال کے مسلمانوں نے اس موضوع پر

---

[1] یعنی جنوبی بنگال [2] ملکہ وکٹوریہ آنجہانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک رسالہ شائع کیا۔ شیعہ جماعت بھی جو ہندوستان میں بہت ہی اقلیت میں ہے کچھ نہ کچھ شائع کرنے سے گریز نہ کر سکی۔ چند مہینے تو ہمارے اینگلو انڈین اخبارات ان معدودے چند وفادار مسلمانوں کا مذاق اڑاتے رہے جو بڑی سرگرمی سے اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں سرگرداں تھے کہ اگر ہم نے ملکہ کے خلاف بغاوت نہ کی تو کیا ہم اپنی روح کو تباہی سے بچا سکتے ہیں۔ مگر علماء اور فقہاء کے متفقہ فتویٰ کی اشاعت کے بعد ہمارے ہم وطنوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ یہ مسئلہ مذاق ہی مذاق نہیں بلکہ ایک خطرناک پہلو بھی رکھتا ہے۔ وہ متعلقہ تحریریں جو خود مسلمانوں نے شائع کی ہیں۔ اس بات کا صاف پتہ دے رہی ہیں کہ اس وقت ہماری ہندوستانی سلطنت ایک نہایت ہی خطرناک دور سے گزر رہی ہے۔

اس شائع شدہ مواد سے ہر عقلمند آدمی کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ مسلمانوں کا نڈر طبقہ تو کئی سال سے کھلم کھلا بغاوت میں حصہ لے رہا ہے اور باقی تمام قوم ایک نہایت ہی اہم ملکی مسئلہ میں پریشان ہو رہی ہے۔ "بغاوت کے فرض" کو باقاعدہ طور پر اور علی الاعلان شریعت اسلامی کا ایک اہم قانونی مسئلہ بنا لیا گیا ہے چنانچہ ہر مسلمان مجبور ہو گیا ہے کہ اپنے عقیدہ کا اظہار کرے اور اپنے ہم مذہبوں کے سامنے کھلم کھلا بتائے کہ وہ سرحد پار کے باغی کیمپ میں کچھ نہ کچھ حصہ لے گا یا نہیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے اپنے متعلق قطعی فیصلہ کرے کہ آیا اسے ایک سچے مسلمان مجاہد کی طرح زندگی بسر کرنا ہے یا ملکہ معظمہ کی پرامن رعایا کی حیثیت سے۔ مسلمانوں نے کسی قطعی فیصلہ پر پہنچنے کے لئے صرف ہندوستان کے علماء ہی کے فتووں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ مکہ معظمہ کے علماء تک بھی پہنچے ہیں اور کچھ مہینوں تک تو مسلمانان ہندوستان پر بغاوت کرنے یا نہ کرنے کے فرض کا تصفیہ مکہ معظمہ کے تین اہل سنت والجماعت علماء کے فتویٰ پر منحصر رہا۔

میں چاہتا ہوں کہ یہاں پر اپنی مسلمان رعایا کی اس مضطربانہ کیفیت سے بحث کروں جس نے تین صورتیں اختیار کر رکھی ہیں۔

میں ان واقعات کا جن کی وجہ سے ہماری سرحد پر باغیوں کی نو آبادی قائم ہوئی اور ان خوفناک نقصانات میں سے بعض کو بھی، جو اس کی وجہ سے سلطنت برطانیہ کو برداشت کرنا پڑے قارئین کے سامنے مجملاً بیان کروں گا۔ اور دوسرے باب میں باغیوں کی اس تنظیم کا ذکر کروں گا جس کے ذریعہ باغی کیمپ نے ہماری سلطنت کے اندرونی اضلاع سے آدمی اور روپیہ مسلسل طور پر حاصل کیا۔ پھر میں ان شرعی مباحث کی تفصیل بیان کروں گا جن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بنا پر تشویشناک حالات رونما ہوئے یہ وہ مباحث تھے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا عام طبقہ پرجوش طریقہ پر باغی پیشواؤں کی زہر آلود تعلیم سے متاثر ہو رہا ہے اور کس طرح مسلمانوں کا ایک طبقہ جو تعداد میں بہت ہی کم ہے فرض جہاد سے سبکدوشی حاصل کرنے کے لئے شریعت مقدسہ میں عجیب و غریب تاویلیں پیش کر رہا ہے لیکن اگر میں صرف اسی پر بس کر دوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ میں نے پوری بات بیان نہیں کی۔ مسلمانان ہندوستان اب بھی اور اس سے بہت عرصہ پہلے بھی ہندوستان کی انگریزی حکومت کے لئے ایک مستقل خطرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی نہ کسی وجہ سے وہ ہمارے طور طریقوں سے بالکل الگ تھلگ رہے اور ان تمام تبدیلیوں کو جن میں زمانہ ساز ہندو بڑی خوشی سے حصہ لے رہا ہے اپنے لئے بہت بڑی قومی بے عزتی تصور کرتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ چوتھے باب میں مسلمانوں کی ان شکایات کو جو انہیں انگریزی حکومت میں پیدا ہوئی ہیں معلوم کروں اور ان کی واقعی شکایات بیان کروں اور ساتھ ہی ان کے رفع کرنے کے طور طریقوں پر بھی روشنی ڈالوں۔

سرحد پر باغی کیمپ کے بانی مبانی سید[1] تھے وہ ان بے باک اور باہمت نوجوانوں میں سے تھے جو نصف صدی قبل پنڈاری قوت کے استیصال کے بعد تمام ہندوستان میں بکھر گئے تھے۔

سید صاحب نے اپنی زندگی اس مشہور لٹیرے[2] کی فوج میں ایک سوار کی حیثیت

---

[1] آپ رائے بریلی کے رہنے والے تھے۔ 1201ھ مطابق 1786ء کے مقدس مہینہ محرم میں پیدا ہوئے۔
سید صاحب کو باغی لکھنا مصنف کی بہت بڑی غلطی ہے اور اس بغض و عناد کا پتہ ملتا ہے جو مجاہد مسلمانوں کے خلاف ہر انگریز کے دل میں موجود ہے۔ سید صاحب کے سرحد پہنچتے وقت پنجاب و سرحد میں انگریز کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر سید صاحب نے انگریز سے کس طرح بغاوت کی۔ سید صاحب کی تحریک ہندوستان میں شروع ہوئی اور ہندوستان میں پروان چڑھی اور یہ سب کچھ انگریز کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ چونکہ تحریک سکھوں کے خلاف تھی۔ اس لئے کمپنی نے دانستہ اعراض کیا اور اپنے علاقہ میں اس تحریک کو دبانے کی کوشش نہ کی۔ اس لئے سید احمد کو مصنف کا باغی لکھنا لفظ کا غلط اور جلد بازانہ استعمال ہے۔ (مترجم)

[2] امیر خان پنڈاری نواب آف ٹونک مغربی اقوام کا یہ خاصہ ہے کہ ہر محب وطن اور آزادی خواہ کو پہلے لٹیرے ہی کے لفظ سے یاد کرتی ہیں۔ (مترجم)

امیر خان پنڈاری آف ٹونک' امیر خان کا دارالریاست ٹونک ہے جو راجپوتانہ میں واقع ہے۔ یہ وہ ٹانک نہیں جو صوبہ سرحد کے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں واقع ہے۔ امیر خاں کو اکثر پنڈاری سمجھا جاتا ہے لیکن اکثر تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پنڈاری نہ تھا۔ امیر خاں کے ساتھ جو کمپنی کا معاہدہ ہوا ہے اس میں ایک شق یہ موجود ہے۔ دفعہ سوم "نواب موصوف خلش در ملک کسے نخواہند کرد و رابطہ کہ باپنڈارہا و دیگر غارت گراں میدارند موقوف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے شروع کی جس نے مالوہ میں افیم پیدا کرنے والے دیہات کو مدتوں تاخت و تاراج کیا تھا۔ مگر رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی قوت نے جس سختی کے ساتھ اپنے مسلمان ہمسایوں کو دبائے رکھا اس سے مسلمان لٹیروں[1] کا کام بہت ہی خطرناک اور غیر منفعت بخش ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ مہاراجہ مذکور کے ہندوانہ مذہبی تعصب نے شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے جوش و خروش کو اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ سید احمدؒ نے نہایت دانشمندی سے اپنے آپ کو زمانہ کے مطابق بدل دیا۔ چنانچہ انہوں نے قزاقی کا پیشہ ترک کر کے 1816ء میں احکام شرعیہ پڑھنے کے لئے دہلی جا کر ایک جید عالم[2] کی شاگردی قبول کی اور پھر تین سال کی اس طالب علمانہ حیثیت کے بعد ایک مبلغ کی زندگی اختیار کی۔ انہوں نے پرزور طریقہ پر ان بدعات کے خلاف جہاد شروع کیا۔ جو مسلمانان ہند کے اسلامی عقائد میں داخل ہو چکی تھیں اور اس طرح پرجوش اور حوصلہ مند لوگوں کو اپنا مرید بنا لیا۔

ان کی تبلیغ کا پہلا مرکز روہیلوں کی قوم تھی جن[3] کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے کے لئے ہم نے محض دولت کے لالچ میں اپنی فوجیں عاریتاً" دوسروں کو دے دی تھیں اور جس کی افسوس ناک تاریخ وارن ہسٹنگز کی زندگی پر ایک نہ مٹنے والا بدنما داغ ہے۔ ان کی اولاد گزشتہ نصف صدی سے متواتر اس کا انتقام لیتی چلی آ رہی ہے اور اس وقت بھی سرحد کے باغی کیمپ کو اس کے بہترین شمشیر زن مہیا کر رہی ہے۔ روہیلوں کے معاملہ میں بھی اور ہندوستان میں جہاں کہیں بھی ہم نے مظالم کئے ہیں ہم نے جیسا بویا ویسا ہی کاٹا ہے۔

1820ء میں اس مجاہد نے آہستہ آہستہ اپنا سفر جنوب کی طرف شروع کیا۔ اور ان کے مرید ان کی روحانی فضیلت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے ادنیٰ سے ادنیٰ کام کو بخوبی سرانجام دیتے تھے اور صاحب جاہ اور علماء عام خدمتگاروں کی طرح ان کی پالکی کے ساتھ

---

[1] (بقیہ حاشیہ) خواہند نمود۔ بلکہ حتی الوسع درتدرک و مدافعت آنہا برخافت سرکار خواہند پرداخت و سوال باحدے بغیر مرضی سرکار نخواہند داشت" اگر وہ پنڈاری ہوتا تو اپنی قوم سے قطع تعلق کیا معنے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے انگریز مصنفوں نے امیر خان کو بدترین و شدید قسم کا پنڈاری مشہور کر دیا۔ (مترجم)

[1] پنجاب میں کون سے مسلمان لٹیرے تھے؟ وہاں تو سکھ لٹیرے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ طاقتور رنجیت سنگھ تھا۔ سکھوں نے مسلمانوں کے خون اور مسلمانوں کی دولت پر پرورش پائی۔ مسلمانوں کی بنائی ہوئی یادگار زمانہ عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر اپنی حویلیاں اور محل کھڑے کئے اور دفینوں کی تلاش میں زیب النساء اور نورجہاں کی قبروں تک کو کھود ڈالا۔ دیکھیں تاریخ لاہور از محمد لطیف۔ (مترجم)

[2] شاہ عبدالعزیز صاحب۔ (مترجم)

[3] روہیل کھنڈ میں رام پور کے قریب فیض اللہ کی جاگیر میں (مترجم)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ننگے پاؤں دوڑنا اپنے لئے فخر سمجھنے لگے۔ پٹنہ میں طویل قیام کے بعد ان کے مریدوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ایک باقاعدہ نظام حکومت کی ضرورت پیش آگئی۔ انہوں نے باقاعدہ اپنے ایجنٹ مقرر کئے تاکہ ہر اس شہر سے جو ان کے راستے میں پڑتا ہو تجارت کے منافع پر ٹیکس وصول کریں۔ اس کے بعد انہوں نے چار خلیفے مقرر کئے[1] یعنی روحانی نائب اور ایک قاضی القضاۃ مقرر کیا اور اس کے لئے ایک باقاعدہ فرمان جاری کیا جیسا کہ مسلمان بادشاہ صوبجات میں اپنے گورنر مقرر کرتے وقت جاری کیا کرتے تھے۔ اس طرح پٹنہ میں ایک مستقل مرکز قائم کرنے کے بعد انہوں نے دریائے گنگا کے ساتھ ساتھ کلکتہ کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں لوگوں کو سلسلہ مریدی میں داخل کرتے جاتے تھے۔ کلکتہ میں ان کے اردگرد اس قدر ہجوم ہو گیا تھا کہ لوگوں کو مرید کرتے وقت اپنے ہاتھ پر بیعت کرانا ان کے لئے مشکل تھا۔ بالآخر انہیں پگڑی کھول کر یہ اعلان کرنا پڑا کہ ہر وہ شخص جو اس کے کسی حصے کو چھولے گا ان کا مرید ہو جائے گا۔

1822ء میں وہ حج کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ چلے گئے اور اس طرح اپنی گزشتہ سوانح حیات کو جو بحیثیت ایک قزاق کے گزاری تھی حاجی[2] کے مقدس لباس میں چھپا کر اگلے سال ماہ اکتوبر میں بمبئی وارد ہوئے۔ یہاں پر آپ کی تبلیغی کوششوں کو وہی کامیابی حاصل ہوئی جو کلکتہ میں ہوئی تھی مگر اس لٹیرے ولی کے لئے انگریزی علاقے کے پرامن شہریوں کی بجائے ایک اور زیادہ موزوں میدان موجود تھا۔ انہوں نے شمالی ہند کو واپس ہوتے ہوئے اپنے وطن مالوف ضلع رائے بریلی میں بہت سے سرکشوں کو اپنا مرید بنا لیا۔ اور 1824ء میں سرحد پشاور کے وحشی اور پہاڑی قبیلوں میں آنمودار ہوئے۔ یہاں انہوں نے سکھ سلطنت کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کی تبلیغ شروع کر دی۔

پٹھانوں کے قبائل نے نہایت جوش و خروش کی ساتھ ان کی دعوت پر لبیک کہی۔ اسلامی قبائل میں جو زیادہ پرجوش اور توہم پرست تھے وہ اس بات سے بہت خوش ہوئے کہ ان کو اپنے ہندو ہمسایوں کو لوٹنے کے لئے ایک مذہبی بہانہ ہاتھ آگیا ہے۔ امام صاحبؒ نے ان لوگوں کو یقین دلا دیا تھا کہ جو شخص غازی ہوگا وہ مال غنیمت سے مالا مال ہو

---

[1] مولوی ولایت علی مولوی عنایت علی مولوی محرم علی اور مولوی فرحت حسین اور شاہ محمد حسین کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔

[2] انگریز مصنفین ایسے ایسے ناپاک اور گمراہ کن الفاظ جگہ بہ جگہ موزوں کر کے اپنی گندی ذہنیت کا ثبوت دینے کے عادی ہیں۔ حالانکہ سید صاحب نے نہ ہنٹر کا اور نہ کسی اور انگریز کا کچھ بگاڑا تھا۔ اگر مسئلہ جہاد کی بنا پر یہ غصہ ہے تو یہ مسئلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا اسلام پرانا ہے۔ تو بھی سید صاحب کے خلاف دشنام طرازی بالکل لچر اور لغو ہے۔ (مترجم)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر لوٹے گا اور جو میدان جنگ میں کام آئے گا وہ سیدھا جنت کو سدھارے گا اور شہادت کا درجہ پائے گا۔ انہوں نے کابل اور قندھار کا سفر اختیار کیا اور جہاں کہیں بھی گئے ملک کو جہاد پر آمادہ کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی قوت مستحکم کرنے کے لئے مختلف قبیلوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا۔ ان کو لوٹ مار کا لالچ دیا۔ اور ان کا دین یہ کہہ کر خرید لیا کہ میں تمام دنیا کے مشرکین یعنی سکھوں سے لے کر چینیوں تک کی بیخ کنی کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں۔ انہوں نے کوہستان کے سمجھ دار سیاسی لیڈروں اور قبائل کے دنیا دار سرداروں کو ہمسایہ سکھ قوم کی بڑھتی ہوئی طاقت کی روک تھام کی طرف توجہ دلائی۔ راجہ رنجیت سنگھ کے عہد کی پرانی نفرت و حقارت اس کے پیش نظر رہی۔ اس طرح پر مذہبی احکام کی کامیابی کے لئے راستہ صاف کرنے کے بعد انہوں نے خدا کے نام پر ایک باقاعدہ فرمان جاری کیا۔ جس میں تمام سچے مسلمانوں کو جہاد میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی۔ اس عجیب و غریب دستاویز کو اس طرح شروع کیا گیا:

"سکھ قوم نے مدت سے لاہور اور دیگر علاقوں پر قبضہ جما رکھا ہے ان کا ظلم حد سے بڑھ گیا ہے۔ ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور ہزاروں کو بے عزت اور ذلیل کیا گیا ہے انہوں نے مساجد میں اذان کا دینا بند کر رکھا ہے اور گاؤکشی کی قطعی ممانعت کر دی ہے۔ آخر کار جب ان کا ظلم و تعدی ناقابل برداشت حد تک بڑھ گیا تو سید احمد علیہ الرحمتہ نے صرف اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کہ دین اسلام کی حفاظت کی جائے۔ اپنے ساتھ چند مخلص مسلمانوں کو لے کر کابل اور پشاور کی راہ لی اور وہاں مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور ان میں جرات و ہمت پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہزاروں مسلمانوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہی اور خدا کے راستے پر قربان ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ پس 21 دسمبر 1826ء کو سکھوں کے خلاف جہاد شروع ہو جائے گا"۔

اس اثناء میں امام صاحبؒ کے قاصدوں نے اس اعلان کو شمالی ہندوستان کے ان بڑے بڑے شہروں میں پہنچا دیا۔ جہاں انہوں نے اپنے مرید بنائے ہوئے تھے۔ یہ اعلان اس رسالہ سے لیا گیا ہے جو صوبہ اودھ کے ایک دور افتادہ مقام سے شائع ہوا۔[1]

---

[1] رسالہ ترغیب الجہاد یعنی مذہبی جنگ پر اکسانا۔ اس کے مصنف قنوج کے ایک مولوی صاحب تھے۔ سرکاری روداد 1865ء (مصنف) اس نام کا کوئی رسالہ ہمیں معلوم نہیں البتہ ایک رسالہ "جہادیہ" ہے (مترجم)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد سکھوں کے خلاف ایک مذہبی جنگ شروع ہو گئی۔ اس جنگ میں کبھی ایک فریق غالب آیا اور کبھی دوسرے فریق کو فتح نصیب ہوئی۔ دونوں طرف سے بے تحاشا قتل عام کیا گیا۔ مسلمان مجاہدین اور ہندو سکھوں کے درمیان نفرت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ ان کا اظہار ضرب المثل اور مقامی روایات کی صورت میں ہونے لگا۔ رنجیت سنگھ نے اپنی سرحدوں کو ایک ایسے قابل جرنیل کے ذریعہ مستحکم کر لیا تھا جو نپولین اعظم کی فوج کے منتشر ہونے کے بعد تمام دنیا میں پھیل گئے تھے۔ چنانچہ پشاور کے کسانوں کو ایک اطالوی قسمت کے مارے جرنیل الویطابلی[1] (AVITABILE) کا نام اب تک یاد ہے۔ مسلمان وقتاً" فوقتاً" پہاڑوں سے نکل کر میدانوں پر چھاپہ مارتے اور جہاں جاتے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے تھے۔ ان کے مقابلے میں گاؤں کے بہادر سکھ مسلح ہو کر انکی مدافعت کرتے اور ان کو ہستانی مجنونوں کو اپنے پہاڑوں کی طرف بھگا دیتے۔ اس کے بعد درندوں کی طرح ان کا تعاقب کرتے۔ چنانچہ اس وقت کے انتہائی جوش و خروش نے پٹہ داری کی ایک نہایت ہی خوفناک صورت چھوڑی ہے یعنی پٹہ داری بغرض خون۔ چنانچہ سرحد کے ہندو اب تک بڑے فخر کے ساتھ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے گاؤں کی اراضیات حسین خیل قبیلے کے ایک سو سر سالانہ کی پٹہ داری پر دی گئی تھیں۔

باقاعدہ جنگوں میں مجاہدین کی بے ترتیب فوج سکھوں کی منظم سپاہ کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ 1827ء کو امام صاحبؒ نے اپنے قبائل کے ساتھ ان کے ایک ایسے کیمپ پر حملہ کر دیا۔ جس نے خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان کو سخت جانی نقصان کے بعد پسپا ہونا پڑا۔ مگر میدانی جرنیل کو فتحمندانہ تعاقب کی جرات نہ ہوئی اور یہ متعصب گروہ دریائے سندھ کے پار اپنے پہاڑوں میں چلا گیا۔ اس طرح انہوں نے جنگ چپاول میں فتحمندی سے اپنا نام یہاں تک پیدا کر لیا کہ سکھ حاکم ان قبائل کی حمایت خریدنے پر مجبور ہو گیا جو چھاپہ مارنے میں سب سے پیش پیش تھے۔ 1829ء میں تو حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ میدان والوں کو پشاور شہر کے متعلق بھی خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ جو سرحدی صوبہ کا دارالخلافہ تھا۔ وہاں کے صوبہ دار[2] نے اس جنگ کو ختم

---

[1] میں نے اس جرنیل کا نام مقامی تلفظ کے مطابق دیا ہے۔ [2] ایک مسلمان تھا اور رنجیت سنگھ کا پٹھو تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لئے دغابازی سے امام صاحب کو زہر دینے کی کوشش کی اور اس افواہ نے کوہستانی مسلمانوں کے جوش کو انتہائی درجہ تک پہنچا دیا۔ وہ نہایت ہی جوش و خروش سے میدانی علاقوں پر ٹوٹ پڑے اور کفار کی تمام افواج کو تہ تیغ اور اس کے جرنیل کو مہلک طور پر زخمی کر دیا۔ صرف شہر پشاور اس فوج کی وجہ سے بچ گیا جو شہزادہ شیر سنگھ اور جرنیل وینطورا (Venture) کی ماتحتی میں تھا۔ اب امام صاحب کا احاطہ اقتدار بڑھتے بڑھتے کشمیر تک جا پہنچا تھا اور شمالی ہند کے غیر مطمئن شہزادوں کی فوج ان کے کیمپ میں پہنچنے لگی۔ رنجیت سنگھ نے جو سکھ ریاستوں کے وفاق کا سردار تھا۔ ایک لشکر جرار اپنے قابل ترین جرنیل کی سرکردگی[1] میں روانہ کیا۔ جون 1830ء میں شکست کھانے کے باوجود امام صاحب کی فوج نے بہت بڑی قوت کے ساتھ میدانی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی سال کے اختتام سے پہلے خود پشاور کو بھی جو پنجاب کا مغربی دارالسلطنت تھا' فتح کر لیا۔

یہ زمانہ امام صاحبؒ کی زندگی کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ انہوں نے اپنے خلیفہ اسلام ہونے کا اعلان کر دیا اور اپنے نام کے سکے[2] جاری کر دیئے جن پر یہ عبارت کندہ تھی:

"احمد العادل محافظ دین اسلام جس کی شمشیر کی چمک کافروں کے لئے پیغام اجل ہے"۔

پشاور کے چھن جانے کا غم رنجیت سنگھ کے بے نظیر سیاسی تدبر کو بروئے کار لایا۔ اس چالاک سکھ نے معمولی معمولی مسلمان ریاستوں کو ان کے اپنے[3] مفاد کا واسطہ دے کر اسلامی فوج سے علیحدہ کرا دیا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر امام صاحبؒ فدیہ لے کر پشاور کو خالی کر دینے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے مریدوں کی آپس میں لڑائی نے تمام نظم و نسق کو برباد کر دیا تھا۔ ان کی باقاعدہ منظم فوج ہندوستانی مذہبی مجنونوں پر مشتمل تھی ہندوستان کے مختلف صوبوں سے بھرتی کئے گئے تھے۔ اور جنہوں نے ہر حالت میں خواہ وہ اچھی ہو یا بری ان کو اپنا راہنما تسلیم کر لیا تھا۔ اور جن کے لئے اب ان کو چھوڑ جانا بالکل ناممکن ہو گیا تھا۔ اب اس اسلامی فوج میں سرحد کے سرکش پٹھان بھی شامل ہو گئے تھے جو اپنی بہادری کے ساتھ ساتھ کوہستانی لوگوں کا سا تکبر اور لالچ بھی رکھتے تھے اور ایک موقع پر تو ان

---

[1] یہ فوج جرنیل الرڈ (Allard) اور ہری سنگھ نلوہ کی ماتحتی میں تھی۔

[2] سکہ جاری کرنے کا ثبوت نہیں مل سکا اور کوئی سکہ نہیں ملا۔

[3] بے بنیاد بات ہے۔ پشاور کی واپسی کی یہ وجہ نہ تھی۔ ملاحظہ ہو سیرت۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرحدی قبائل میں سے ایک نے عین لڑائی کے وقت غداری کی[1]۔ اور بعد میں ان مذہبی مجنونوں نے اس کا انتقام بہت ہی سخت لیا تھا۔ اب امام صاحبؒ نے اس بات کو محسوس کیا کہ ہندوستانیوں کے ساتھ ان کو بہت فیاضی سے کام لینا چاہئے کیونکہ وہ ہر وقت ان پر اعتماد کر سکتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو ان کی ضروریات کے لئے آمدنی کا دسواں حصہ وہ اپنے سرحدی مریدوں سے حاصل کرتے رہے اور وہ اس کو دین کی حفاظت کے لئے ایک مذہبی فریضہ سمجھ کر کچھ پس و پیش کے ساتھ ادا کرتے رہتے مگر جب فریقین میں اس قسم کے چندوں کی بنا پر مناقشت پیدا ہو گئی تو امام صاحبؒ کے اقتدار میں فرق آنا شروع ہو گیا۔ کیونکہ ان کا اصلی جوہر آتش بیانی تھا اور وہ اس قابل نہ تھے کہ مختلف گروہوں پر غیر جانب دارانہ حکومت کر سکیں۔ اور وہ حیرت انگیز اقتدار جو آپ کو سرحدی قبائل پر حاصل ہو چکا تھا اس کے زائل ہونے کے آثار بہت جلد پیدا ہو گئے۔ جب ان کو اپنی طاقت کے زائل ہونے کا خدشہ پیدا ہوا تو انہوں نے زیادہ سختی سے کام لینا شروع کر دیا اور آخر کار سرحدیوں کے نہایت ہی نازک جذبہ کو مجروح کر دیا۔

انہوں نے لوگوں کے ورغلانے سے نہایت ہی غیر دانشمندانہ طور پر سرحدیوں کے شادی بیاہ کے رسم و رواج میں اصلاح شروع کر دی۔ اصل بات یہ تھی کہ یہ لوگ اپنی لڑکی کو اس شخص سے بیاہ دیتے تھے جو سب سے زیادہ بولی دیتا تھا۔ مگر آپ کے ہندوستانی مریدوں نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا تھا اور بغیر بیویوں کے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک حکم نافذ[2] کر دیا کہ جو لڑکی بارہ دن کے اندر اندر بیاہی نہ جائے گی وہ ان کے مریدوں کی ملکیت سمجھی جائے گی۔ اس پر سرحدی قبائل برافروختہ ہو گئے اور انہوں نے سید صاحبؒ کے ہندوستانی ساتھیوں کو قتل کر دیا اور خود انہوں نے بھاگ کر بڑی مشکل سے جان بچائی۔ اب ان کا عہد حکومت ختم ہو چکا تھا۔ اور 1831ء[3] میں جبکہ وہ اپنے ایک نائب کی جس نے اپنے لئے ایک علیحدہ حکومت قائم کر لی تھی بطور ایک وائسرائے امداد کر رہے تھے۔ سکھ فوج نے جو شہزادہ شیر سنگھ کے زیر کمان تھی ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ اور ان کو شہید کر ڈالا۔

---

[1] بارک زئی پٹھانوں نے شیدو کے مقام پر جب سکھوں سے جنگ ہو رہی تھی۔

[2] وادی پنج تار سے وادی پکھلی تک

[3] مئی 1831ء میں بالاکوٹ کے مقام پر سید احمد صاحب کے مندرجہ بالا حالات میں نے دفتر خارجہ اور محکمہ ملکی گورنمنٹ آف انڈیا کی دستاویزات اور 1852ء اور 1876ء کے شاہی مقدمات میں جو گواہیاں دی گئیں اور پٹنہ سیشن جج (F.E. Reuemshaud) کی ملفوظات سے حاصل کئے ہیں۔ آپ کے تفصیلی حالات کیپٹن (Cunnegham) کی تاریخ سے مل سکتے ہیں۔ ایک اور مصنف جس نے شاید یہی مواد دیکھا ہے ایک بہت ہی اچھا مضمون وہابیوں کے متعلق کلکتہ ریویو میں شائع کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس تحریک کے مذہبی پہلو کے متعلق اس کتاب کے آخری باب میں بحث کی گئی ہے۔ ہندوستان یا کسی اور ملک مین ایک مذہبی لیڈر انسانوں کے دلوں کو اس وقت تک نہیں گرما سکتا جب تک کہ وہ اپنی تحریک کی صداقت پر پورا پورا یقین نہ رکھتا ہو۔ میں دوسرے باب میں سید احمدؒ کی زندگی کے روشن پہلوؤں کو نمایاں کروں گا۔ یہاں پر میں نے مجاہدین کی نوآبادی کے ابتدائی حالات ذرا تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس وقت تک کے واقعات کو مختصراً بیان کر دوں جبکہ وہ ہماری سرحد پر باغی کیمپ کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ اس امام کے معتمد نائبوں میں سے دو بھائی تھے جو ایک مشہور و معروف قاتل[1] کے پوتے تھی جو اپنی جان بچانے کے لئے سندھ پار کی پہاڑیوں میں چلا گیا تھا اور وہاں ستھانہ[2] کے مقام پر بطور ایک عابد و زاہد کے زندگی بسر کرنے لگا تھا اس پناہ گزین درویش نے سرحدیوں میں اس قدر عزت حاصل کرلی تھی کہ وہ اس جگہ کو جہاں اس کی کٹیا تھی جائے پناہ اور غیر جانب دارانہ علاقہ تصور کرتے تھے۔

چنانچہ ان قبائل کے درمیان جو ہر وقت برسر پیکار رہتے تھے صلح و امن کی ایک بہترین صورت پیدا ہو گئی۔ اس درویش کے ایک پوتے نے جو امام[3] کا خزانچی تھا۔ ستھانہ کے مامون گاؤں میں اقتدار حاصل کر کے امام صاحب کی باقی ماندہ فوج کو وہاں آنے کی دعوت دی۔

اسی زمانہ میں صوات کی ریاست کے مذہبی پیشوا نے انگریزی حکومت کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف ہو کر مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ یہاں پر ایک مضبوط شاہی حکومت قائم کرلی جائے۔ اسی خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے درویش مذکور کے دوسرے پوتے[4] کو صوات آنے کی دعوت دی اور اس کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح اس نے باشندوں کی فطری شجاعت کو قائم رکھا۔ کیونکہ اب ان کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ ہلالی فوج کے ایک مجاہد کے زیر کمان ہیں اور جو کوئی بھی اس متوقع جنگ میں جو انگریزوں یا ہندو کافروں سے ہونی والی ہے کام آئے گا وہ شہادت کا درجہ پائے گا لیکن صوات کے قبائل کے خطرات کبھی بھی شرمندہ معنی نہ ہوئے۔ اور ان کے بادشاہ نے 1857ء تک حکومت کر کے اس دارفانی سے کوچ کیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی جانشین منتخب نہ کیا گیا۔ آج کل اس کا لڑکا اس خاندان کا سردار ہے اور ستھانہ کی مجاہد آبادی کا لیڈر ہونے کا دعوے دار۔

---

[1] رحمان شاہ جو تختہ بند بونیر کا رہنے والا تھا۔ [2] یہ مقام شنول اور سمہ کے درمیان واقع ہے اور سید صاحب کی شہادت کے بعد مجاہدین کا اڈا رہا ہے۔ [3] سید عمر شاہ [4] سید اکبر شاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز ریاست سوات کی حکومت پر بھی نظر رکھتا ہے۔

اس طرح ان مجاہدین نے سرحد پر دو پہلوؤں سے اپنے اقتدار کو مستحکم کر لیا تھا اور اپنے مبلغین کے ذریعے سرحد کے توہم پرست قبائل میں جہاد کی آگ ہمیشہ سلگائے رکھتے تھے کچھ سالوں تک ان کی حیثیت بے حقیقت سرحدی لٹیروں کی سی رہی جو کبھی کبھی ایک نہایت ہی خوفناک ہلالی فوج کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ ہمارے الحاق پنجاب سے پہلے انہوں نے اپنے ہندو ہمسایوں میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا لامتناہی سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ اور اس زمانہ میں مسلمانوں کی اس فوج میں بہت سے رنگروٹ خود ہمارے ہی علاقہ سے بھرتی ہونے لگے تھے اور اس متعصب نو آبادی کے لئے اپنی رعایا سے بھرتی روکنے کے لئے ہم نے کوئی تدابیر اختیار نہ کی تھیں۔ یہ فوج اپنا غصہ سکھوں پر نکالا کرتی تھی۔ اور چونکہ قبائل کے ناپائیدار اتحاد پر مشتمل تھی اس لئے کبھی ہمارے موافق اور کبھی ہمارے مخالف ہو جاتی تھی۔ ایک بہت بڑے انگریز تاجر نے جو ہمارے شمال مغربی صوبہ میں نیل کی بہت بڑی تجارت کرتا تھا مجھے بتلایا کہ اس کے بہت سے دیندار مسلمان ملازمین کا یہ عام قاعدہ تھا کہ وہ اپنی تنخواہ کا معین حصہ ستھانہ کیمپ کے لئے علیحدہ کر دیا کرتے تھے اور جو ان میں زیادہ جوشیلے اور بہادر تھے وہ کسی نہ کسی مدت کے لئے متعصب امام کے ماتحت خدمات انجام دینے کے لئے چلے جاتے تھے۔ جس طرح کبھی کبھی ان کے ہندو ملازم اپنے باپ کی برسی منانے کے لئے ہر سال چھٹی کی درخواست کرتے تھے۔ اسی طرح اس کے مسلمان ملازم جو نیل کی تجارتی کوٹھی میں کام کرتے تھے۔ 1830ء اور 1846ء کے درمیانی عرصے میں اس عذر کی بنا پر ایک یا دو مہینے کی چھٹی کی درخواست کرنے کے عادی تھے کہ انہیں اپنے مذہبی فریضہ کی ادائیگی کے لئے ہلالی فوج میں بھرتی ہونا تھا۔

اس غفلت کی وجہ سے ہماری رعایا کو اس متعصب کیمپ میں ہمارے سکھ ہمسایوں کے خلاف بھرتی ہونے کی عام اجازت ہو گئی جس کا ہمیں بھاری خمیازہ اٹھانا پڑا۔ امام صاحب[1] نے سکھوں کی سرحد پر اور ہمارے علاقہ میں باقاعدہ ایک گدی قائم کر لی

---

[1] امام صاحب کا لفظ جہاں کہیں بھی آئے گا اس سے میری مراد سید احمد صاحب" ہیں۔ حقیقت میں وہ سیاسی اعتبار سے امام تھے اور شرعی لحاظ سے ایک ولی۔ اصلیت یہ ہے کہ حضرت مسیح اور حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی جس کی وجہ سے یہ تحریک اب کسی رہنما کی موت و حیات سے بالکل مستغنی ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ خود ان کی وفات کو بھی ان کے پرجوش حامیوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے ایک مقدس ذریعہ بنالیا تھا۔

1841ء میں ان کے دو خلفاء نے جن کو انہوں نے پٹنہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ زیارت کے لئے سرحد کا سفر اختیار کیا اور پورے طور پر معلوم کر لیا کہ ان کے امام صاحبؒ معجزانہ طور پر غائب ہو گئے ہیں۔ اگرچہ ابھی تک وہ بقید حیات موجود ہیں اور وہ وقت مقررہ پر اپنے آپ کو ایک جہادی فوج کے قائد کی حیثیت سے ظاہر کریں گے اور انگریز کافروں کو ہندوستان سے نکال باہر کریں گے اس لئے ان کے خلفاء نے دریائے گنگا کی وادی کے ساتھ ساتھ ان تمام بڑے بڑے شہروں میں جہاں پر امام صاحبؒ نے اپنے سفر کلکتہ 22-1820ء کے دوران میں تبلیغ کی تھی۔ روپیہ اور آدمی جمع کرنے کا سلسلہ بدستور جاری رکھا۔ بالخصوص روپے کی فراہمی کا۔ اس طرح ہمارے ملک سے نکل کر متعصب نو آبادی تک غیر مطمئن لوگوں کے پاس جانے کا ایک دائمی تانتا بندھ گیا۔ بھگوڑے' مقروض' فرارشدہ قیدی' ہر وہ فضول خرچ جو اب اس قدر برباد ہو چکا تھا کہ اپنوں میں رہنا اس کے لئے دشوار تھا اور غدار کے لئے قانون کی زد سے بچنا محال تھا تمام کے تمام انگریزی علاقے سے بھاگ کر سرحد پر جمع ہو جاتے تھے ان کے علاوہ وہاں اعلیٰ طبقہ کے پناہ گزین بھی تھے اور ہر وہ دیندار مسلمان جس کو عیسائی حکومت کے ماتحت آرام سے زندگی بسر کرنا ہرگز گوارا نہ تھا کمر ہمت باندھ لیتا اور ستھانہ کیمپ کی طرف چل دیتا۔ وہ سکھوں کے گاؤں کو تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے اور اس بات پر بھی خوش ہوتے تھے کہ ان کو انگریز کافروں پر بھی ہاتھ صاف کرنے کا موقع مل جاتا ہے جنگ کابل میں انہوں نے ایک لشکر جرار ہمارے دشمن کی امداد کے لئے روانہ کیا اور ایک ہزار کے قریب مجاہد آخر دم تک مقابلہ کرتے رہے۔ صرف غزنی کے مقام پر تین سو کے قریب مجاہدوں نے انگریزی تلواروں کے ذریعے جام شہادت نوش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

جب ہم نے پنجاب کا الحاق کیا تو تعصب کی اس رو کا رخ جو پہلے سکھوں کی طرف تھا ان کے جانشینوں کی طرف پھر گیا۔ ستھانہ فوج کی نظر میں انگریز اور ہندو دونوں کافر تھے اور اس لئے اس قابل تھے کہ تلوار کے ذریعہ ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے سکھوں کی سرحد پر جس بدامنی سے ہم نے چشم پوشی کی تھی یا جس سے بے پروائی کی تھی وہ ایک تکلیف دہ وراثت کی صورت میں ہم تک پہنچی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پٹنہ کی عدالت کے کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے خلفاء[1] نے مذہبی آتش بیانوں کی حیثیت سے سرحد میں کافی نام پیدا کر لیا تھا۔ 1847ء میں سرہنری لارنس[2] کو گواہیوں کے دوران میں معلوم ہوا کہ وہ پنجاب میں مجاہدین[3] کے نام سے موسوم تھے اور اسی حیثیت سے محافظوں کے درمیان ان کو ان کے وطن پٹنہ میں پہنچا دیا گیا تھا۔

یہاں مجسٹریٹ نے ان سے اور ان کی جماعت کے دو اور دانشمند ممبروں سے آئندہ نیک چلنی کی ضمانت لے لی۔ لیکن 1850ء میں وہ پھر جنوبی بنگال کے راج شاہی ضلع میں بغاوت پھیلاتے ہوئے پائے گئے اور وہاں بھی ان سے امن قائم رکھنے کے لئے مچلکہ[4] لے لیا گیا۔ مگر اس جرم کا پھر اعادہ کرنے پر دو دفعہ ان کو اس ضلع سے خارج کیا گیا۔ 1852ء میں یہی دونوں خلفاء باوجودیکہ وہ مچلکہ اور ضمانت کی بنا پر جہاں تک کہ کاغذی مچلکہ اور ضمانت ان کو پابند کر سکتے ہیں اپنے گھر پٹنہ میں رہنے کے لئے مجبور تھے پھر بھی پنجاب کی سرحد پر بغاوت پھیلاتے ہوئے پائے گئے[5]۔

1852ء کو انہوں نے خیال کیا کہ اپنے طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا مناسب وقت آگیا ہے۔ روپیہ اور آدمی ہمارے علاقہ سے تھانہ کیمپ کو متواتر جا رہے تھے۔ اس سلسلہ میں حکومت پنجاب نے ہماری فوج کے ساتھ سازشی خط و کتابت بھی پکڑ لی تھی۔ یعنی انہوں نے کمال عیاری کے ساتھ ہماری نمبر 4 دیسی پیادہ فوج کے ساتھ سازش کی تھی جو اس وقت راولپنڈی میں مقیم تھی اور متعصب نو آبادی کے بہت ہی قریب تھی۔ اگر وہ ہمارے صوبہ پر چڑھائی کرتے تو یہی رجمنٹ تھی جو سب سے پہلے ان کے مقابلے کے لئے بھیجی جاتی۔ ان خطوط سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ بنگال سے باغی کیمپ تک روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لئے ایک باقاعدہ نظام موجود ہے۔ انہی دنوں پٹنہ کے مجسٹریٹ نے یہ رپورٹ دی کہ اس شہر میں باغی جماعت کے آدمیوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس انگریزی صوبہ کے دارالخلافہ کے مجاہدین شہر میں بغاوت کی علانیہ تبلیغ کر رہے ہیں۔ پولیس بھی ان ہی دیوانوں کی طرفدار تھی اور ان کے لیڈروں میں سے ایک نے اپنے مکان پر سات سو آدمی اس غرض کے لئے جمع کر رکھے تھے کہ اگر اس سلسلہ کی کوئی مزید تفتیش ہوئی تو اس کا مقابلہ ہتھیاروں سے کیا جائے۔

---

[1] عنایت علی اور ولایت علی۔ [2] مجسٹریٹ کے ریکارڈ 13 اپریل 1847ء [3] غازی یا جہادی۔ ان کا نام وہابی بعد میں رکھا گیا تھا جس کی تشریح دوسرے باب میں آئے گی۔ [4] مجسٹریٹ راجشاہی کی عدالت میں بیانات 23 فروری 1850ء [5] ریونیو بورڈ کی مثل 12 مئی 1851ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرحد پر مجنونوں کے کیمپ کو روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لئے جو باغیانہ نظام قائم تھا اس کی طرف سے انگریزی حکومت اب زیادہ دیر تک آنکھیں بند نہ کر سکتی تھی۔ لارڈ ڈلہوزی نے 1852ء کے موسم خزاں میں اس موضوع پر دو اہم یادداشتیں تحریر کیں۔ پہلی یادداشت میں لارڈ موصوف نے یہ حکم دیا تھا کہ اندرون ملک میں اس نظام کی پورے طور پر نگرانی کی جائے اور دوسری یادداشت میں ان قبائل کے ساتھ ایک سرحدی جنگ کی موزونیت پر بحث کی گئی تھی۔ جن کی کافروں کے ساتھ توہم پرستانہ نفرت کی آگ کو ہندوستانی دیوانوں نے ہوا دے کر خوب ہی بھڑکا دیا تھا۔ اسی سال انہوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب پر حملہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ 1853ء میں ہمارے بہت سے سپاہی غداروں کے ساتھ خط و کتابت کرنے کے جرم میں سزایاب ہوئے۔

میں ان بے عزتیوں' حملوں اور قتل و غارت کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو 1856ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔ اس دوران میں مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ ایک ہی واقعہ تمام حالات کو واضح کر دے گا۔ یعنی 1850ء سے 1857ء تک ہم علیحدہ علیحدہ سولہ فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد پینتیس ہزار ہو گئی تھی۔ اور 1856ء سے 1863ء تک ان مہمات کی گنتی بیس تک پہنچ گئی تھی اور باقاعدہ فوج کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تک ہو گئی تھی۔ بے قاعدہ فوج اور پولیس اس کے علاوہ تھی۔ اس اثنا میں ستھانہ کیمپ جو ہر وقت ہمارے خلاف سرحد میں تعصب کے جذبات کو ابھارتا رہتا تھا نہایت عقلمندی سے ہماری فوج کے ساتھ براہ راست مقابلہ کرنے سے گریز کرتا رہا لیکن 1857ء میں انہوں نے ہمارے خلاف عام اتحاد[1] کی بنا ڈالی اور یہاں تک گستاخانہ دلیری سے کام لیا کہ انگریزی حاکموں سے بھی تخویف مجرمانہ میں مدد کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ چنانچہ ہمارے انکار پر وہ اس قدر برانگیختہ ہو گئے کہ ہمارے علاقہ پر چڑھ دوڑے اور لفٹننٹ ہورن (Hurn Lieutentant) کے کیمپ پر شبخوں مارا جو اس علاقہ کا اسسٹنٹ کمشنر تھا اور اس نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے اب زیادہ دیر نہیں کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ سرسڈنی کوٹن (Sir Sidney Cotton) پانچ ہزار کی معیت[2] میں پہاڑی علاقہ

---

[1] خاص طور پر یوسف زئی اور بنج تار کے قبیلے [2] توپ خانہ 219- سوار 551' پیدل 157- کل 4877 باقاعدہ فوج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں داخل ہو گیا۔ چونکہ یہ جنگ ان جنگوں میں سب سے پہلی تھی جو اس جنوبی کیمپ کی وجہ سے ہمیں لڑنی پڑیں۔ اس لئے اس کو یہیں مختصراً بیان کئے دیتا ہوں اور دوسری لڑائی کو جو 1863ء میں ہوئی صرف بطور مثال پیش کروں گا کسی قدر دقت کے بعد جنرل سرسڈنی کوٹن کی فوج نے باغی اتحادیوں کے گاؤں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ان کے دو نہایت اہم قلعوں کو مسمار اور ستھانہ کی باغی نو آبادی کو بالکل تہ و بالا کر دیا۔ لیکن مجاہدین نے صرف یہ کیا کہ مہابن پہاڑیوں کی دشوار گزار وادیوں میں پیچھے ہٹ گئے اور ان کی قوت کو ذرا بھر بھی ضعف نہ پہنچنے پایا اور فوراً ہی ہمسایہ قبیلہ نے ملکا کے مقام پر انہیں ایک نو آبادی قائم کرنے کی اجازت دے دی۔

انگریزی حکومت کے علاوہ مجاہدین کے کیمپ کے اور بھی دشمن تھے۔ گاہے گاہے انہوں نے اپنی دینی حمیت کی زیادتی کی وجہ سے اردگرد کے پہاڑی علاقہ سے آمدنی کا عشر وصول کرنے کی کوشش کی یہ ٹیکس مبلغ کے شخصی اقتدار کے مطابق جس کے سپرد ٹیکس جمع کرنے کا کام بھی ہوتا تھا کبھی ادا کر دیا جاتا کبھی ان سے اغماض برتا جاتا اور کبھی بالکل ہی انکار کر دیا جاتا تھا اس طرح کوہستانی قبائل میں خلفشار کی حالت ہمیشہ قائم رہتی تھی۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کس طرح وہ امام صاحبؒ سے دل برداشتہ ہو گئے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے ان سے علیحدگی اختیار کی اور جس کی بنا پر آخر کار 1831ء میں ان کی موت واقع ہوئی۔ جب کوئی قبیلہ عشر دینے سے انکار کر دیتا تھا تو مجاہدین سارے کے سارے ان پر ہلہ بول دیتے تھے اور انکار کرنے والوں کی فصلوں کو کاٹ کر غلہ اٹھا لے جاتے تھے۔ 1858ء میں قبیلوں نے اس مذہبی ٹیکس کی مخالفت کی بنا پر ستھانہ پر حملہ کر کے اس کے لیڈر کو قتل کر دیا تھا۔[1]

یہ باغی کیمپ سرسڈنی کوٹن کی مہم اور ان کے طرفداروں کی علیحدگی سے کمزور ہو گیا تھا اور اس وجہ سے دو سال تک بالکل خاموش رہا۔ ہم نے ستھانہ کے علاقہ کو اس ہمسایہ قبیلہ[2] کے سپرد کر دیا جس نے عشر دینے کی مخالفت کی تھی اور مجاہدین کے امیر کو قتل کر دیا تھا اس قبیلے اور ایک دوسرے طاقتور قبیلے[3] سے ہم نے یہ عہد لے لیا تھا کہ وہ مجاہدین کو اپنے علاقہ میں گھسنے نہ دیں گے اور وہ اس تیسری قوم کی بھی مخالفت کریں گے۔ جو ان کو اس علاقہ میں لانے کے لئے ان کی ممد و معاون ہوگی۔ نیز مجاہدین اور دوسرے

---

[1] سید عمر شاہ صاحب کو آتمان زئی قبیلہ نے قتل کر ڈالا تھا۔ [2] آتمان زئی [3] جدون۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریر لوگوں کو اپنے علاقہ سے گزرنے نہ دیں گے۔ تاکہ وہ برطانوی علاقہ میں داخل ہو کر قتل و غارت برپا نہ کرنے پائیں۔

مگر ابھی دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ باغی نو آبادی نے از سرنو توہم پرست سرحدی قبائل میں پھر اقتدار حاصل کر لیا۔ 1861ء میں ملکا سے جو پہاڑوں کے اندر ان کی جائے پناہ تھی مہابن پر حملہ کر دیا۔ جہاں سے 1856ء میں سرسڈنی کوٹن نے ان کو بھگا دیا تھا اور عین ستھانہ کی پرانی آبادی کے اوپر قلعہ بند[1] ہو گئے۔ اس مضبوط قلعے سے نکل کر وہ ہمارے گاؤں پر چھاپہ مارتے تھے اور انہی قوموں نے جنہوں نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کو اپنے علاقہ سے گزرنے نہ دیں گے۔ ان کو لوٹ مار کی غرض سے اپنے علاقہ سے گزرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس امر کا گویا ببانگ دہل اعلان کرانے کے لئے کہ پرانی حالت پھر قائم ہو گئی ہے مجاہدین راولپنڈی کے ضلع میں گھس آئے اور دن دہاڑے شاہراہ عام پر پولیس کی چوکی[2] سے تھوڑے ہی فاصلہ پر دو تاجروں کو قتل کر دیا۔ اس کے تین ہفتہ بعد انہوں نے پھر ہمارے علاقہ پر چھاپہ مارا اور تین دولتمند آدمیوں کو اٹھا لے گئے اور بعد میں نہایت متانت کے ساتھ ہمارے افسروں سے خط و کتابت شروع کر دی جس میں ان قیدیوں کے آزاد کرنے کے لئے ایک ہزار پانچسو پچاس روپے فدیہ طلب کیا گیا۔ اس روپے کا نصف مجاہدین کے امیر کو پہنچتا تھا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد 1861ء میں اغوا کی ایک اور واردات ہوئی۔ سرحد کی حکومت نے رپورٹ دی کہ اپریل 1856ء کے شرمناک حالات پھر پیدا ہو گئے ہیں انگریز افسروں نے اپنے حلیف قبائل کو ان کے دین اور ان کی تکالیف کا بے فائدہ واسطہ دیا۔ اور باوجودیکہ ان کے بہت سے گاؤں ہمارے رحم و کرم پر تھے لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کا ہی ساتھ دیا۔ اب ہمارے پاس سوائے بدلہ کے اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ اس لئے ہم نے ان قوموں کا محاصرہ کر کے باقی دنیا سے ان کا تعلق منقطع کر دیا اور ہر اس شخص کو گرفتار کر لیا جس نے سرحد عبور کرنے کی کوشش کی۔ اس سے ان کی عقل ٹھکانے لگ گئی اور انہوں نے پھر ہمارے ساتھ معاہدہ کر لیا اور باغی آبادی کو ستھانہ کے علاقہ سے ملکا کی اندرونی وادیوں میں چلے جانے پر مجبور کر دیا۔

تاہم ہماری بے وفا ہندوستانی رعایا باغی کیمپ میں متواتر جمع ہوتی رہی۔ 1862ء میں ان کی تعداد یہاں تک بڑھ گئی کہ پنجاب گورنمنٹ ایک دوسری جنگ کا مشورہ دینے پر

---

[1] سری کے مقام پر (Siri) [2] 14 فروری 1861ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجبور ہو گئی۔ حقیقتاً اب حالات اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ وزیر ہند نے اپنے اس عقیدہ کا اعلان کر دیا کہ ان باغیوں کو جلد یا بدیر یہاں سے فوجی قوت کے ذریعہ نکال باہر کرنا پڑے گا۔ کیونکہ جب تک یہ سرحد پر مقیم رہیں گے اس وقت تک یہ ہمارے لئے ہمیشہ ہی خطرہ ثابت ہوتے رہیں گے۔

بہرحال اس وقت مہم کاروانہ کرنا ناممکن تھا۔ اپریل 1863ء کے اوائل میں انہوں نے ہمارے علاقے میں پھر قتل و غارت اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اسی سال ماہ جولائی میں وہ نہایت دلیری کے ساتھ ستھانہ کے علاقہ پر پھر قابض ہو گئے اور ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب کو تحدید آمیز خطوط لکھے۔ ان کی ہمسایہ اقوام نے ایک دفعہ پھر اپنی وفاداری کو اپنے تعصب پر قربان کر دیا۔ اور ان مواعید کو جو ہمارے ساتھ کئے گئے تھے بالکل فراموش کر دیا۔ چنانچہ اس باغی آبادی کو سرحد پر ایک دفعہ پھر حاکمانہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ دسمبر 1862ء کو وہ برطانوی علاقہ پر چڑھ دوڑے اور ہماری طلایہ گرد فوج کے کیمپ پر شب خون مار کر گویا باقاعدہ جنگ کا اعلان کر دیا اس کے ساتھ ہی انہوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب پر بھی حملہ کر کے کوہ سیاہ پر ان کے دیہات کو جلا دیا اور سرحدی چوکیوں پر باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔ اسی مہینے میں انہوں نے تنول کی حلیف تحصیلوں پر بھی چھاپہ مارا اور ایک ملکی افسر کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

پھر ہمارے دوستوں پر ہی حملہ کرنے پر اکتفانہ کرتے ہوئے انہوں نے دریائے سندھ کے کنارے ہماری چوکی پر بھی ہلہ بول دیا۔ انگریز کافروں کے خلاف ایک باقاعدہ اعلان جنگ شائع کیا اور ہر دیندار مسلمان کو اس جہاد میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

اب ہم تقریباً" انہی حالات سے دوچار تھے جو 1820ء و 1830ء کے درمیان پیدا ہو گئے تھے اور جس کے نتیجہ پر اس متعصب لشکر نے پنجاب پر اپنا تصرف جما لیا تھا۔ یہاں تک کہ سرحدی دارالخلافہ ان کے قبضے میں آگیا۔ اب جنگ سے گریز کرنا بالکل ناممکن ہو گیا تھا۔ لیکن سرحدی لڑائیوں سے کوئی فوجی سبق حاصل نہیں ہوتا اور نہ کسی طاقتور سلطنت کی عزت میں کوئی نمایاں اضافہ ہوتا ہے ایک ایسی جنگ کے نتیجہ میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی جو برطانوی ہندوستان جیسی فوجی طاقت اور غیر مہذب اقوام کے اتحادیوں کے درمیان ہو خواہ وہ کتنے ہی بہادر کیوں نہ ہوں اور ان میں دینی حرارت کتنی ہی موجود کیوں نہ ہو۔ مزید برآں ان لڑائیوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور بیشک ان کا انجام ایک سخت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتقام کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔ جو ایک سنجیدہ انسان کے لئے بہت ہی حوصلہ شکن ہوگا۔ اس متعصب نو آبادی کے خلاف ان چار مہموں میں سے ایک مہم کو بہ تفصیل بیان کرنے کے لئے منتخب کرلوں گا اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ جس طرح باغی کیمپ امن کے زمانہ میں ہماری سرحد پر ہمارے لئے باعث توہین تھا اس سے کہیں زیادہ جنگ کے زمانہ میں ہماری فوج کی تباہی کا سبب بن گیا تھا۔ جب تک ہم نے ان سے بازپرس نہ کی وہ ہمارے دوستوں اور ہماری رعایا کو قتل اور اغوا کرنے کے لئے گروہ در گروہ بھیجتے رہے اور جب ہم نے ان کو فوجی قوت کے ساتھ صفحہ ہستی سے نابود کر دینا چاہا تو انہوں نے ہمارے افسروں کو دھوکے میں رکھا اور ہماری فوج کو سخت نقصان پہنچایا اور کچھ عرصہ تک ساری برطانوی ہندوستان کی سرحدی فوج کا جم کر مقابلہ کرتے رہے۔

اس سے یہ سمجھ لینا نہایت آسان ہوگا کہ کس طرح باغیوں اور پناہ گزینوں کی آبادی نے جس کے پشت پناہ ہماری ہی سلطنت کے سازشی اور متعصب لوگ تھے نفرت و حقارت سے مغلوب ہو کر خود ہم کو ہی کھلم کھلا چیلنج دے دیا تھا۔ لیکن اس بات کا سمجھنا ذرا مشکل ہے کہ وہ کس طرح ایک منظم فوج کی قوت اور جنگی قابلیت کا مقابلہ کر سکتے تھے خواہ وہ تھوڑے ہی وقت کے لئے کیوں نہ ہو۔ اس بات کو واضح کرنے کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس ملک کے مختصر حالات بیان کر دیئے جائیں جس میں ان کے امام صاحب نے اس جنگ جو جماعت کا مرکز قائم کیا تھا۔

وادی سندھ کے عین شمال میں اس سرحدی قبیلے کی حد پر جو برطانوی تاج کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرتے ہیں کوہ ہند کی مقدس پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جب آریاؤں پر جنہوں نے پہلے پہل جنوب کی طرف سفر اختیار کیا تھا۔ مہابن (جس کا ترجمہ ہے بہت بڑا جنگل) کے سوائے اور کسی قدرتی رکاوٹ نے اتنا گہرا اثر نہیں چھوڑا تھا۔ انہوں نے اس پہاڑ کا نام بھی یہی تجویز کیا تھا اور ان تمام جنگلوں اور پہاڑوں کو جو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر 7400 فٹ کی بلندی تک چلے آتے ہیں اب تک مہابن یعنی بہت بڑا جنگل ہی کہا جاتا ہے۔ اس قوم کے نزدیک ان پہاڑوں کو وہی حیثیت حاصل تھی جو یہودیوں کے نزدیک وادی سینا کو حاصل ہے اور سنسکرت کے گیتوں سے ابتدائی ایام کی اس پرستش کو بقائے دوام حاصل ہو گیا ہے۔ مدت مدید تک دیندار ہندو کے لیے مہابن شیرتھ نہ رہا۔ اور یہی وہ متبرک پہاڑیاں تھیں جن پر ارجن نے تن تنہا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک بہت بڑے دیوتا سے جنگ کی تھی۔ اور اگرچہ زمانہ قدیم کے حضرت یعقوبؑ کی طرح شکست کھائی تھی لیکن اس دیوتا سے ایک ایسا ہتھیار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ زمانہ قدیم میں وہ سنیاسی بہت ہی خوش قسمت سمجھا جاتا تھا جو ان پہاڑیوں کے تلے جان دے دیتا تھا۔ اور جیسا کہ قدیم روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ معمولی معمولی دیوتاؤں کو بھی یہاں پر برت رکھنے پڑتے اور ریاضت کرنی پڑتی تھی۔ تاکہ تزکیہ باطنی کر کے روحانی ترقی حاصل کر سکیں[2]۔

قدیم ہندوؤں کے اس مقدس علاقہ میں اب توہم پرست مسلمان قبائل آباد ہو گئے ہیں۔ کوہ سیاہ پر دریائے سندھ کے مشرق کی طرف بھی ایسی متشدد اور متعصب چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں۔ اور ایبٹ آباد کی سرحدی انگریزی چوکی کو ہر وقت ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ آمدنی کا عشر اور دیگر مذہبی چندے ایسے امور ہیں جو اس متعصب آبادی کے ساتھ دیگر اقوام کا دیرپا اتحاد پیدا کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ان قبائل میں مذہبی جوش پیدا ہو جانے کا ہر وقت امکان رہتا ہے۔ اور ہماری سرحد کے اندر ہندوؤں کے دولتمند دیہات کو لوٹنے کا موقع ان کے لئے بڑی مسرت کا باعث ہوتا ہے۔ صرف سوات کی مذہبی ریاست میں 96 ہزار کی آبادی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ذہن میں پشتہا پشت سے انگریزی حملہ کے خطرات ڈالے جا رہے ہیں اور یہ ذہنیت پیدا کی جا رہی ہے کہ اگر ان کافروں سے لڑنا ہی پڑے تو بہتر ہے کہ ایک مذہبی لیڈر کے جھنڈے تلے لڑا جائے تاکہ وہ لوگ جو میدان جنگ میں کام آئیں شہادت کا درجہ پائیں۔

1863ء کی لڑائی میں ہم نے کافی نقصان اٹھانے کے بعد یہ سبق حاصل کیا تھا کہ مجاہدین کے کیمپ کے خلاف مہم روانہ کر دینا دنیا کے 353[3] ہزار جنگجو اور بہادر انسانوں کی مجموعی طاقت کے ساتھ جنگ کرنا ہے ملک کے دشوار گزار ہونے کی وجہ سے ہمارے سرحدی افسر قبائل کے مزاج اور ان کے آپس کے تعلقات کے متعلق اکثر متذبذب رہتے ہیں اور جب کبھی ان باغیوں کو شکست ہوتی ہے تو وہ صرف مہابن کے اندر دشوار گزار دروں میں چلے جاتے ہیں۔

---

[1] مہادیو۔ [2] اس میں میں نے اپنے مضمون سے استفادہ کیا ہے جو میں نے سات سال پہلے کلکتہ کوارٹرلی ریویو میں لکھا تھا۔

[3] میں یہاں پر علیحدہ علیحدہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر ایک قبیلہ بغیر کسی تکلیف کے کتنے آدمی میدان جنگ میں لا سکتا ہے۔ حسین زئی 2000، اکاخیل 1000، دم تکازئی 6000، مدک خیل 4000، آمازئی 1500، جدون 4000، خداکیل 2000، شیری 14000، باجوڑ 30000، رانی زئی 2000، دیر قبیلہ 1000، سوات کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

18 اکتوبر 1863ء کو[1] سات ہزار برطانوی فوج نے سرنیول چیمبرلین کی سرکردگی میں کوچ کیا۔[2] ان کے ساتھ توپ خانہ بھی تھا۔ اور 4 ہزار خچر اور باربرداری کے دیگر جانور جن کو جمع کرنے کے لئے پنجاب کا کونہ کونہ چھان مارا تھا ان کے ساتھ تھے۔ دوسرے دن شام کو ایک کالم تمام رات کوچ کرتا ہوا ایک ایسی گھاٹی پر جا پہنچا جس پر بہت سی جھاڑیاں تھیں اور بہت سے درخت لگے ہوئے تھے اور جو زیادہ تکلیف دہ طور پر "درہ امبیلا" کے نام سے مشہور ہے۔ ہمارے جنگی مرکز کی حفاظت کے لئے کافی فوج موجود رہتی تھی۔ اور اس کے پیچھے سرحدی مقامات میں بھی طاقتور مورچہ بندی کی گئی تھی جس میں پیادہ اور سوار فوج اور کافی توپ خانہ موجود تھا۔ یہ کچھ ہماری خوش قسمتی ہی تھی کہ حملہ آور فوج کی پشت پر اتنی امداد موجود تھی کیونکہ 20 تاریخ تک جرنیل کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ قبائل جن کو وہ اپنا دوست سمجھتا تھا اب متذبذب حالت میں ہیں اور اس کے دو ہی دن بعد اس نے گورنمنٹ کو تار دے دیا کہ فوج کو مجبوراً رکنا پڑا ہے۔ 23 تاریخ کو قبائل نے

(بقیہ حاشیہ) قبیلے 10000' مجموعہ 53500 یہ اعداد و شمار میں نے دفتر خارجہ سے حاصل کئے ہیں اور جہاں تک ہو سکا کرنل میکریگر (Macragar) سے اصلاح کرا لی ہے جو اس وقت فرانٹیر گیزیٹر لکھنے میں مشغول ہیں۔ 1862ء میں ایک موقع پر ہمارے خلاف ان جنگجوؤں کی تعداد 60000 ہو گئی تھی۔

[1] باقاعدہ پیدل فوج 8150- باقاعدہ سوار 200' توپ خانہ 280' 10000 سے زیادہ بے قاعدہ فوج جو سول کمشنر کے ماتحت تھی اور 13 توپیں۔

[2] دربند کے مقام پر 350 یورپین فوج 250 ہندوستانی پیدل اور 3 توپیں تربیلا کے مقام پر ہندوستانی سواروں کا ایک سکواڈرن اور مختلف ہندوستانی فوج ٹوچی کے مقام پر 150 ہندوستانی سوار 250 پیادے اور 2 توپیں۔ ایبٹ آباد میں ہائی لینڈ کی ایک کمپنی 5 گورکھا اور ایک پنجابی پیادہ فوج کا صدر مقام۔ 50 ہندوستانی سوار اور 3 توپیں رستم بازار میں 300 ہندوستانی سوار مختلف ہندوستانی پیادے اور مردان گائیڈ کو رکا صدر مقام پشاور کے مقام پر مختلف توپ خانہ کے علاوہ ہسار کی ایک رجمنٹ یورپین پیادہ کی ایک رجمنٹ بنگالی سواروں کی 2 رجمنٹ اور ہندوستانی پیادوں کی 3 رجمنٹ موجود تھیں۔ اخیر میں بیان کردہ رجمنٹ میں تجربہ کار سپاہی بہت کم تھے اور ان کا کام یہ تھا کہ سرحدی چوکیوں پر قابض رہیں اور اس کے لئے ایک رجمنٹ ضروری تھی۔ راولپنڈی کے مقام پر ہندوستانی پیادوں کی ایک رجمنٹ تھی جن میں 12 آدمی تھے۔ توپ خانہ کی ایک بیٹری۔ 13 ہائی لینڈز کی ایک کمپنی اور 51 اور 101 کا صدر مقام کوہاٹ میں 2 توپیں۔ ہندوستانی سواروں کے 2 سکواڈرن پنجابی پیادوں کی ایک رجمنٹ مگر کمزور تھی۔ بنوں میں دو توپیں ایک پنجاب پیادوں کی رجمنٹ موجود تھی۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں 2 توپیں ایک پنجابی سواروں کی رجمنٹ تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی مخالفت کا اعلان کیا اور بونیر والوں نے ہماری طلایہ گرد پارٹی پر حملہ کر دیا اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سوات کا روحانی پیشوا[1] بھی ہمارے دشمنوں کے ساتھ جا ملا۔ اس اثنا میں گورنمنٹ کو سرحد سے تار پر تار چلے آتے رہے جس میں مزید اور مزید پر مزید فوج بھیجنے کی التجا کی جاتی تھی۔ فیروزپور رجمنٹ کے ایک حصہ کو کوچ کرنے کا حکم ملا۔ 93 ہائی لینڈرز سیالکوٹ سے اور 23 اور 24 ہندوستانی پیدل فوج لاہور سے یلغار کرتی ہوئی آگے بڑھی۔ ابھی تین ہفتے بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ پنجاب کے قلعے یہاں تک خالی ہو گئے کہ میاں میر کے کمانڈر افسر کے لئے یہ مشکل ہو گیا کہ پنجاب کے گورنر کے لئے 24 فوجیوں کی گارڈ کا انتظام کر سکے۔

اس اثنا میں قبائلی لشکر ہماری فوج کے قریب تر ہوتا چلا گیا۔ اب آگے بڑھنا تو بالکل ناممکن تھا اور پیچھے ہٹنا شکست کھا جانے سے بھی بدتر۔ ہماری اس حالت نے قبائلی لشکر کو جس کے افراد بچپن ہی سے پہاڑی جنگوں میں ماہر ہو جاتے ہیں بہت ہی فائدہ میں رکھا اور ایک افسر کی یادداشت سے مندرجہ ذیل اقتباس بخوبی ظاہر کر دے گا کہ ہماری فوج کیسے کیسے خطرات سے گھری ہوئی تھی۔

"20 تاریخ کو ہم ایک بکھرے ہوئے گروہ کو بلا کر واپس ہوئے اور کیمپ پہنچنے تک برابر لڑتے رہے۔ یہاں ہم کافی رات گئے پہنچے۔ دشمن کافی تعداد میں تھے انہوں نے ہماری فوج کو چیرنے کی کوشش کی مگر اب ہر شخص ان کے مقابلے کے لئے تیار تھا۔ ان کا استقبال ہماری قطاروں سے بندوق کی گولیوں اور پہاڑوں پر چڑھائی ہوئی توپوں کے گولوں سے کیا گیا۔ یہ شب خون عجیب شاندار نظارہ پیش کر رہا ہے جنگل کا سیاہ منظر سامنے سے اور دائیں اور بائیں پہاڑوں پر جلائی ہوئی آگ ستاروں کی طرح چمک رہی ہے۔ ان کے درمیان وادی میں پیادہ فوج کی دھندلی سی لکیر نظر آ رہی ہے۔ اچانک اللہ اکبر کے خوفناک نعرے بلند ہوئے اور درختوں کے سائے میں سے بندوقیں چلتی اور کھڑکتی رہیں۔ وہاں چلتی تلواروں کی جھنکار ہے اور سیاہی مائل شکلوں کا ایک جم غفیر کھلے میدان سے دوڑتا ہوا ہماری صفوں کے بالکل قریب آ کر حملہ کر دیتا ہے۔ اس کے بعد چمک پیدا ہوئی

---

[1] عبدالغفور ایک درویش صفت آدمی ہے۔ جس نے یوسف زئی قبیلہ پر توہم پرستانہ اور حیرت انگیز اثر جما رکھا ہے اور تمام پٹھان قبیلے اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ساتھ ہی اس کے گرج' چھرے اور کنستر پتھروں اور سنگریزوں سے ٹکرا کر آواز پیدا کرتے ہیں۔ پتوں کے درمیان بڑبڑانے کی آواز آتی ہے قطاروں سے ایک دم بندوقیں چلنے کی چمکار سے تمام جگہ روشن ہو جاتی ہے اور جونہی ان کا دھواں دور ہوتا ہے حملہ آوروں کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ میدان جنگ سے چیخ وپکار کی دھیمی آواز اور کسی پٹھانی زبان میں پانی مانگنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری بندوقوں کی باڑ کچھ اثر ضرور پیدا کر گئی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسری طرف سے ایک دو گولیاں چلائی جاتی ہیں۔ پہاڑوں سے لڑھکتے ہوئے پتھروں کی آواز ہمارے دیسی سپاہیوں کے تیز کانوں کو یہ خبر دے دیتی ہے کہ دشمن اب ہمارے پہلو بہ پہلو حملہ کیا چاہتا ہے اور وہ ان کے مقابلے کے لئے اسی وقت اس طرح دوڑ پڑتے ہیں۔ اس طرح مشعلوں کی روشنی اور رائفلوں کے چلنے کی آواز اندھیری رات میں بے آب وگیاہ پہاڑوں پر دور دور تک پہنچ جاتی ہے اور جنگ کے شوروغوغا سے جو پہاڑوں کی صدائے بازگشت سے سوگنا ہو جاتا ہے تمام وادی ایک سرے سے دوسرے سرے تک پر ہو جاتی ہے اس کے بعد ایک دفعہ پھر نعرے لگتے ہیں اور حملہ ہوتا ہے اور چھروں اور کارتوسوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ اور اس کا خاتمہ بھی ایسا ہوتا ہے جیسا پہلے ہوا تھا۔ مگر اس دفعہ جو سیاہ گروہ ہماری صفوں کی طرف آہستہ آہستہ آرہا ہے ایک بھاری بوجھ کو نہایت احتیاط سے اٹھائے ہوئے ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ "ان" کی نشانہ بازی بھی خالی نہیں گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد صفوں کے درمیان سے ایک آواز تحکمانہ انداز میں سنائی دیتی ہے اور ہر شخص اس کے لئے گوش برآواز ہو جاتا ہے تاکہ حکم بجالائے حکم یہ ہے گولی چلانا بند کر دو۔ ان کی سنگینوں کے فاصلے تک حملہ آور ہونے دو اور پھر ـــــ بعد کے الفاظ سنائی نہیں دیتے۔ لیکن ہر ایک سپاہی جانتا ہے کہ یہ جملہ کس طرح ختم ہوا ہے وہ اپنے ہاتھ کو روک لیتے ہیں اور نہایت خاموشی کے ساتھ جو اس سے پہلے کے شوروغوغا کے ساتھ عجیب قسم کا مقابلہ پیش کرتی ہے اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اب کیا ہونے والا ہے؟ عین سامنے پہاڑ کی چوٹی پر قدآور جرنیل دکھائی دیتا ہے جو اپنے عملے سے اونچا نظر آتا ہے اور نہایت غور کے ساتھ اپنے سامنے اندھیرے میں دیکھ رہا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب کھیل ختم ہو چکا ہے لیکن کبھی کبھی گولی چلنے کی آواز اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ دشمن جس کی تعداد کے متعلق ہم کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے ابھی تک ہمارے سامنے والے جنگل میں موجود ہے۔ اس کے بعد یہ بھی ختم ہو جاتی ہے اب ان کے پاؤں کی آہٹ بخوبی سن سکتے ہیں اور ان کے واپس جانے سے پتھر پہاڑوں پر سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرتے ہیں اور اس سے ہم یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ وہ اپنے مجروحین اور مقتولین کو جلدی جلدی اٹھائے لئے جا رہے ہیں ورنہ وہ بہت خاموشی کے ساتھ واپس ہوتے"۔

ایک ایک دن کی دیر دشمنوں کے تعصبی جوش' ان کی طاقت اور امیدوں کو بہت بڑھا دیتی ہے۔ کمک کے باوجود ہمارے جرنیل کے لئے آگے بڑھنا ناممکن تھا۔ ہفتوں تک برطانوی سپاہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ڈر کے مارے درے میں دبکی پڑی ہے اور وادی چومالہ میں بڑھنے کا حوصلہ نہیں رکھتی۔ جہاں باجوڑ قبائل کے مل جانے سے دشمن کی تعداد میں بہت اضافہ ہو گیا تھا اور اس طرح ہماری فوج کا میسرہ اور پشت کی آمدورفت خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ 8 نومبر کو پنجاب گورنمنٹ نے نہایت بے صبری کے ساتھ پوچھا کہ جرنیل صاحب کو 1600 پیادہ فوج کی کمک باہم پہنچائی جائے تو کیا وہ ملکا کی متعصب آبادی کو فنا کرنے کے لئے آگے بڑھ سکیں گے؟ 12 تاریخ کو جواب آیا کہ آگے بڑھنا اسی وقت قابل عمل ہو سکتا ہے جب ہمارے پاس 2 ہزار پیادہ فوج اور کچھ توپیں ہوں اور ساتھ ہی اس کے یہ حوصلہ شکن پیغام بھی آیا کہ جرنیل صاحب اس وقت تک ملکا پر حملہ کرنے کے خلاف ہیں جب تک کہ درمیانی قبائل کے ساتھ صلح و صفائی نہ ہو جائے۔

سارے سرحدی علاقہ میں آگ لگی ہوئی تھی۔ 4 نومبر کو پنجاب گورنمنٹ نے اپنی فوجی چوکیوں کو یہاں تک خالی پایا کہ وائسرائے کے کیمپ کے حفاظتی فوج کا ایک حصہ عاریتاً" مانگنا پڑا اور 7 نوسیلرز کو بسرعت تمام سرحد کی طرف روانہ کر دیا گیا اور ساتھ ہی ملٹری پولیس کی ایک مضبوط جماعت جو سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھی بھیج دی گئی تاکہ ہمارے سلسلہ آمدورفت کی حفاظت ہو سکے جو دشمنوں کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ باربرداری کے سامان کے لئے 4200 اونٹ اور 2100 خچر بعجلت تمام بہت زیادہ خرچ برداشت کر کے پنجاب کے مختلف اضلاع سے بھیج دیئے گئے تھے[1]۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مہم کی تمام تدابیر ناکام ثابت ہو چکی تھیں۔ اصل خیال یہ تھا کہ اچانک طور پر درہ سے کوچ کرتے ہوئے اس کے آگے کھلے میدان پر قبضہ کر لیا جائے[2]۔

---

[1] پنجاب گورنمنٹ کا خط مجریہ 18 فروری 1874ء پیرا نمبر 67۔

[2] پنجاب گورنمنٹ کا خط مجریہ یکم فروری 1884ء پیرا نمبر 78۔ یہی ایک دستاویز ہے جس کو میں نے اس مہم کو بیان کرنے میں بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔ میں قطعاً" یہ امید نہیں کر سکتا کہ اس قدر تباہ کن مہم مخالفانہ تنقید سے بچ جائے گی۔ مگر میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ نہایت احتیاط سے ٹھیک کی ہوئی سرکاری رپورٹوں پر مبنی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امپیریل گورنمنٹ نے یہ حکم دیا تھا کہ یہ تمام کام 15 نومبر تک ختم ہو جانا چاہئے مگر 14 نومبر کو یہ حالت تھی کہ ہماری فوج کے لئے آگے بڑھنا ناممکن ہو چکا تھا اور بجائے اس کے کہ کھلے میدان میں چند لڑائیاں لڑی جاتیں جہاں پر موجودہ مہذبانہ لڑائی کے تمام آلات کام میں لائے جا سکتے تھے۔ ہمیں ہر اس چوکی کی حفاظت کرنا پڑی جو ہم آگے بڑھتے ہوئے پہاڑوں پر قائم کرتے تھے اسی دن پنجاب گورنمنٹ نے درخواست کی کہ 1500 آدمیوں کا ایک بریگیڈ سرحد پر روانہ کر دیا جائے۔ گورنر چیمبرلین کے 19 تاریخ والے تار سے یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں کمک ضرورت کے وقت سے بہت بعد نہ پہنچے۔

18 تاریخ کو دشمن نے جانفشانی سے ہم پر حملہ کیا اور ہماری ایک چوکی پر قابض ہو گئے اور افسروں کے علاوہ 114 آدمیوں کو زخمی یا قتل کرتے ہوئے پیچھے دھکیل دیا۔ دوسرے دن دشمنوں نے ایک اور چوکی پر قبضہ کر لیا جسے پھر ایک خونریز جنگ کے بعد جس میں ہمارے جرنیل صاحب بھی شدید طور پر زخمی ہوئے دوبارہ حاصل کر لی گئی اور افسروں کے علاوہ 125 آدمی میدان جنگ میں کام آئے یا بالکل ناکارہ ہو گئے۔ 20 تاریخ کو بیمار اور مجروحین کو واپس بھیج دینا ضروری سمجھا گیا جن کی کل تعداد 425 ہو گئی تھی جرنیل صاحب نے جو تار 19 تاریخ کو دیا تھا اس کے آخری الفاظ یہ ہیں "فوجیوں کو ایک مہینے تک دن رات سخت کام کرنا پڑا ہے اور تازہ دم دشمنوں کا مقابلہ ایسے نقصان کے ساتھ کرنا بڑا حوصلہ شکن ہے۔ اس لئے ہمیں کمک کی سخت ضرورت ہے میرے لئے دشمن کا مقابلہ کرنا خوراک بہم پہنچانے کے لئے آدمی مہیا کرنا اور زخمیوں کو واپس بھیجنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اگر آپ تازہ دم فوج کے دستے ان دستوں کی جگہ جو تعداد اور جوش و خروش میں بہت کم ہو گئے ہیں بھیج سکیں تو ان فارغ شدہ دستوں کو میدانوں میں بھیجا جا سکتا ہے تاکہ ان سے حفاظت کا کام لیا جائے یہ بہت ضروری ہے۔

اب ایک بڑی سیاسی مصیبت کا خطرہ لاحق ہو رہا تھا عین ممکن تھا کہ ہماری فوج میں جو ہر روز کے حملوں سے اکتا چکی تھی اس میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ جاتی اور بہت قتل و خونریزی کے ساتھ نہایت ابتر حالت میں اس درے سے نکال دی جاتی۔ مگر ایسی شکست کو اس میں اتنی جانیں تلف نہ ہوتیں جتنی کہ ایک بڑی جنگ میں ہوتی ہیں۔ سرحد پر ہماری طاقت کو بالکل تباہ کر دیتی اور اس کے ساتھ جو سیاسی مصیبتیں نازل ہوتیں ان کی حد کے متعلق کسی قسم کی پیش گوئی کرنا ممکن نہ تھا اس بنا پر پنجاب گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر جرنیل چیمبرلین یہ مناسب سمجھے تو تمام فوج کو پرمولی کے مقام پر واپس لے آئے۔ مگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پنجاب کے حاکموں کی احتیاط پسندی نے برطانوی فوج کی پامردی و استقلال کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ 22 تاریخ کو تار آیا جس میں لکھا تھا کہ ہماری فوج نے موجودہ جگہ پر قائم رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور باوجودیکہ دشواریاں بہت تھیں لیکن پھر بھی ہمارے جرنیل کا خیال تھا کہ آخرکار فتح ہماری ہوگی۔

دوسرے دن نمبر23 دیسی پیدل فوج بمعہ چند یورپینوں کے کیمپ میں پہنچ گئی۔ دشمن اپنی تمام طاقتیں پہلے ہی صرف کر رہے تھے۔ اب ہماری تازہ دم فوج کے پہنچنے سے قبائل پر خوف و ہراس چھا گیا اور وہ اس بات کو سمجھنے لگے کہ ایک وسیع فوجی سلطنت کے لامتناہی ذرائع سے جنگ کرنے کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے ہی جمعہ کو (یہ ہفتے کا وہ دن ہے جس دن مجاہدین عام طور پر حملہ آور ہوتے ہیں) کوئی حملہ نہ ہوا لیکن پھر بھی ہم آگے بڑھنے کے قابل نہ ہوئے اور 28 نومبر کو پنجاب گورنمنٹ نے باقاعدہ ایک یادداشت لکھی جس میں فوجوں کے ایک ہی جگہ جم جانے پر اظہار افسوس کیا گیا تھا۔ اور آگے بڑھنے کی تاکید کی گئی تھی۔ جونہی ہماری کمک پہنچی کوہستانوں سے تازہ دم قبائل بھی آموجود ہوئے۔ صرف ایک سردار 3 ہزار[1] آدمی اپنے ہمراہ لایا اور ایک درویش[2] نے 500 مجاہدین بھیجے جو یہ عہد کر کے آئے تھے کہ یا تو غازی کہلائیں گے یا شہید۔

5 دسمبر کو ہماری تمام کمک پہنچ چکی تھی جسے آگے بڑھنے کی پرزور تاکید کی گئی تھی۔ اب ہمارے پاس نو ہزار باقاعدہ فوج تھی جس میں بہت سی منتخب رجمنٹیں تھیں۔ مثلاً" 93 ہائی لینڈرز اور بے قاعدہ فوج اس کے علاوہ تھی۔ بظاہر یہ ناقابل تسلیم امر تھا کہ طاقتور برطانوی فوج اس طرح ہفتوں ہی ایک درہ میں دبکی بیٹھی رہے گی۔ دشمن اس کو اپنے حملوں سے تنگ کیا کریں گے اور وہ اس قابل نہ ہو سکے گی کہ ان کو سزا دے سکے۔ مگر مجاہدین نے سرحدی قبائل میں جو اقتدار حاصل کر لیا تھا ہم نے اس کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ وہ لوگ جو ان کے ساتھ مذہب کی بنا پر شامل ہوئے تھے وہ فتح یا شہادت کی امید پر بڑے پرجوش اور بے صبر ہو رہے تھے اور وہ قبائل جو ذرا کم متعصب تھے انہیں اس خدشہ پر اکسایا گیا تھا کہ ان کے علاقہ پر انگریزی فوجیں چڑھ آئی ہیں یا ان کا علاقہ میدان جنگ بنایا گیا ہے اس طرح شوق اور رقابت نے قبائلی لوگوں میں آگ لگا دی تھی اور وہ تربیت یافتہ فوج کی ہر کوشش کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک چشم دید گواہ دسمبر کے دوسرے

---

[1] نصیحت لال خاں آف باجوڑ [2] حاجی آف کنہار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہفتہ میں سرحد کی حالت یوں بیان کرتا ہے کہ جوش و خروش دور دور تک پھیلا ہوتا تھا۔ پشاور کی سرحد پر مہمند لارڈ کلائیڈ (Cliyde) آنجہانی کے ہاتھوں 1852ء میں شب قدر کے مقام پر شکست کھانے کے بعد اسی مقام پر پہلی دفعہ مخالفانہ مظاہرہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کوہاٹ سے وزیریوں اور اتمان خیل کے چھاپوں کی افواہیں بھی مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔ 5 دسمبر کو مہمندوں نے شب قدر کے نزدیک ہمارے علاقہ پر چھاپہ مارا۔

کوہستانی قبائل کا اتحاد عام طور پر ناپائیدار ہوتا ہے جس کام کو ہماری فوج سرانجام نہ دے سکی اسے اندرونی اختلافات اور ڈپلومیسی نے پورا کرنا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے 25 نومبر کو پشاور کا کمشنر بونیر[1] کے بعض قبائل کو اتحاد سے توڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے ایک اور گروہ کو جس کی تعداد 2000 تھی اپنے گھروں کو واپس جانے کے لئے بھی آمادہ کر لیا تھا۔ اور سوات کے پیشوا کو بھی اپنے خاص مریدوں کو منتشر کرنے پر راضی کر لیا تھا۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے سردار اس برگشتگی کو بھانپ کر خود علیحدہ ہو گئے۔

اور باقی ماندہ لوگوں میں بے اعتمادی کا بیج بو گئے۔ 15 تاریخ کو ہم نے ان کو جلد فیصلہ کرنے پر مجبور کرنے کے لئے لالہ پر شبخون مارا اور ان کے چار سو آدمی ہلاک ہو گئے۔ 16 تاریخ کو ہم نے امبیلا کے گاؤں کو جلا دیا اور قبائل کے دو سو آدمی میدان جنگ میں ہلاک یا مجروح ہوئے۔ دوسرے دن سے پہلے ہی بونیر کے قبائل نے فیصلہ کر لیا اور کمشنر کے پاس حاضر ہو کر احکامات کے صادر ہونے کی درخواست کی۔ یہ علیحدگی مجاہدین کی امیدوں کے لئے موت کا حکم رکھتی تھی۔ ہر لحظہ کوئی نہ کوئی قبیلہ علیحدہ ہو جاتا تھا۔ دیر اور باجوڑ کے لوگ بھاگ گئے سوات کے فوجی علیحدہ ہو جانے کے لئے ہر وقت پابرکاب بیٹھے تھے۔ یہ اتحاد کوہستانی کہر کی طرح فوراً" دور ہو گیا اور بونیر کے قبائل نے جن پر مجاہدین کا بہت کچھ انحصار تھا ہمارے ساتھ معاہدہ کر لیا کہ مجاہدین کو ان کے رہائشی غاروں میں ہی جلا دیا جائے گا اور ایک ہفتہ کے اندر اندر انگریزی فوج کا ایک دستہ بونیریوں کی کمک اور رہنمائی میں پوری سلامتی کے ساتھ پہاڑوں سے گزرتا ہوا مجاہدین کی آبادی ملکا تک پہنچ گیا اور اس کو جلا کر راکھ کر دیا۔ 23 دسمبر کو یہ بدقسمت فوج درہ امبیلا میں واپس آ گئی۔ 25 دسمبر کو تمام کی تمام فوج میدانوں میں پہنچ گئی اور گھر کو واپس آتے ہوئے ان پر ایک گولی بھی نہ چلائی گئی۔

---

[1] میجر جیمز پشاور ڈویژن کا کمشنر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال جب ہم نے اس مہلک گھاٹی کو چھوڑا تو اس کے چپہ چپہ پر برطانوی سپاہیوں کی قبریں موجود تھیں۔ ہمارا نقصان جان 847 ہلاک و مجروح تک پہنچ گیا تھا یعنی تمام فوج کا دسواں حصہ جو ایک وقت میں مجموعی طور پر نو ہزار کی تعداد تک پہنچ گئی تھی۔ یہ نقصان صرف درہ میں ہوا تھا۔ اس نقصان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ تھا جو سردی لگ جانے سے بیمار ہو گئے یا کسی بیماری کی وجہ سے مر گئے تھے۔ پنجاب گورنمنٹ نے اس مہم کے نتائج کو بیان کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اس سے پہلے کسی موقع پر بھی کوہستان میں اس قدر شدید اور دیرپا جنگ نہیں ہوئی تھی اور یہ کہ ان مجاہدین نے قبائل کا ایک خطرناک اتحاد پیدا کر لیا تھا اور اس اتحاد میں ان کی رائے کو بہت وقعت حاصل تھی۔ نیز مجاہدین بے ضرر اور بے طاقت مذہبی مجنوں نہیں ہیں بلکہ یہ ہندوستان میں ہماری سلطنت کے لئے ایک مستقل خطرہ ہیں اور یہ جہاد کا جو وعظ ہر وقت کرتے رہتے ہیں ممکن ہے کہ تمام سرحدی قبائل یہی وطیرہ اختیار کر لیں۔ اس بحران کا خطرہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ جب ہم اس حقیقت پر غور کرتے ہیں کہ اس وقت ہندوستانی سلطنت کے سر پر کوئی ذمہ دار حاکم موجود نہ تھا وائسرائے لارڈ ایلجن (Lord Eligin) ایک پہاڑی مقام پر بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے ان تک تار کے ذریعے خبر رسانی کا کوئی انتظام نہ تھا اور نہ وہ کام کرنے کے قابل ہی تھے اس مہم میں باوجودیکہ بہت نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس نے چار سال کے لئے سرحد کو بالکل فراموش کر دیا۔ نصف کے قریب مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ اور باقی ماندہ کو قبائل اچھی نظروں سے نہ دیکھتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے پہاڑوں کی وادیوں میں یہی لوگ جنگ کا باعث ہوئے تھے۔ چنانچہ ان غداروں کے سرداروں نے اپنے آپ کو اس قدر غیر مامون پایا کہ 1866ء میں ان میں سے دونے براہ راست ہمارے افسروں سے گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی کوششوں کو ایک تیسرے[1] سردار نے ضائع کر دیا جس نے بار دیگر ان کے جذبات کو برانگیختہ کرنا شروع کر دیا تھا[2]۔ بہرحال وہ 1867ء کے اخیر تک اپنے اندرونی جھگڑوں میں اس قدر مشغول رہے کہ وہ ہمارے علاقوں میں تاخت و تاراج کی جرات نہ کر سکے۔ مگر فروری 1868ء میں وہ سات سو جنگجوؤں کا ایک جتھا بنا کر نکلے۔ تاکہ مختلف قبائل میں اتحاد پیدا کرنے کی بنیاد رکھیں لیکن اس سزا کی یاد نے جو ہم نے

---

[1] مولوی عبداللہ [2] محمد اسحٰق و محمد یعقوب نے سید محمود کی وساطت سے جو پہلے ہماری ملازمت میں تھا کوشش کی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1863ء میں ان کو دی تھی ان کے اس کام کو بہت مشکل بنا دیا۔ لیکن آہستہ آہستہ قبائل کا وہمی تعصب ان کی عقل پر غالب آتا گیا اور انہوں نے آکرور کی وادی میں ہماری ایک چوکی پر حملہ کر دیا۔ اس وقت گورنمنٹ نے لکھا تھا کہ اگر اس کے متعلق ہم جلد کارروائی نہ کرتے تو ہمیں پھر ایک دفعہ بہت بڑے قبائلی اتحاد سے دوچار ہونا پڑتا۔

بہرحال انگریزی حکومت نے اس دفعہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا جائے گا۔ 8 دسمبر کو حکومت عالیہ نے قبائل کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجنے کی اجازت دے دی۔ اور 30 اکتوبر کو ہماری فوج نے کمانڈر اعظم کی راہنمائی میں کوچ کیا جو جرنیل وائلڈ (Wild.C.B) کی ماتحتی میں تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ کس طرح بعض قبائل جن کو ہم نے کسی طرح بھی تنگ نہیں کیا تھا اور نہ ان کے علاقہ میں کوئی مداخلت کی تھی ہماری چوکی پر حملہ کرنے کے بعد تلواروں اور جھنڈوں کے ساتھ ہمارے علاقہ میں آگھسے تھے اور ہمارے بعض دیہات کو جلا دیا تھا اور اب ان کو سزا دینا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ لہٰذا انگریزی حکومت جس کو بہت پریشان کیا جا چکا ہے اب زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتی اور اب آپ لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کا جواب دیں۔

میں یہاں پر اس مہم کے واقعات کی تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتا۔ جولائی کے مہینے ہی میں پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے ضروری برقی پیغامات موصول ہوئے تھے جن میں شورش برپا ہونے کی اطلاعات دی گئی تھیں۔ جیسا کہ فوج کے کوارٹر ماسٹر جنرل نے لکھا تھا کہ "تنبیہہ نہایت ضروری اور مدد کے لئے التجا انتہائی اہم تھی۔ کیونکہ حقیقتاً ہماری فوج کا ایک دستہ باغیوں کے محاصرہ میں تھا کہ حکومت ہند نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا"۔

جیسا کہ 1863ء کی تباہی نے سبق دیا تھا۔ کمانڈر اعظم نے پنجاب کی فوجی چھاؤنیوں کو کمزور کرنے یا سرحدی چوکیوں سے فوجی دستے منگوانے کے بجائے شمال مغربی صوبوں سے رجمنٹیں منگوائی تھیں۔ لڑائی لڑنے والا دستہ چھ ہزار سے سات ہزار باقاعدہ فوج پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ باقی سرحد کی تمام فوج دگنی کر دی گئی تھی اور ہندوستان میں انگریزی فوج کے منتخب شدہ سپاہی مجاہدین کے مقابلہ میں جمع کر دیئے گئے تھے[2]۔ اگست اور ستمبر

1۔ گورنمنٹ کے ملٹری محکمہ کے سیکرٹری کو خط نمبر 163 مجریہ 5 نومبر 1868ء پیرا 4۔

2۔ رائل توپخانہ کی D بیٹری اور F بریگیڈ E بیٹری۔ 19 بریگیڈ R.A اور 24-2 بریگیڈ 19R.A اور نمبر 6 کی پہلی بٹالین 66 کی دو کمپنیاں 16 بنگال کیولری۔ 22 گورکھا رجمنٹ 24 نیو انفنٹری۔ یک بیک راولپنڈی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی چلچلاتی دھوپ میں ہمارے سپاہی ایسی یلغار کر رہے تھے جس کی مثال خوشگوار اور معتدل آب و ہوا میں بھی مشکل سے ملے گی۔ مثلاً" سرنگ لگانے والے اور خندق کھودنے والوں نے 29 دن میں چھ سو میل کی مسافت طے کی۔ اندرون ملک کے صوبجات سے ہماری فوج بہت زیادہ تعداد میں ہماری سرحد پر جمع ہو گئی تھی جس سے قبائل بہت زیادہ خوف زدہ ہو گئے تھے اور قبائل کو اکٹھا کرنے کے لئے مجاہدین کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ ہم نے بہت زیادہ خرچ برداشت کر کے اپنی فوج کو بمعہ توپخانہ کے کوہ سیاہ پر چڑھا دیا تھا۔ اور سرحدی اس کا مقابلہ کرنے کی جرات نہ کر سکے۔

کوارٹر ماسٹر جنرل نے لکھا تھا "یہ نظارہ بھی دیکھنے میں آیا کس طرح انگریزی فوج کے یورپین اور ہندوستانی سپاہی دس ہزار فٹ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان جنگ کر رہے ہیں اور کمانڈار جرنیل تک کے لئے کوئی خیمہ[1] نہیں۔ بہرحال اس دفعہ بھی ہم شرارت کی جڑ تک پہنچنے میں بالکل ناکام رہے۔

پنجاب گورنمنٹ نے مہم کے نتائج کو بیان کرتے ہوئے افسوس ظاہر کیا کہ مہم بھی ختم ہو گئی اور ہم اس قابل نہ ہوئے کہ ہندوستانی مجاہدین کو وہاں سے نکال باہر کریں یا ان کو اس بات پر ہی آمادہ کر سکیں کہ وہ اطاعت قبول کر لیں اور ہندوستان میں اپنے گھروں کو واپس آجائیں[2]۔

اب میں نے اپنی سرحد پر اس باغی کیمپ کی تمام تاریخ 1831ء سے جبکہ اس کی

(بقیہ حاشیہ) سے ایبٹ آباد کو روانہ کر دی گئیں جو ضلع ہزارہ کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ N-I-20 نے لاہور سے ایبٹ آباد کو کوچ کیا۔ 38 فسٹ سیالکوٹ سے دربند جو ہزارہ میں ہے کی طرف روانہ ہوئی اور مہم کے دوران میں /318/IX بھی وہاں پہنچ گئی تھی پہلی اور چوتھی گورکھا دور دراز کے پہاڑی علاقوں اور دھرمسالہ سے جرنیل وائلڈ کے ساتھ جا ملی۔ اس کے علاوہ جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ 80-19' 9-N-I-230 بنگال کیولری اور 20 سالہ اپنی مختلف چھاؤنیوں کانپور' علی گڑھ' امرتسر' لاہور' کیمبلپور اور راولپنڈی سے روانہ ہوئیں اور ریزرو رکھی گئی تھیں۔ پشاور اور نوشہرہ میں بھی فوج کو تیار رہنے کا حکم تھا جو سوات اور ہوتی مردان کے مقابل ہے تاکہ گائیڈ کور کو مدد دے سکیں۔

[1] گورنمنٹ کے ملٹری شعبہ کے سیکرٹری کو کوارٹر ماسٹر جنرل کا خط نمبر 163 مجریہ 5 نومبر 1868ء پیرا نمبر ا۔

[2] پنجاب گورنمنٹ کا خط مجریہ 6 نومبر 1863ء پیرا نمبر 22 1868ء کی سرحدی مہم کی مندرجہ کیفیت بیان کرنے میں میں نے اس خط سے مدد لی ہے۔ اس افسر کی رپورٹ سے جس کا ذکر کنایتہ" کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ کوارٹر ماسٹر جنرل کا خط مجریہ 5 نومبر 1868ء بمع ان ملٹری کیفیات کے جو اس کے ساتھ تھی اس سے مدد لی گئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابتدا ہوئی 1868ء تک جبکہ آخری مرتبہ انہوں نے ہم کو جنگ میں دھکیلا بیان کر دی ہے۔ وہ تمام پرانی مصیبتیں جو انہوں نے سکھ حکومت کے وقت سرحد پر نازل کی تھیں۔ وہ تمام ایک تلخ وراثت کی صورت میں ہم تک پہنچیں۔ اس نے تمام سرحد میں تعصبی جذبات کو برقرار رکھنے کے علاوہ تین مرتبہ قبائل کو یکجا اکٹھا کر دیا۔ جس کی وجہ سے برطانوی ہند کو ہر ایک موقعہ پر بہت ہی مہنگی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ یکے بعد دیگرے ہر گورنمنٹ نے اعلان کیا کہ یہ ہمارے لئے ایک مستقل خطرہ ہے لیکن اس کے باوجود ان کو تباہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ اب تک بھی یہ ہماری غیر وفادار رعایا اور ہمارے سرحد کے پار کے دشمنوں کی امیدوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کس وقت ہم قبائل کی خانہ جنگیوں کی لپیٹ میں آجائیں گے جو وسط ایشیاء میں ہر وقت جاری رہتی ہیں مگر اس وقت یہ عین ممکن ہے کہ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے ایک اور افغانی جنگ لڑنی پڑے۔ یہ جنگ جب کبھی بھی ہوگی اور جلد یا بدیر ہو کر رہے گی) تو ہماری سرحد پر غدار آبادی ہمارے دشمنوں کو ہزارہا آدمی مہیا کر سکے گی۔ ہمیں ان غداروں کی اپنی ذات سے کوئی ڈر نہیں۔ اگر ہمیں ڈر ہے تو ان شورش پسند عوام سے جن کو یہ مجاہدین ہمارے خلاف جہاد کرنے کے لیے بار بار اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ نو صدیوں کے دوران میں ہندوستانی لوگ شمال کی طرف سے حملہ کرنے والوں کے عادی ہو چکے ہیں اور کوئی شخص اس اہمیت کے متعلق پیش گوئی نہیں کر سکتا جسے یہ باغی کیمپ مغربی مسلمان خانہ بدوش گروہوں کی مدد سے ایک ایسے لیڈر کی سرکردگی میں جو اپنے اندر ایشیا کی قوموں کو جہاد کرنے کے لئے اکٹھا کر سکتا ہو حاصل کر سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

ایک پرانی سازش

ست مدت تک مجاہدین سرحد کی اس حیرت انگیز قوت کا سرچشمہ ایک راز بنا رہا۔ اس ہندوستانی حکومت نے جو ہم سے پہلے پنجاب پر حکمران تھی اسے تین مرتبہ منتشر کیا اور تین دفعہ یہ انگریزی فوج کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے لیکن باوجود اس کے یہ ابھی تک زندہ ہیں اور دیندار مسلمانوں کے معجزانہ طور پر زندہ رہنے کو ہی ان کے آخرکار غالب ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس وقت اس سرحدی نو آبادی کو ہم فوجی قوت کے بل بوتے پر تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس وقت ہماری مسلمان رعایا کے متعصب عوام ان کو لاتعداد آدمیوں اور روپوں سے مدد دے کر گویا ان چنگاریوں کو ہوا دیتے رہتے ہیں جنہیں ہم نے خاک سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ مگر جن کی بجھی ہوئی راکھ سے ایک دفعہ پھر شعلے اٹھنے لگتے ہیں۔

1821-22ء تک سید احمدؒ صاحب کی تبلیغ کی طرف انگریزی حکام نے کوئی توجہ نہ کی۔ انہوں نے اپنے جاں نثار مریدوں کی ہمراہی میں ہمارے صوبجات کا دورہ کیا اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو مرید بنایا اور ایک باقاعدہ گدی مذہبی ٹیکس اور ملکی حکومت قائم کر دی۔ اس اثنا میں ہمارے افسران اپنے اردگرد کی بہت بڑی مذہبی تحریک سے بے خبر ہو کر صرف مالیہ جمع کرنے انصاف کے لئے عدالتیں قائم کرنے اور فوجوں کو پریڈ کرانے میں مصروف رہے۔ آخرکار 1831ء میں اپنی اس بے خبری سے بہت بری طرح جھنجھوڑے گئے۔ کلکتہ میں سید صاحب موصوف کے مریدوں میں ایک کسبی پہلوان اور لڑاکا آدمی تھا۔ جو تطومیر[1]

---

[1] اس کا اصل نام میر نثار علی تھا۔ یہ چندر پور (گاؤں کا) باشندہ ہے اور پاٹنہ ست میں رہتا تھا اس کی زندگی کے اکثر حالات کلکتہ ریویو جلد (C-I) میں دیئے ہوئے ہیں۔ میں نے ان کو اور پٹنہ کے مجسٹریٹ کی سرکاری رپورٹ کو استعمال کیا ہے۔ نیز تھورٹن نے اپنی تاریخ برٹش ایمپائر آن انڈیا میں اس کے کارناموں کی کچھ تفصیل دی ہے صفحہ 179-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے اپنی زندگی ایک باعزت کاشتکار لڑکے کی حیثیت سے شروع کی تھی۔ اور ایک چھوٹے سے زمیندار کی لڑکی سے شادی کر کے اپنی حیثیت کو اور بھی بلند کر لیا تھا۔ مگر اس کی پرجوش اور بے صبر فطرت نے ان فوائد کو پرے پھینک دیا۔ کچھ مدت تک یہ کلکتہ میں ڈنڈے بازی کے معیوب طریقہ پر روزی کماتا رہا اور اس کے بعد ایک لٹھ باز گروہ میں شامل ہو گیا۔ جس سے بنگال کے زمیندار اپنے خاندانی جھگڑے اور زمین کی حدود کے تنازعات فیصلہ کرایا کرتے تھے اس پیشہ کی وجہ سے آخرکار اس کو جیل جانا پڑا۔

رہا ہونے کے بعد وہ حج کی غرض سے مکہ معظمہ روانہ ہو گیا۔ اس مقدس شہر میں اس کی ملاقات سید احمدؒ صاحب سے ہوئی اور وہ ہندوستان میں ان کے اصولوں کے ایک زبردست مبلغ کی حیثیت سے واپس آیا۔ اس نے ضلع کلکتہ کے شمال اور مشرق کی طرف دورہ کیا بہت سے آدمیوں کو اپنا مرید بنا لیا اور خفیہ طور پر کافروں کے خلاف جہاد کی تیاریاں کرتا رہا۔ 1830ء میں جب مجاہدین سرحد نے پشاور پر قبضہ کر لیا تو تطومیر اس قدر بیدھڑک ہو گیا کہ اس نے اپنا نقاب اتار پھینکا اور ان معمولی معمولی سختیوں[1] کی وجہ سے جو ہندو زمیندار اس کے مریدوں پر کیا کرتے تھے۔ یہ کسانوں کی پرجوش بغاوت کا سرغنہ بن بیٹھا۔ چنانچہ کسانوں کی بہت سی بغاوتیں ہوئیں جس کے نتیجہ پر باغیوں نے اپنے آپ کو ایک مورچہ بند کیمپ میں محفوظ کر لیا۔ انگریزی حکام کی نافرمانی کی اور کچھ قتل و غارت کے بعد ان کو پسپا کر دیا۔ اب کلکتہ سے شمال اور مشرق کی طرف کا علاقہ بمعہ اس ضلع کے تمام کا تمام باغیوں کے رحم و کرم پر تھا۔ جن کی تعداد تین ہزار کے قریب[2] تھی اس فرقے نے اپنے کام کا آغاز دن دہاڑے اس گاؤں کو جلا دینے سے کیا جس نے ان کے روحانی پیشوا کو ماننے سے انکار کر دیا تھا[3] ایک دوسرے ضلع میں ایک[4] گاؤں کو لوٹ لیا اور ایک مسجد کو جلا ڈالا۔ اور ساتھ ہی اس کے دیندار مسلمانوں پر روپیہ اور چاول کا چندہ عائد کیا گیا۔

---

[1] مثال کے طور پر شنا رائے نے جو اشامتی کے کنارے کا ایک بڑا زمیندار تھا اپنے ان کاشتکاروں پر 5 شلنگ فی کس کے حساب سے ٹیکس لگایا تھا جنہوں نے نیا مذہب اختیار کر لیا تھا ایک اور زمیندار نے اپنے پرائیویٹ جیل میں ایک آدمی کو اس لئے محبوس کر رکھا کہ اس نے محرم کے دنوں میں تعزیے جلا دیئے تھے۔
[2] 24 پرگنہ۔ ندیا اور فرید پور۔ [3] فیروزپور کے ضلع میں [4] سرفراز پور ندیا میں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

23 اکتوبر 1831ء کو باغیوں نے اپنے صدر مقام کے لیے ایک گاؤں کو منتخب کیا اور اس کے اردگر بانسوں کا ایک مضبوط جنگلہ کھڑا کر دیا۔ 6 نومبر کو 500 جنگجو کوچ کرتے ہوئے باہر نکلے اور ایک قصبہ پر حملہ کیا۔ اس کے پروہت کو قتل کرنے کے بعد دو گائیں ذبح کیں جو ہندوؤں کا متبرک جانور ہے) جن کے خون سے ایک ہندو مندر کو بے حرمت کیا گیا اور پروہت کی لاش کو تحقیرا" بت کے سامنے لٹکا دیا گیا اس کے بعد انہوں نے انگریزی راج کا خاتمہ اور دوبارہ اسلامی سلطنت کے قائم ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب بغاوتوں کا لامتناہی سلسلہ جاری ہو گیا۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ ہندوؤں کے گاؤں میں گائے ذبح کی جاتی اور اگر لوگ اس کی مخالفت کرتے تو ان کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ یا ان کے گھروں کو لوٹ لیا جاتا اور پھر جلا دیا جاتا تھا بعینہ وہ ان مسلمانوں کے بھی خلاف تھے جو ان کے فرقے میں داخل نہ ہوتے تھے۔ البتہ ایک موقع پر ایک مالدار اور ضدی مسلمان کا گھر بار لوٹنے کے لئے انہوں نے اپنا طریق کار بدل دیا کیونکہ انہوں نے اس کی لڑکی کی شادی اپنے گروہ کے ایک سردار سے زبردستی کر دی۔

ضلع کے حاکموں کی ناکام کوششوں کے بعد 16 نومبر 1831ء کو کلکتہ کی ملیشیا فوج کا ایک حصہ باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تھا مجاہدین نے صلح کی گفتگو کو ٹھکرا دیا اور کمانڈر افسر نے اس خیال سے کہ خونریزی نہ ہو اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ خالی کارتوس بندوقوں میں بھر لیں۔ باغیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اس کے جواب میں بے ضرر بوچھاڑ ہوئی اور باغیوں نے فورا" ہمارے سپاہیوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ یہ سب کچھ کلکتہ سے اتنے فاصلے پر ہوا جس کو ایک سوار دو گھنٹے میں طے کر سکتا ہے۔ 17 تاریخ کو مجسٹریٹ نے ادھر ادھر سے کمک مہیا کی اور فرنگیوں کو ہاتھی پر بٹھا دیا۔ باغیوں نے ان کا مقابلہ کیا اور ایک ہزار جنگ جو میدان میں لے آئے انہوں نے حملہ آوروں کا ان کی کشتیوں تک تعاقب کیا اور جس شخص نے بھاگنے میں سستی کی اسے تہ تیغ کر دیا۔

اندریں حالات ضروری ہو گیا کہ باغیوں کی سرکوبی باقاعدہ فوج سے کی جائے۔ دیسی پیادہ فوج کا ایک حصہ گھوڑوں والا توپ خانہ اور باڈی گارڈ کا ایک حصہ بسرعت تمام کلکتہ سے روانہ کیا گیا۔ باغیوں نے اپنے مورچے کی حفاظت دہی کو نفرت سے دیکھتے ہوئے فوج کا مقابلہ کھلے میدان میں کیا اور ایک فرنگی کی لاش کو جو اگلے دن مارا گیا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی صفوں کے آگے لٹکا دیا۔ لیکن ایک نہایت ہی سخت مقابلہ نے ان کی قسمت کا فیصلہ دیا وہ نہایت ہی ابتر حالت میں اپنے مورچے کی طرف بھاگ گئے۔ اور ان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیمپ پر ایک ہی ہلہ میں قبضہ جما لیا گیا۔ ان کا سردار "تیطو میاں" جنگ میں مارا گیا باقی ماندہ 350 میں سے 140 کو عدالت نے مختلف سزائیں دی اور ایک کو جو تیطومیاں کا نائب تھا موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان مجاہدین کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔ پنجاب کی سرحد پر ان کی قوت بالکل توڑ دی گئی تھی اور ان کا سردار قتل کر دیا گیا تھا۔ جنوبی بنگال میں بھی باغیوں کا یہی حشر ہوا تھا۔ مگر وہ خلیفے جن کو امام صاحب نے پٹنہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ بچاؤ کے لیے آموجود ہوئے۔ انہوں نے ایسے عینی شاہد پیدا کئے جنہوں نے اعلان کیا کہ جس وقت لڑائی زوروں پر تھی ہمارے امام صاحبؒ کو گرد کے بادلوں نے ہماری ظاہری آنکھوں سے اوجھل کر دیا تھا انہوں نے عوام کو یقین دلا دیا کہ خود انہوں نے بھی اس طرح گم ہو جانے کی پیش گوئی کی تھی۔ حقیقتاً امام صاحبؒ نے اس قسم کی دعا کی تھی کہ میری قبر میرے مریدوں سے اوجھل رہے تاکہ حضرت موسیٰؑ کی طرح میری ہڈیوں کی ناجائز پرستش شروع نہ ہونے پائے۔ انہوں نے اس بات کی تبلیغ شروع کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو موجودہ کمزور نسلوں سے اٹھا لیا ہے۔ اور جب ہندوستان کے مسلمان یکجان ہو کر انگریز کافروں کے خلاف جہاد شروع کریں گے تو امام صاحبؒ ظاہر ہو کر فتح کی طرف ہماری راہنمائی کریں گے۔ اس بیان میں ایک مسلمان کے لئے کوئی قابل تسلیم بات نہ تھی۔ ایسی باتیں پہلے بھی ہو چکی ہیں۔ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت یونسؑ کچھ عرصہ کے لئے گم ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑی مچھلی میں چھپائے رکھا تھا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ بھی جب کوہ سینا پر خدا کا پیغام لینے گئے تھے تو کسی کو نظر نہ آتے تھے۔ حضرت ذوالقرنین بھی جنہوں نے یاجوج ماجوج کو قید کیا تھا اسی طرح روپوش ہو گئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے بھی موت کا مزہ نہیں چکھا۔[1] اس لئے ہر دیندار مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نئے جوش و خروش کے ساتھ جہاد میں مصروف ہو جائے۔ پٹنہ کے خلیفوں نے ایک نیا روحانی پیشوا[2] مقرر کیا اور خود انہوں نے تعداد میں ہر وقت بڑھتے ہوئے جاں نثار شمشیرزنوں کے درمیان شمال کی طرف سفر اختیار کیا۔

---

[1] کلکتہ ریویو جلد (C-I) جولائی 1870ء صفحہ 187-

[2] مولوی نصیر الدین (مولانا محمد اسحاق کے داماد) بعد میں ستھانہ میں سید صاحب کے جانشین بنائے گئے۔ شجرۃ الایمان از مولوی ابو عبداللہ محمد نصیرالدین دہلوی انہیں کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک عرصہ تک امام صاحبؒ کے غائب ہو جانے کی کرامت کے متعلق تحقیقات کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا اور ہر کام ویسا ہی ہوتا رہا جیسا کہ وہ چاہتے تھے۔ جنوبی بنگال کا ایک جاں نثار مبلغ جس نے تمام مشرقی اضلاع ڈھاکہ اور سلہٹ میں تبلیغ کی تھی۔ ایک ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر سرحد کی طرف چلا گیا جو وہاں سے 1800 میل دور ہے۔ مگر امام صاحبؒ کی عرصہ دراز تک غیر حاضری نے اس کے اعتقاد کو متزلزل کر دیا۔ اور تھوڑی سی مناقشت کے بعد اس نے یہ عزم مصمم کر لیا کہ وہ دور دراز کے کوہستانی علاقہ میں اس غار تک ضرور پہنچے گا جس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں خدا نے اس کے امام کو چھپا رکھا ہے۔ اس کے تحقیق حق کے جوش کو دوسرے خودغرض سرداروں کے حسد پر فتح نصیب ہوئی اور جب وہ اس پہاڑی خانقاہ تک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ تین انسانی مجسمے گھاس سے بھرے ہوئے موجود ہیں۔ یہ فریب خوردہ مبلغ اس نامراد غار سے بھاگا اور اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں اور اپنے کلکتہ کے مریدوں کو ایک غصہ میں بھرا ہوا خط لکھا جو اب تک روپیہ اور آدمی بہم پہنچا رہے تھے۔

اس نے لکھا "السلام علیکم۔ تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ ملا قادر نے امام صاحبؒ کا ایک بت بنایا ہوا ہے مگر کسی کو دکھلانے سے پہلے اس سے یہ وعدہ لے لیتا ہے کہ نہ وہ امام صاحبؒ سے ہاتھ ملائے گا اور نہ ان سے بولنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو امام صاحبؒ چودہ برس کے لئے گم ہو جائیں گے۔ چنانچہ تمام زائرین بہت متاثر ہو کر اس بے جان بت کو دور ہی سے دیکھ کر اس کی تعظیم و تکریم کر لیتے۔ جب بہت عرصہ تک کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا تو لوگوں میں امام صاحبؒ سے ہاتھ ملانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مگر ملا قادر نے ان کے شکوک رفع کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ اگر کسی شخص نے پہلے سے اطلاع کئے بغیر امام صاحبؒ سے ہاتھ ملایا تو امام صاحبؒ کے خادم اس کو پستول سے مار دیں گے۔ پھر اس خط میں بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح ملا قادر نے لوگوں کو ان کی بداعتقادی پر لعنت ملامت کی۔ کس طرح اس نے بت کو عوام کی نظروں سے اوجھل کر دیا۔ اور آخر کار انہوں نے کس طرح بہت منت و سماجت کر کے اس کو دیکھنے کی اجازت حاصل کی۔ انہوں نے اس کا معائنہ کیا اور دیکھا کہ ایک بکرے کی کھال کو گھاس سے بھر رکھا تھا اور کچھ لکڑی کے ٹکڑوں اور بالوں کی مدد سے اس کو انسانی شکل دی ہوئی تھی"۔

اس بندہ ناچیز نے ملا صاحب سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ کچھ ٹھیک تھا لیکن امام صاحبؒ نے خود بطور معجزہ اپنے آپ کو ایک گھاس کے بھرے ہوئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجسمہ کی شکل میں لوگوں کے سامنے ظاہر کیا تھا۔ "ان جعل سازوں کی غلطی اور بے ایمانی روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے اور کم از کم میں نے اپنے آپ کو گناہوں سے بچا لیا ہے۔

ایک دفعہ پھر ان مجنونوں کی تحریک تباہی کے قریب معلوم ہوتی تھی۔ مگر پٹنہ کے خلیفوں کے تبلیغی جوش اور مال و دولت نے جو ان کے تصرف میں تھی مقدس جھنڈے کو خاک سے اٹھا کر ایک بار پھر بلند کر دیا۔ انہوں نے تمام ہندوستان میں اپنے مبلغ دوڑا دیئے اور مذہبیت کو اس حد تک زندہ کیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ ان دونوں خلیفوں[1] نے بذات خود بنگال اور جنوبی ہند کا دورہ کیا۔ چھوٹے چھوٹے مبلغین بے شمار تھے اور مدبرانہ تنظیم نے ان کو اس قابل بنا دیا تھا کہ جہاں کہیں حالات اجازت دیتے اپنے مریدوں میں اپنا اڈا جما لیتے۔ اس طرح ہر ضلع میں مجاہدین کا ایک مبلغ ہوتا اور ان کے جذبات کو مشتعل رکھنے کے لئے وقتاً" فوقتاً" سفری واعظ بھی دورہ کرتے رہتے۔ پٹنہ کا مرکزی ادارہ تبلیغ ان کے اقتدار کو پائیدار اور مستقل کرتا رہتا تھا۔ شرانگیزی کے لئے ان مبلغوں کی قوت بنگال میں کس قدر بڑھ گئی ہے۔ یہ بعد میں بیان کروں گا۔ جنوبی ہند میں انہوں نے جوش و خروش کی وہ آندھی چلائی کہ عورتوں نے اپنے ہیرے جواہرات تک بیت المالی میں دے دیئے۔ شمال مغربی صوبوں سے انہوں نے رنگروٹوں کی کمپنیوں کی کمپنیاں مجاہدین کے کیمپ کی طرف روانہ کیں۔ ہر جگہ انہوں نے مسلمان آبادی کے جوش کو انتہا تک پہنچا دیا اور اگرچہ بنگالیوں کی اعلیٰ دفاعی قوتیں آخرکار اس تحریک کو موجودہ درجہ تک لے آئیں۔

لیکن کچھ مدت کے لئے ہندوستان کے تمام صوبوں میں ایک ہی جیسے جوش و خروش کے ساتھ زندہ رہی۔ پٹنہ کے مجسٹریٹ نے لکھا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے گنجان آباد

---

[1] ولایت علی اور عنایت علی۔ اول الذکر نے بنگال کا دورہ کرنے کے بعد بمبئی۔ علاقہ نظام اور وسط ہندوستان کو اپنا خاص علاقہ بنا لیا۔ عنایت علی نے اپنی تمام کوششیں جنوبی اور وسطی صوبوں میں صرف کر دیں۔ مالوہ، بوکرہ، راجشاہی، پٹنہ، نادیہ، فرید پور، کرامت علی نے اس تحریک کو فرید پور سے مشرق کی طرف میمن سنگھ، نواکھلی، اور باریسال تک پہنچا دیا۔ زین العابدین نے جو حیدر آباد کا رہنے والا تھا اور جس کو ولایت علی نے اپنے جنوب کے دورے میں مرید کیا تھا اپنی کوششوں کا مرکز شمال مشرقی بنگال کو بنایا اور سلہٹ شمال پترا کے کسانوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ کلکتہ ریویو جلد (CIC)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضلعوں کے ہر ایک گاؤں میں خود حکومت کے افسروں کی زیر حفاظت اور زیر سایہ اعلانیہ بغاوت کی تبلیغ کی۔ مسلمان آبادی کے دلوں کو بے قرار کیا۔ اور فتنہ و فساد کے لئے ایسا حیرت انگیز اقتدار حاصل کیا جس کی نظیر نہیں ملتی[1]۔

بہرحال اس حیرت انگیز اقتدار کے سرچشمہ کی بنیاد فتنہ و فساد نہ تھی۔ سید احمدؒ نے اپنی پیغمبرانہ زندگی کی بنیاد انہیں دو اصولوں کی نشرواشاعت پر رکھی جن کو تمام مبلغین کام میں لاتے آئے ہیں۔ یعنی وحدانیت اور مساوات۔ انہوں نے الہامی یقین کے ساتھ عوام کی مذہبی حمیت سے انصاف چاہا۔ ان کے ملکی بھائیوں کے دلوں میں یہ حمیت مردہ ہو چکی تھی اور صدیوں تک ہندوؤں سے میل جول سے ان کے اسلام میں بہت سی بدعات پیدا ہو چکی تھیں۔ ان پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ اسلام کی حقیقی تعلیم بت پرستی کے مراسم کے نیچے دب چکی ہے۔ گو سید احمد[2] ایک لٹیرا اور جعل ساز تھا اور ان کے حواریوں نے بھی بعد میں یہی پیشہ اختیار کیا۔ لیکن میں اس بات کا یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سید احمدؒ کی زندگی کا ایک درمیانی حصہ ایسا بھی تھا جس میں ان کا دل و دماغ اپنے برادرانِ وطن کی نجات کے لئے ہر وقت بے قرار رہتا تھا اور ان کا دھیان ہر وقت خدا کی طرف لگا رہتا تھا۔

اگرچہ ان کا ظاہری اطمینان ان کی قلبی کیفیت کو ظاہر نہ ہونے دیتا تھا۔ ان پر وجدانی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی جس کو ہم مغربی سائنس کی اصطلاح میں مرگی سے تعبیر کر سکتے ہیں اور جو ایشیائی عقیدہ کے مطابق بڑی ہی متبرک حالت ہے کیونکہ اس کا مطلب خدائے تعالیٰ سے براہ راست تعلق کا پیدا ہو جانا ہے۔ ان وجدانی کیفیات میں پیغمبران سلف ان کی بصیرت پر عیاں ہو جاتے تھے۔ اور کشفی طور پر وہ ہندوستان کے گزشتہ مذہبی اماموں سے متواتر راہ و رسم رکھتے تھے[3]۔

1820ء میں جب انہوں نے اپنی تبلیغ کا آغاز کیا تو اس وقت ان کی عمر 34 سال کی تھی۔ قد درمیانہ تھا اور سینے تک لمبی داڑھی رکھتے تھے۔ وہ کم گو اور خوش اخلاق تھے۔ لیکن جید عالم نہ تھے۔ انہوں نے اپنے برادران وطن کی عملی زندگی پر وعظ کہنا شروع کیا اور ہر قسم کی اصولی بحثوں سے پرہیز کیا۔ جس کے متعلق ان کے دشمن تو یہ کہتے ہیں کہ وہ اس قابل ہی نہ تھے اور ان کے مریدوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ ان کی بزرگی اور برتری کی شان کے خلاف تھا۔

---

[1] سرکاری دستاویزات 1865ء [2] سید صاحب کے خلاف دشنام طرازی بالکل لچر اور لغو ہے (مترجم)
[3] جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے ۔ خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آمد در حدیث دیگراں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے پہلے دو مرید بڑے عالم فاضل تھے[1]۔ اور انہوں نے دہلی کے بہت بڑے عالم شمس الہند کی بحثوں کے درمیان تربیت پائی تھی جن سے امام صاحبؒ کو بھی شرف تلمذ حاصل رہا۔

یہ دونوں شخص اپنے وقت کے جید مسلمان عالم[2]۔ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے ان کی تربیت بڑی احتیاط سے کی تھی۔ وہ مذہبی زبانوں اور شریعت کے قوانین سے اچھی طرح واقف تھے۔ دونوں نے اپنے ہم وطن بھائیوں کے مذہب اور طور طریقوں میں اصلاح کی ضرورت محسوس کی۔ گو مختلف حد تک اور دونوں نے ایک ہی وقت میں اپنے بے علم ہم سبق اور گزشتہ لٹیرے کو اپنا امام تسلیم کیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک وہ خدا کی طرف سے اس کام کو پورا کرنے کے لئے مامور تھے جس طرح ان دو عالموں اور قوانین شریعت کے جاننے والوں نے عوام کے سامنے سید احمدؒ کی جو ٹوٹی پھوٹی عربی بھی نہ جانتے تھے تعظیم و تکریم کی۔ اس کی وجہ سے عوام بھی اس ہونے والے امام کی طرف راغب ہو گئے۔ اسلام کے تمام فرقوں کی تعلیم کو اچھی طرح جاننے کی وجہ سے انہوں نے سید احمد صاحبؒ کے اس دعویٰ کی کھلم کھلا حمایت کی جس کو وہ خود تسلیم کر چکے تھے۔ اس مقبول عام عقیدے سے شروع کر کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو مضبوط کرنے اور انسانوں کو نجات کا راستہ دکھانے کے لئے وقتاً" فوقتاً" امام اور ولی بھیجتا رہتا ہے۔

انہوں نے یہ ثابت کیا کہ سید احمدؒ بھی خدا کی طرف سے مامور ہیں۔ اور اس منصب کی تمام خوبیاں اپنے اندر رکھتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ سید آل رسول ہیں اور اپنی وجدانی کیفیت میں خدا اور اس کے رسول سے براہ راست گفتگو کر سکتے ہیں اور اپنی تمکنت، کم گوئی، خوش اطواری حتیٰ کہ اپنی شکل و شباہت میں پیغمبر اسلام سے ملتے جلتے ہیں۔ ان بارہ اماموں میں سے جو تمام دنیا کو مسلمان بنالیں گے ہندوستان کے بعض مسلمان[3]

---

[1] مولوی شاہ اسمٰعیل صاحب شہیدؒ اور مولوی عبدالحیؒ [2] حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ قدس سرہ۔ شاہ اسمٰعیل ان کے بھتیجے اور مولوی عبدالحی کے داماد تھے۔ [3] سنی حضرات۔ شیعہ حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ گیارہ ہو گزرے ہیں اور بارہویں امام شمال مغربی سرحد کے پار کہیں چھپے ہوئے ہیں لیکن سنی مسلمانوں کی تعداد 95 فیصدی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو یہ مانتے ہیں کہ چھ ہو گزرے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صرف چار ہو گزرے ہیں۔ سید احمد صاحبؒ اسی متبرک سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ خوابوں میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی اور ان کے خاوند (جہاں سے ان کا نسب چلتا ہے) ان سے ملاقات کرتے ہیں۔ اپنے بیٹے کی طرح ان کو سلام کرتے ہیں۔ ان کو خوشبوؤں میں نہلاتے ہیں۔ اور ان کو شاہانہ لباس پہناتے ہیں۔ عوام الناس اور خود سید احمد صاحبؒ اس سے زیادہ اور کیا ثبوت چاہتے ہیں؟ ان دو عالم فاضل مریدوں کے متواتر دلائل کے سامنے سید احمد صاحب کا انکسار اور شک و شبہ نہ ٹھہر سکتا تھا۔ آخر کار ان کو اپنے دعویٰ پر اس قدر پختہ یقین ہو گیا کہ انہوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر شاہی اختیارات ہاتھ میں لے لئے۔ آمدنی پر دسواں حصہ بطور ٹیکس قائم کیا۔ اپنے خلیفہ مقرر کئے تاکہ بیعت در بیعت کا سلسلہ جاری رہے اور پشاور میں باقاعدہ طور پر امیرالمومنین ہونے کا اعلان کر دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ تشریف لے جانے سے پہلے سید صاحبؒ نے اپنے اصولوں کو باقاعدہ مرتب نہ کیا تھا۔ ان کے خیال کے مطابق دین کی اصلاح ایک عملی شے تھی۔ انہوں نے اپنی پند و موعظت سے سامعین کو بتلایا کہ اگر وہ خدا کے غضب سے بچنا چاہتے ہیں تو اچھی زندگیاں بسر کریں۔ ان کے ایک مرید نے ان کے اقوال کو ایک کتاب[1] کی صورت میں جمع کیا ہے جو اب اس فرقے کی ایک مقدس کتاب ہے۔ اور عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے مختصر اقوال کو لکھنے والے کی عقیدت مندی نے بہت بڑھا چڑھا دیا ہے۔ لیکن اس قدر زیادتی کے باوجود وہ ایک عملی اخلاق کی تعلیم معلوم ہوتی ہے ان دستاویزات میں جن کی رو سے انہوں نے پٹنہ کے خلیفوں کا تقرر کیا تھا۔ اس عملی زندگی کی روح نمایاں ہو رہی ہے۔ ان کا صرف ایک ہی اصول تھا۔ اور وہ یہ کہ خدائے واحد کی عبادت کی جائے۔ براہ راست عبادت انسانی طور طریقوں اور واسطوں کے بغیر۔ بطور نمونہ چند اقوال ملاحظہ فرمائے جائیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ان لوگوں کو جو راہ حق کے طالب ہیں بالعموم اور ان کو جو سید احمد کے دوست ہیں بالخصوص معلوم ہونا چاہئے خواہ وہ حاضر ہیں یا غیر حاضر کہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مرید ہو جانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ خدا کو راضی کرنے کے ذرائع حاصل ہوں اور یہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کو پورا کرنے پر منحصر ہے۔

---

[1] صراط مستقیم جس کے معنی ہیں راہ راست، سیدھا راستہ مصنفہ مولوی محمد اسماعیل شہیدؒ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کے احکام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ پہلی شے یہ ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہرایا جائے[1]۔ اور دوسرے کوئی دستور یا طریقہ ایسا اختیار نہ کیا جائے جو رسول اللہ ﷺ اور ان کے خلفاء کے وقت میں نہ تھا[2]۔ اول الذکر کا مطلب یہ ہے کہ اس عقیدے سے کہ کوئی فرشتہ روح یا روحانی رہنما' مرید' استاد' طالب علم' پیغمبر یا ولی کسی کی تکلیفوں کو دور کر سکتے ہیں' توبہ کی جائے۔ کسی خواہش یا ارادہ کو پورا کرنے کے لئے ان کا وسیلہ ڈھونڈنے سے پرہیز کیا جائے اور اس بات سے انکار کیا جائے کہ ان کو کسی کی طرفداری کرنے یا برائی کو دور کرنے کی طاقت حاصل ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے ان کو اپنے ہی جیسا بے چارہ اور بے علم سمجھنا چاہئے۔ لہٰذا کسی امام بزرگ' ولی اللہ یا فرشتہ کو اس خیال سے کوئی نذر' نیاز نہ دینی چاہئے کہ اس سے ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ بلکہ اس لئے کہ یہ خدا کے دوست ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ ان کو زندگی کے واقعات پر اختیار حاصل ہے یا اسرار الٰہیہ سے واقف ہیں۔ صریحاً" کفر ہے۔

آخر الذکر اصول کا مطلب یہ ہے کہ سچا اور صاف مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وقت جس طرح عبادت اور زندگی بسر کی جاتی تھی اس کی سختی کے ساتھ پابندی کی جائے اور تمام بدعتوں مثلاً" بیاہ شادی کی رسمیں' مرگ کی رسمیں' خانقاہوں کی تعظیم' قبروں پر قبہ بنانا' مردے کے سالانہ ختم پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنا وغیرہ سے پرہیز کیا جائے اور جہاں تک ہو سکے ان رسموں کو بند کرنے کی کوشش کی جائے[3]۔

1822-23ء میں امام صاحبؒ کے مکہ تشریف لے جانے پر اس عام فہم اصلاحی عقیدہ کو وسعت دی گئی اور باقاعدہ طور پر ترتیب دے دیا گیا۔ انہوں نے اس مقدس شہر میں ایک اصلاحی تحریک کا آغاز کیا جس کا بانی صحرا کا ایک بدو تھا اور جو ان کے عقائد کے مطابق تھا۔ اس کے بانی نے مغربی ایشیا میں ایک دینی سلطنت قائم کر لی تھی۔ بعینہ جیسی کہ سید احمد صاحب ہندوستان میں قائم کرنے کی امید رکھتے تھے اس لئے ہمارے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ اس مذہب کی آئندہ ترقی کے واقعات کو یہاں تھوڑے عرصہ کے لئے ختم کر دیں اور عرب میں وہابیوں کی ترقی و زوال کی مختصر داستان بیان کریں۔

---

[1] شرک [2] بدعت۔ [3] کلکتہ ریویو نمبر 5 اپریل 1870ء ص 98-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک سو پچاس برس ہوئے ایک نوجوان عرب حاجی جس کا نام عبدالوہابؒ تھا اور جو نجد کے ایک معمولی سردار کا بیٹا تھا۔ اپنے ہمراہی حاجیوں کی بدمعاشی اور ریاکاری سے جس سے اماکن مقدسہ کی بے حرمتی کی جا رہی تھی۔ سخت دلگیر ہوا وہ تین سال تک دمشق میں ان بدعات پر غوروخوض کرتا رہا جو مذہب اسلام میں پیدا ہو چکی ہیں اور آخر کار ان بدعات کے انسداد کے لئے میدان عمل میں نکل پڑا لیکن حکومت قسطنطنیہ کے کارپردازوں نے اس کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا کیونکہ اس نے ترکی علماء پر یہ الزام رکھا تھا کہ ان کے اعمال و افعال نے شرعی تعلیم کو بالکل بیکار کر دیا ہے۔ چنانچہ ترکی باشندے اپنی برائیوں کی وجہ سے کافروں سے بھی بدتر ہیں۔ لہٰذا عبدالوہاب کو شہر بہ شہر خارج ہونا پڑا۔ آخرالامر اس نے درایہ کے سردار محمد ابن سعود کے ہاں پناہ لی اور اسے اپنے دینی عقائد اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے بعد سردار مذکور کو اس کے گناہوں پر ملامت کی۔ یوں بہت جلد کئی ایک برائیاں دور کرنا ان کے لئے مقدر ہو گئیں۔ اپنے نئے مرید سے مل کر جس کی بیٹی سے عبدالوہاب نے شادی کر لی تھی۔ اس نے ایک مختصر سی عرب لیگ کی بنیاد رکھی اور قسطنطنیہ کی حکومت کی غلط کاریوں کے خلاف احتجاج اور بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ اب انہیں فتح پر فتح ہو رہی تھی اور وہ بدوی بھی جنہوں نے کبھی بھی محمدؐ کو رسول نہ جانا اور قرآن کو خدا کا کلام نہ سمجھا تھا ان کے اصلاحی جھنڈے کے نیچے آجمع ہوئے۔ نجد کا بہت سا حصہ فتح ہو گیا۔ عبدالوہاب اس کا روحانی پیشوا تھا اور اس کا خسر محمد ابن سعود دنیاوی حاکم۔ انہوں نے مطیع شدہ صوبجات میں اپنے نائب مقرر کئے اور ان کو سختی کے ساتھ اپنا اطاعت گزار بنائے رکھا۔ سعودی قوم کا جرگہ امن کے زمانہ میں قانونی اور دینی امور سرانجام دیتا لیکن جنگ کے زمانہ میں ایک جنگی کونسل کی حیثیت اختیار کر لیتا۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد اس نئی سلطنت نے نہایت دلیری سے ترکی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ 1848ء میں بغداد کا پاشا جو کبھی وزیراعظم رہ چکا تھا اس تحریک کے خلاف عملی قدم اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ کیونکہ یہ تحریک آخرکار خلیفوں کے نااہل جانشینوں کو باب عالی سے نکال دیتی اور ایک نئی مسلمان سلطنت کی بنیاد رکھتی۔

ان مصلحین نے اپنے آپ کو سول حکومت میں ہر جگہ ایسا ہی قابل ثابت کیا جیسا کہ لڑائی میں فاتحین کی حیثیت سے۔ انہوں نے خانہ بدوش عربوں کو جن پر انکی قوت کا دارومدار تھا۔ ایک مستحکم وفاق میں جکڑ دیا۔ زکوٰۃ کا باقاعدہ انتظام کیا۔ جنگ کے زمانے میں مال غنیمت کا 4/5 حصہ تو سپاہیوں کو ملتا اور 1/5 حصہ بیت المال میں جمع ہوتا۔ مالگزاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کو قرآن میں خیرات کہا گیا ہے سختی کے ساتھ وصول کی جاتی تھی۔ وہ زمین جو بارش یا دریا سے سیراب ہوتی تھی اس پر سالانہ آمدنی کا دسواں حصہ مقرر کیا گیا اور وہ زمینیں جو مصنوعی طریقوں سے سیراب ہوتی تھیں۔ ان کی سالانہ آمدنی پر بیسواں حصہ مقرر ہوا۔ تمام تاجروں کو اپنے اصل سرمایہ کا اڑھائی فیصدی دینا پڑتا تھا۔ باغی اور تفرقہ انداز شہر اور صوبے بھی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ تھے۔ پہلی بغاوت کی سزا عام لوٹ مار تھی جس کا پانچواں حصہ بیت المال میں جاتا تھا۔ دوسری بغاوت یا ارتداد پر وہ تمام زمین جس پر شہر بسا ہوا ہو اور اس کے اردگرد کی تمام زمین جو اس شہر سے متعلق ہو۔ وہابی سردار کی ملکیت ہو جاتی۔ چنانچہ مصلحین کی یہ جماعت قدرتاً" ایک جنگجو فرقہ تھا اور نہایت دلیری کے ساتھ اپنے عقائد کو تلوار کے ساتھ منواتا تھا۔ اس لئے یہ آمدنی کا نہایت ہی قیمتی ذریعہ تھا جو ہر سال دو یا تین لڑائیوں کے ذریعہ حاصل کرلی جاتی۔

وہ عقائد جن کو انہوں نے اس طرح خون کے ساتھ لکھا بذات خود نہایت شریفانہ تھے۔ سب سے پہلے جس چیز کو انہوں نے اہمیت دی وہ اخلاق کی عملی اصلاح تھی۔ ترکوں نے اپنی ذلیل شہوت پرستی کو مقدس شہروں میں پھیلا دیا تھا۔ جو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے پر بھی قناعت نہ کرتے۔ ترکی کی بدمعاشی کا افسانہ کوئی نئی چیز نہیں اور نہ عجیب۔ وہ اس سے بھی زیادہ بداخلاقیوں کے عادی ہو چکے تھے۔ ایسی عادتیں جن کو قرآن نے قطعاً" ناجائز قرار دیا ہے۔ وہ مقدس شہر میں شراب کا نہایت ہی نفرت انگریز منظر پیش کرتے تھے یہی وہ عملی اور ظاہری بے حرمتیاں تھیں جن کے خلاف عبدالوہابؒ نے سب سے پہلے آواز اٹھائی مگر آہستہ آہستہ یہ ایک دینی فرقہ بن گیا۔ جو وہابیت کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ ہندوستانی فرقہ کا بھی بڑی حد تک یہی عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق محمد رسول اللہ ﷺ کا دین سچی خداپرستی کا دین ہو گیا۔ اس کے سات بڑے بڑے اصول ہیں۔ اوّل خدائے واحد پر کلی اعتماد رکھنا۔ دوسرے خدا اور اس کے بندے کے درمیان کسی واسطے سے قطعی انکار۔ تیسرے ہر شخص کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بذات خود قرآن کی تاویلات کرے اور علماء سو کی تمام تاویلات کو رد کرے۔ چوتھے ان تمام طریقوں' مراسم اور ریاکاریوں سے قطعی پرہیز کرنا جن کو گزشتہ اور موجودہ مسلمانوں نے صاف اور سچے مذہب پر ایزاد کیا۔ پانچویں ہمیشہ اس امام کی تلاش میں رہنا جو سچے مسلمانوں کی تمام کفار کے خلاف فاتحانہ رہنمائی کرے گا۔ چھٹے ہر وقت علمی اور عملی طور پر جہاد کی ضرورت کو مدنظر رکھنا۔ ساتویں روحانی راہنما کی مکمل اطاعت۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہابی اصل میں سنیوں کی ایک ترقی یافتہ جماعت کا نام ہے۔ شمال مغربی صوبجات اور بنگال کے تقریباً" تمام مسلمان سنی ہیں[1]۔

عبدالوہاب" کا انتقال 1787ء میں ہوا۔ اور وہ اپنی تمام فتوحات کو ایک قابل جانشین کے سپرد کر گیا۔ 1791ء میں وہابیوں نے شریف مکہ کے خلاف ایک کامیاب جنگ کی۔ 1797ء میں انہوں نے بغداد کے پاشا کو بہت خونریزی کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اور ایشیائی ترکی کے بہت سے زرخیز صوبجات پر قابض ہو گئے۔ 1801ء میں انہوں نے ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی اور 1803ء میں اس مقدس شہر کو فتح کر لیا۔ اسلام کے ان دو مستحکم مراکز میں مصلحین نے ہر اس باشندے کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس نے ان کے طریقے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ مسلمان بزرگوں کی خانقاہوں کو لوٹا اور بے حرمت کیا۔ حتیٰ کہ مسجد نبویؐ تک کو بھی نہ چھوڑا۔ جہاں اسلام کے ہر دیندار بادشاہ یا شہنشاہ نے اپنے ملک کے بہترین تحائف نذر و نیاز کے طور پر بھیج رکھے تھے۔ اس طرح گیارہ صدیوں کی جمع شدہ نذر و نیاز صحرائی فرقہ بندوں کے کیمپ میں پہنچ گئی۔

اس واقعہ سے جو اضطراب اسلامی دنیا میں پھیلا اس کا اندازہ اس پریشانی سے کیا جا سکتا ہے جو عیسائی دنیا کو اس وقت ہوئی جبکہ انکو یہ بتلایا گیا تھا کہ برابورن لٹیروں نے پاپائے روم کے محل کا محاصرہ کر لیا ہے اور خود پاپائے اعظم سینٹ اینجل میں قید ہیں۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی عبادت گاہ کو صرف لوٹا ہی نہیں گیا بلکہ ان مسلح فرقہ پرستوں نے اس کی سخت بے حرمتی کی تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ کے روضہ اطہر کو نقصان پہنچایا گیا تھا۔ پھر حج کا راستہ بھی جو مسلمانوں کی فلاح کا ذریعہ ہے بند کر دیا۔ قسطنطنیہ کی مرمرین مسجد آیاصوفیہ سے لے کر چین کے دور دراز علاقہ کی کچی مسجد تک مسلمانوں کی ہر عبادت گاہ نالہ و شیون سے گونج اٹھی۔ بعض شیعوں نے تو یہاں تک اعلان کر دیا کہ بارہویں امام

---

[1] سنی تقریباً" سارے حنفی ہیں اور بہت تھوڑے شافعی"۔ حنفی امام ابوحنیفہؒ کے پیرو ہیں۔ جو 80ھ مطابق 699ء میں پیدا ہوئے اور 150 مطابق 767ھ میں وفات پا گئے۔ وہ پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں اور نماز کے وقت ناف پر ہاتھ باندھتے ہیں اور رکوع کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کانوں تک نہیں اٹھاتے اور نماز کے بعد آمین آہستہ کہتے ہیں۔ شافعیوں کا نام بھی ان کے امام ابوعبداللہ شافعی کے نام پر ہے جو 150ھ مطابق 767ء میں پیدا ہوئے اور 307ھ مطابق 1920ء فوت ہوئے وہ نماز کے وقت اپنے ہاتھ سینے پر باندھتے ہیں اور جب رکوع کرتے ہیں تو ہاتھوں کو سر سے اوپر اٹھاتے ہیں اور آمین بالجہر کہتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ظاہر ہونے کا وقت آپہنچا ہے۔ مگر پرانی وضع کے دیندار مسلمانوں کا یہ قطعی فیصلہ تھا کہ وہ جھوٹا پیغمبر یعنی دجال جس کے متعلق آنحضرتؐ نے پیشگوئی فرمائی تھی زمین پر نازل ہو گیا ہے۔ گویا اب قیامت آیا ہی چاہتی ہے۔

1803ء سے 1809ء تک نماز روزہ کی مخالفت کی بنا پر کوئی قابل ذکر قافلہ حج کی غرض سے صحرا سے نہ گزرا۔ وہابیوں نے شام فتح کرتے ہوئے خلیج فارس میں انگریزوں سے بھی جنگ کی اور قسطنطنیہ تک کو خطرہ میں ڈال دیا۔ آخر کار محمد علی پاشا والی مصر مصلحین کو تباہ و برباد کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ 1812ء میں تھومس کیتھ نے جو سکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا پاشا کے لڑکے کے ماتحت مدینہ شریف پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ 1813ء میں مکہ **معظمہ** پر بھی قبضہ ہو گیا اور اس کے پانچ سال بعد یہ عظیم الشان سلطنت جس معجزانہ طور پر منصہ شہود پر آئی تھی۔ اسی معجزانہ طور پر ریت کے صحرائی ٹیلوں کی طرح غائب ہو گئی۔

وہابی جو اب خانماں برباد اور منتشر ہو چکے ہیں ایسے عقائد کے حامل ہیں جن کو خوشحال مسلمان نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے متعلق اعتقاد رکھنے کے بارے میں یہ اس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جو خدائے واحد کے پرستار ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ میں خدائی صفات کے منکر ہیں۔ ان کے نام پر عبادت کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اور ان بزرگوں کے نام پر نذر و نیاز دینے کو برا سمجھتے ہیں جن کا انتقال ہو چکا ہے۔

بہرحال ان کی قوت کا راز ان کے اخلاص اور عملی دینی تعلیم میں مضمر ہے وہ اعلانیہ اس بات پر مصر تھے کہ ہمیں آغاز اسلام کے مسلمانوں کے عقائد' ان کے سیدھے سادے اطوار اور ان کے اخلاق کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ تبلیغ اسلام میں ان کے عزم کا پیرو کار۔ خواہ اس میں کتنے ہی کفار کا خون کیوں نہ بہے یا خود ان کو کتنی ہی جانوں کی قربانی کیوں نہ کرنی پڑے۔ ان کے دو بڑے اصول یہ ہیں۔ خدا کی وحدانیت اور دوسرے اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں فنا کر دینا۔ (بیخودی) وہ اس رواداری کو بہت برا سمجھتے ہیں جن کو اسلامی سلطنتوں نے اپنی اندرونی ضروریات اور خارجی تعلقات کے مطابق رواج دیا ہے۔ وہ ہر ایک مسلمان سے خدا کی مرضی کے سامنے کامل اطاعت چاہتے ہیں۔ (اسلام) اور یہی بانی اسلام کی کامیابی کا راز ہے۔ مگر دیگر اصلاحی جماعتوں کی طرح ہمیشہ اس اصل الاصول پر زور دیتے ہوئے انہوں نے اپنی تحریک کو عالموں میں اپنے موحدانہ اعتقاد کی وجہ سے اور عوام میں دیرینہ رواج اور مقدس روایات کی مخالفت کی وجہ سے کمزور کر دیا ہے۔ ایشیا کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت سے حصوں میں ایک وہابی کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ دیگر مسلمانوں سے علیحدہ ہو جائے۔ اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی محبوب روایات اپنے مذہبی تہوار اور اپنے مقدس اعتقادات کو چھوڑ دے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے باپ کی قبر پر فاتحہ خوانی کی عادت بھی چھوڑ دے جو اس کیلئے باعث تسکین خاطر تھی۔ بہرحال ہندوستان کے وہابی مسلمانوں میں ایسے اصول کی اشاعت کرتے ہیں جس کی سختی ان تمام تکالیف کو نرم کر دیتی ہے۔ سید احمدؒ صاحب جب مکہ ہی میں تھے تو حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی تھی کہ سید احمدؒ صاحب کے عقائد بھی ان صحرائی بدوؤں کی جماعت کے مطابق ہیں جن کی وجہ سے مقدس مقامات کو ایسے ایسے نقصانات اٹھانا پڑے۔ پہلے جو چیز ان کی نظر میں محض خواب و خیال تھی۔ اب وہ ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی۔ جس میں انہوں نے اپنے اپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریز کافروں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا۔ پہلے جو کچھ ان کی تعلیم میں ابہام تھا۔ اب اس نے خوفناک اور باقاعدہ مذہب کی شکل اختیار کر لی۔ جس سے عبدالوہابؒ نے عرب میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی تھی اور جس سے سید احمدؒ صاحب کو امید تھی کہ وہ ہندوستان میں اس سے بھی زیادہ عظیم الشان اور پائیدار سلطنت قائم کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

امام صاحبؒ کی اندرونی کیفیات میں جو تبدیلیاں ہوئیں۔ ان کا علم ان کو یا صرف خدا کو ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ظاہری عادات بالکل بدل گئیں۔ اور ان کی زندگی کا مقصد صرف مرید بنانا ہی نہ تھا بلکہ اس مقصد اصلی کو پورا کرنے کے لئے یہ محض ایک ابتدائی ذریعہ تھا۔ بمبئی میں جہاں وہ سب سے پہلے جہاز سے اترے ان لوگوں کی کثرت بھی جو ان کا وعظ سننے آتے یا مرید ہونا چاہتے تھے ان کو زیادہ دیر تک ٹھہرنے کے لئے مجبور نہ کر سکی۔ وہ جہاں کہیں بھی گئے اس سے زیادہ کامیابی حاصل کی جتنی کہ مکہ معظمہ کے سفر سے پہلے کی تھی۔ بایں ہمہ وہ ان پرامن اضلاع میں اپنی واعظانہ سرگرمیوں کو حقارت آمیز بے صبری سے دیکھتے معلوم ہوتا ہے اب ان کی نگاہ ہر وقت سرحد کی دور دراز جنگجو آبادی پر لگی رہتی تھی۔ ان کی آئندہ زندگی کو ہم اپنے پہلے

اے یہاں پر اور اس کے بعد میں نے اپنے مضمون مندرجہ انڈین ڈیلی نیوز 1866ء سے مدد لی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب میں اچھی طرح بیان کر چکے ہیں۔ اب ہمیں اس مجموعہ قوانین کا حال مختصراً بیان کرنا ہے جو ان کے پیروؤں نے ان کی تعلیم سے اخذ کیا اور جس کی وجہ سے انہوں نے ہندوستان میں ایک ایسا مذہبی انقلاب برپا کر دیا جس کی مثال اس کی گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی یہی انقلاب ہے جس نے پچاس سال سے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی روح کو دبنے نہیں دیا۔

سب سے پہلی مصیبت جو ہندوستان کے وہابیوں کو پیش آئی وہ ان کے امام کا غائب ہو جانا تھا۔ ان کی وفات نے ان کی اس امید کو خاک میں ملا دیا کہ وہ خود بنفس نفیس ایمانداروں کی فتح و نصرت کی طرف رہنمائی کریں گے اس غیر اختیاری واقعہ کی تاویل بھی جماعت کے نئے اصولوں کے مطابق کسی نہ کسی طرح ہوتی رہی۔ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے قریب بہت سی جنگیں اور بغاوتیں ہوں گی۔ نئی نئی اخلاقی جماعتیں پیدا ہوں گی۔ حقیر آدمی باعزت جگہوں پر قابض ہو جائیں گے۔ زلزلے آئیں گے۔ وبائیں پھیلیں گی۔ قحط عام ہو جائے گا۔ آخرالامر امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ وہ آل رسول اللہ ﷺ میں سے ہوں گے۔ اور ان کا نام بھی محمد ہوگا۔ ان کی پیدائش پنجاب کے شمال مغربی سرحد کے پار ہوگی اور وہ اپنی زندگی کے کچھ سال انسانوں کی نظروں سے چھپے رہیں گے۔ آخر کار وہ عرب کے بادشاہ بن جائیں گے اور قسطنطنیہ کو دوبارہ فتح کر لیں گے جو اس وقت عیسائی حکمرانوں کے قبضہ میں ہوگا۔ اس وقت دجال پیدا ہوگا۔ اور امام کے خلاف ایک جنگ کرے گا۔ تا آنکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرق میں ایک سفید مینار کے قریب زمین پر نازل ہوں۔ وہ سرکشوں کو تباہ و برباد کر دیں گے اور تمام دنیا کو آنحضرت ﷺ کے سچے مذہب کے دائرے میں لے آئیں گے۔

ہندوستانی وہابیوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ سید احمدؒ صاحب ہی وہ بڑے امام ہیں جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تشریف لانا ہے مگر جن حالات میں ان کی زندگی ختم ہوئی اس کی حق و باطل کی جنگ کے عام عقیدہ کے ساتھ کسی طرح بھی مطابقت پیدا نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے انہوں نے عام عقیدہ کی مخالفت کی اور اس بات پر زور دیا کہ امام مہدی قیامت کے نزدیک تشریف نہیں لائیں گے بلکہ آنحضرت کی وفات اور قیامت کے درمیانی زمانہ میں ایک مصلح کی حیثیت سے ظاہر ہوں گے۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ ان میں موجودہ امام کی تمام نشانیاں (یہ لفظ عیسائیوں کی تاریخ سے لیا گیا ہے) پائی جاتی ہیں۔ انہوں نے بہت سی مستند کتابوں کے حوالے دے کر ثابت کیا کہ تیرہویں صدی ہجری مطابق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1786-1787ء میں امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ سید احمد صاحب 1786ء میں پیدا ہوئے تھے۔ گو مصلحین شیعوں کو بہت برا سمجھتے تھے لیکن پھر بھی ان کے علماء کو کام میں لایا گیا تھا۔ شیعہ علماء نے سنیوں سے زیادہ صحیح وقت مقرر کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ظہور امام کا وقت 1260ھ مطابق 1844ء تھا۔ کیا یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے کہ جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ جھنڈے آتے دیکھو۔ تو ان کے ساتھ مل جاؤ۔ کیونکہ ان کے ساتھ خدا کا خلیفہ اور ایلچی ہوگا۔ ہندوستان پر عیسائی حکومت کا غلبہ اور زمانہ کی دیگر سینکڑوں علامات اس پر آفت زمانہ کی اطلاع دے رہی ہیں جو ان کے ظہور کا پیش خیمہ ہوں گی۔ اس میں زیادہ قوت پیدا کرنے کے لئے جعلی پیش گوئیاں بنائی گئیں۔ ان میں سے چند اشعار جو ایک طویل نظم میں سے لئے گئے ہیں اور آج تک شمالی ہندوستان میں پڑھی جاتی ہے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:-

میں خدا کو دیکھتا ہوں اور دنیا میں ہر طرف مصیبت ہی مصیبت دیکھتا ہوں۔ میں رذیلوں کو بے فائدہ علم حاصل کرنے اور بزرگی کی قبا پہنتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

میں نیکی کو کم اور تکبر کو زیادہ ہوتے دیکھتا ہوں۔

میں ترکوں اور ایرانیوں میں جنگ و جدل دیکھتا ہوں۔

میں سبزہ زاروں کو نیکوں سے خالی اور بدوں سے آباد دیکھتا ہوں۔

میں یہ سب کچھ دیکھتا ہوں مگر مایوس نہیں ہوں کیونکہ میں مصیبتوں کے رفع کرنے والے کو دیکھتا ہوں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ جب 1200[1] سال گزر جائیں گے تو عجیب و غریب واقعات رونما ہوں گے۔

دنیا کے تمام بادشاہوں کو ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ میں ہندوؤں کو خراب و خستہ اور ترکوں کو مظلوم دیکھ رہا ہوں۔

اس وقت ایک امام کا ظہور ہوگا جو تمام دنیا پر حکومت کرے گا۔

میں دیکھتا ہوں اور پڑھتا ہوں (ا' ح' م' د[2]) یہ حروف حاکم کے نام کو ظاہر کرتے ہیں۔

---

[1] اصل نظم میں 750 تھا۔ لیکن سید احمد صاحب کی وفات کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کیلئے اس کو 1200 کر دیا گیا تھا۔ کلکتہ ریویو جلد 5 ص 100 جہاں سے میں نے یہ نظم لی ہے۔

[2] اصل نظم میں م۔ ح۔ م۔ د (محمد) تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور مروجہ پیش گوئی

مولانا نعمت اللہ کی پیش گوئی۔ نور اللہ مرقدہ۔
میں یہ سچ کہتا ہوں کہ ایک بادشاہ ہوگا۔
اس کا نام تیمور ہوگا اور وہ 30 سال حکمرانی کرے گا۔
یہاں پر مسلسل مغل بادشاہوں کے نام آتے ہیں جو شاہ جہاں کی اولاد کے آخری بادشاہ تک ہیں۔
اس کے بعد ایک اور بادشاہ ہوگا۔
نادر ہندوستان پر حملہ کرے گا۔
اس کی تلوار سے دہلی میں قتل عام ہوگا۔
اس کے بعد احمد شاہ حملہ کرے گا۔
اور وہ پہلے خاندان کو تباہ کر دے گا۔
اس بادشاہ کے مرنے کے بعد
پہلے خاندان سے ایک بادشاہ دوبارہ تخت نشین ہوگا۔
اس وقت سکھ قوم طاقتور ہو جائے گی اور ہر قسم کا ظلم روا رکھے گی اور چالیس سال تک یونہی ہوتا رہے گا۔
پھر نصرانی تمام ہندوستان پر قابض ہو جائیں گے۔
وہ ایک سو سال تک ملک پر حکمرانی کریں گے
ان کے زمانے میں تمام دنیا میں بہت ظلم ہوگا۔
ان کو تباہ کرنے کے لئے مغرب میں ایک بادشاہ ہوگا۔
یہ بادشاہ نصرانیوں کے خلاف اعلان جنگ کرے گا۔
اس لڑائی میں بہت سے انسان قتل ہوں گے۔
اور مغرب کا بادشاہ تلوار کے ذریعے اس جہاد میں کامیاب ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں کو شکست ہوگی۔
پھر اسلام کا غلبہ چالیس سال تک رہے گا۔
پھر ایک بے دین قوم اصفہان سے نمودار ہوگی۔
ان ظالموں کو تباہ کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور مہدی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موعود کا ظہور ہوگا۔

اور یہ سب کچھ دنیا کے خاتمے کے قریب ہوگا

یہ نظم 750ھ میں لکھی گئی:-

1276ھ میں مغرب میں یہ بادشاہ ظاہر ہوگا۔

نعمت اللہ خدا کے رازوں کو جانتا ہے۔

اس کی پیش گوئی انسانوں کے سامنے پوری ہوگی۔

ہندوستانی وہابیوں نے اپنے امام کی تبلیغ دین کو منجانب اللہ ثابت کرنے کے بعد تمام معمولی مسائل کو چھوڑ کر اپنی توجہ جہاد کے اہم اصول کی طرف مبذول کر دی۔ اس فرقے کے تمام مذہبی ادب میں اس شخص کے لئے جو ان کے اصلاحی عقائد پر ایمان لا چکا ہو۔ اسی فرض کی بجا آوری سب سے مقدم ہے۔ ان کی ابتدائی کتابوں میں شریعت کے اس قانون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ جہاد ایک بہت بڑے امام کا کام ہے۔ جس طرح بارش سے انسان' حیوان' نباتات سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح کافروں کے خلاف جہاد سے تمام آدمی مستفید ہوتے ہیں۔ اس کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو عام فائدہ جس سے تمام انسان حتیٰ کہ بت پرست' کفار' حیوانات اور نباتات بھی فائدہ اٹھا سکتے ہین اور دوسرا خاص فائدہ ہے جس سے خاص خاص جماعتیں فائدہ اٹھاتی ہیں اور وہ بھی مختلف مقدار میں۔ عام فوائد یہ ہیں۔ خدا کی رحمتیں مثلاً" فصلوں کے وقت بارش کا خوب ہونا۔ غلے کا زیادہ مقدار میں پیدا ہونا۔ اچھے زمانہ کا ہونا جس میں انسان ہر قسم کی مصیبتوں سے آزاد ہوتا ہے۔ جائیدادوں کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ اہل علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ عدالتیں انصاف کرتی ہیں۔ مدعی دلیر اور دولتمند سخی ہو جاتے ہیں۔ ان تمام برکات میں سو فیصدی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ دین اسلام کی عزت کو دوبالا کیا جائے اور مسلمان بادشاہ طاقتور فوج کے ساتھ سربلند ہو کر اور تمام ملکوں میں اسلامی شریعت کو رواج دینے پر قادر ہو جائے۔ اب جہاں تک خدائی رحمتوں کا تعلق ہے ملک ہندوستان کا مقابلہ ترکی یا ترکستان سے کرو۔ بھی نہیں بلکہ 1233ھ مطابق 1818ء کے ہندوستان کی حالت کا جب اس کا بہت سا حصہ کفار کے قبضہ میں چلا گیا تھا (دارالحرب) مقابلہ دو یا تین صدی پہلے سے کرو۔ اور اس وقت خدا کی جو رحمتیں نازل تھیں اور اس وقت کے عالموں کی تعداد کا مقابلہ اس وقت کی حالت اور عالموں کی تعداد سے کرنا چاہئے۔

ان کی مشہور نظموں میں بھی یہی روح کام کر رہی ہے۔ ہماری سرحد پر باغی کیمپ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجاہد صبح و شام اس قسم کے ترانے کی لے میں قواعد سیکھتے ہیں۔ اور رنگروٹوں کی وہ کمپنیاں جو ہمارے علاقہ سے بھرتی کی جاتی ہیں۔ شمال کی طرف جاتے ہوئے برطانوی شاہراہوں پر یہی نظمیں گاتی جاتی ہیں۔

"سب سے پہلے میں خدا کی حمد بیان کرتا ہوں جو تمام تعریفوں سے بالاتر ہے۔ میں اس کے رسول کی ستائش کرتا ہوں اور جہاد پر نظم لکھتا ہوں۔

جہاد وہ جنگ ہے جو محض دین کے لئے لڑی جاتی ہے۔ نہ کہ طاقت و اقتدار حاصل کرنے کے لئے۔ مقدس کتابوں میں اس کی بہت تعریف لکھی ہے ان میں سے چند بیان کرتا ہوں۔

کافروں سے جہاد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور ہر کام سے پہلے اس کے لئے انتظام کرنا چاہئے۔

وہ شخص جو صدق دل سے اس کام میں ایک پیسہ بھی دیتا ہے وہ آخرت میں سات سو گنا پائے گا اور وہ جو خرچ بھی کرتا ہے اور خود بھی شریک ہوتا ہے۔ وہ خدا سے سات ہزار گنا پائے گا۔ اس کی اولاد کو عذاب قبر سے خوف نہ کرنا چاہئے۔ نہ قیامت سے اور نہ ہی روز جزا سے۔ بزدل نہ بن۔ خدا کے بھیجے ہوئے امام کا ساتھ دے اور کافروں کو تباہ کر۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ تیرہویں صدی ہجری میں ایک امام آیا۔[1]

اے میرے دوست جب ایک دن مرنا ہی ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ خدا کی راہ میں جان دیجائے۔ ہزاروں آدمی جنگ میں جاتے ہیں اور صحیح سلامت واپس آتے ہیں اور ہزاروں ہیں کہ گھر میں رہتے ہیں اور مرجاتے ہیں۔

تو دنیا کے دھندوں میں پھنس گیا ہے اور بیوی بچوں کے خیال میں خدا کو بھول گیا ہے۔ تو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کتنی مدت رہ سکے گا اور موت سے کب تک بچا رہے گا۔ اگر تو دنیا کو خدا کے لئے چھوڑے گا تو ہمیشہ جنت کے مزے لوٹے گا۔ ہندوستان کے کونے کونے میں اسلام پھیلا دے تاکہ اللہ اللہ کی آواز کے سوائے اور کوئی آواز سنائی نہ دے۔

انگریزوں کے خلاف ضرورت جہاد پر اگر وہابیوں کی نظم و نثر کی مختصر سے مختصر کیفیت بھی لکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے لئے ایک دفتر چاہئے اس جماعت نے بہت سا

---

[1] مطابق 1886ء - 1786ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادب پیدا کر دیا ہے جو انگریزی حکومت کے زوال کی پیش گوئیوں سے پر اور ضرورت جہاد کے لئے وقف ہے۔ ان کتابوں کے محض نام ہی سے ان کے تمام و کمال باغیانہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ میں ذیل میں چودہ کتابوں کی فہرست دیتا ہوں[1]۔ بعض تو ان میں سے حد سے زیادہ اشتعال انگیز ہیں اور مسودات کی صورت میں رازداری کے ساتھ ایک دوسرے تک پہنچائی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض کی اشاعت بہت زیادہ کی گئی ہے اور ان کا زہر بلا اثر ان کے پڑھنے والوں تک ہی محدود نہیں بلکہ مبلغین کے اس گروہ کے ساتھ ساتھ جن میں تبلیغ دین کی مہم پر جانے سے پہلے باغیانہ روح پھونک دی جاتی ہے۔ بنگال کے ہر ضلع تک پہنچتا ہے۔

---

[1] صراط مستقیم: یہ امام سید احمدؒ امیرالمومنین کے ملفوظات ہیں۔ مولوی محمد اسماعیلؒ دہلوی نے اس کو فارسی زبان میں لکھا اور مولی عبدالجبارؒ کانپوری نے اردو میں ترجمہ کیا۔
صراط مستقیم از مولینا محمد اسمٰعیل شہید تصحیح عبدالرحمٰن صفی پوری و محمد علی رامپوری 1822ء میں کلکتہ میں چھپی اور سید صاحب بغرض جہاد 1825ء 1241ھ کی ابتدا میں سرحد کی طرف روانہ ہوئے اور 24 ذیقعد 1830ء 1246ھ کو شہادت پاتے ہیں۔ اس حساب سے یہ کتاب جہادی مہم سے تین سال قبل چھپی۔ سید صاحبؒ کی مہم صریحاً" سکھوں کے خلاف تھی۔

[2] قصیدہ: یہ ایک نظم ہے جس میں جہاد کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور ان لوگوں کے لئے اجر بیان کیا گیا ہے جو اس میں حصہ لیں گے۔ مصنفہ مولوی خرم علی بلہوری۔

[3] شرح وقایہ۔ کافروں کے خلاف جہاد پر بحث ہے۔ (احناف کی پرانی درسی کتاب ہے وہابی جماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں) اس میں مجاہدین کے متعلق اور کن کن سے جہاد کرنا چاہئے کے متعلق پوری ہدایات موجود ہیں اس میں بہرحال اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جہاد اس وقت کرنا چاہئے جبکہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو۔

4- منظوم پیشگوئی: نعمت اللہ! یہ انگریزی حکومت کے زوال کی پیشگوئی ہے اور اس میں ایک مغربی بادشاہ کی آمد کا بیان ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کو انگریزوں کے پنجے سے رہائی دلائے گا۔ (وہابیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں)

5- تاریخ قیاصر روم مصباح الیسر: یہ عبدالوہابؒ بانی جماعت کی سوانح عمری ہے۔ اس پر مظالم۔ اس کی جنگ ترکی' مرتدین کے خلاف وغیرہ درج ہیں (مسودہ)

6- آثار محشر۔ یعنی قیامت کی نشانیاں مصنفہ مولوی محمد علی مطبوعہ 1265ھ مطابق 1849ء) اس منظوم کتاب کی بہت اشاعت کی گئی ہے۔ یہ کتاب 1252ھ میں لکھی گئی تھی اس میں انگریزوں کی مخالفت میں اشعار ہیں) یہ پنجاب کی سرحد پر ایک جنگ کی پیش گوئی ہے۔ جہاں پر انگریز پہلے پہل مسلمانوں کو شکست دیں گے۔ اس پر مسلمان ایک سچے امام کی تلاش کریں گے۔ پھر ایک جنگ ہوگی جو چار دن تک رہے گی۔ جس کا انجام انگریزوں کی مکمل تباہی ہوگا۔ یہاں تک کہ حکومت کی بو بھی ان کے دل و دماغ سے نکل جائے گی۔ اس کے بعد امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ اور اب کے مسلمان ہندوستان کے حکمران ہوں گے تو وہ جوق درجوق مکہ معظمہ میں ان سے جا ملیں گے۔ یہ واقعات اس وقت رونما ہوں گے جبکہ چاند اور سورج دونوں رمضان المبارک کے مہینے میں گرہن ہوں گے۔

7- تقویۃ الایمان یعنی استحکام دین۔ مصنفہ مولوی محمد اسماعیل دہلویؒ جہاد کا ذکر نہیں)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں سے اکثر کتابیں تو اعلانیہ برطانوی ہندوستان کے بازاروں میں فروخت ہوتی ہیں۔ کتاب جتنی زیادہ سخت اور باغیانہ ہو اتنی ہی عوام میں زیادہ مقبول ہوگی۔ لیکن یہ اشتعال انگیز لٹریچر تو اس مستقل چہارگانہ تنظیم کا ایک حصہ ہے۔ جو وہابی لیڈروں نے بغاوت پھیلانے کے لئے قائم کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ سب سے مقدم پٹنہ کا مرکزی دارالاشاعت ہے۔ (پروپیگنڈا) جس نے کچھ مدت کے لئے اس شہر میں انگریزی حکام کا مقابلہ کیا تھا اور جو سرکاری مقدمات کی وجہ سے اب بہت کمزور ہو گیا ہے لیکن پھر بھی تمام بنگال میں کافی اثر رکھتا ہے۔ 1821ء میں امام صاحب نے اپنے خلفاء کو منتخب کرتے وقت ایسے آدمیوں کا انتخاب کیا جو بے پناہ جوش و خروش کے مالک اور بہت ہی مستقل مزاج تھے ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس کس طرح متعدد بار جب یہ تحریک تباہ ہونے کے قریب

۱ہ 9- نصیحت المسلمین۔ مسلمانوں کو نصیحت۔ مولوی خرم علی بلہوری۔ اس تالیف میں آیات قرآنی کا ترجمہ اردو زبان میں فرض مذمت شرک دیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ بندہ خرم کے دل میں آیا کہ اس شرک کی برائی قرآن شریف سے ثابت کیجئے اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کیجئے تاکہ ہر ایک کو فائدہ عام ہو۔ جہاد کا ذکر نہیں۔

10- ہدایت المومنین۔ مصنفہ اولاد حسین۔ ایک رسالہ ہدایت المومین اور تصنیف مولانا حسن قنوجی سے ہے۔ اولاد حسین نواب صدیق حسن خاں والی بھوپال کے والد کا نام تھا۔ جو پہلے شیعہ تھے اور سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے جماعت اہل حدیث میں شامل ہوگئے۔ اور گھر کی لاکھوں کی جائیداد سے ہاتھ اٹھا لیا۔ قنوج کے رہنے والے تھے۔ ممکن ہے کہ اولاد حسین اور حسن دو مختلف اشخاص ہوں۔

11- تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین۔ آنکھوں کی روشنی۔ عربی میں ہے۔ مصنفہ مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ

12- عبدالحامد۔ عربی میں ہے۔ ہم نے نہیں دیکھی۔

13- تنبیہہ الغافلین۔ تالیف سید احمد صاحب کا اردو ترجمہ نظم میں۔ از سید عبداللہ ابن بہادر علی۔

14- چہل حدیث۔ رسول اکرم ﷺ کی چالیس حدیثیں جہاد کے متعلق۔ نسیم جنت بزبان اردو۔ ترجمہ چہل حدیث نبوی۔

معلوم ہوتا ہے مصنف نے ان مین سے اکثر کتابیں نہیں دیکھی ہیں صرف اس جماعت کے علماء کی تصنیفات شمار کر دی ہیں۔ اور اپنی لاعلمی سے بعض غیر متعلق اور بعض قدیم درسی کتابیں بھی ساتھ ملا دیں۔ (مترجم)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ انہوں نے بار بار جہاد کے جھنڈے کو تباہی سے بچا کر از سرنو بلند کر دیا۔ پٹنہ کے خلفاء جو انتھک واعظ، خود اپنے آپ سے بے پرواہ، بے داغ زندگی بسر کرنے والے۔ انگریز کافروں کی حکومت کو تباہ کرنے میں ہمہ تن مصروف اور روپیہ اور رنگروٹ جمع کرنے کے لئے ایک مستقل نظام قائم کرنے میں نہایت چالاک تھے۔ وہ اپنی جماعت کے اراکین کا نمونہ اور ان کے لئے ایک مثال تھے۔ ان کی بہت سی تعلیم بے عیب تھی۔ اور یہ انہیں کا کام تھا کہ انہوں نے اپنے ہزاروں ہم وطنوں کو بہترین زندگی بسر کرنے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بہترین تصور پیدا کرنے کی ترغیب دی۔ مگر صرف اخلاقی نظام ہی ایک بہت بڑی جماعت کو آپس میں اکٹھا نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ اس نئی زندگی کے مذہبی پہلو نے بہت جلد اپنی طاقت کو کھونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اس تحریک کے ابتدائی لیڈروں کے ماتحت بھی اس میں کمزوری کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ اور خلفاء کو ہمیشہ اپنے سامعین کے دلوں میں کافروں کے خلاف نفرت کو بار بار مشتعل کرنے کی ضرورت پیش آتی رہی۔ پٹنہ کے مرکز تبلیغ نے اس کو صاف طور پر بھانپ لیا تھا اور وقت کی نئی ضروریات کے ساتھ اپنی تعلیم میں مطابقت پیدا کرتے رہے۔ انہوں نے بیدار شدہ ضمیر کی قوت کی دہشت انگیزیوں پر اعتماد کرنے کی بجائے اس سخت اور دائمی نفرت و حقارت کو ابھارے رکھا جو ہندوستانی مسلمان کو انگریزوں سے ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنی تعلیم کی بنیاد مسلمانوں کے قلوب کی اعلیٰ ترین قابلیتوں کے بجائے عوام کے تعصبی جوش و خروش پر رکھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ ان کو یہ ضرورت محسوس ہوتی گئی کہ اپنی تعلیم میں باغیانہ حصہ کو مضبوط تر کرتے رہیں۔ انہوں نے پٹنہ کے دارالاشاعت کو باغیوں اور غداروں کی قیام گاہ میں تبدیل کر دیا اور اس کے اردگرد دیواروں اور حجروں کی کئی ایک بھول بھلیاں بنائی ہوئی تھیں۔ جو خفیہ دروازوں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ غیر مشتبہ مقامات پر چھوٹے چھوٹے کمرے تیار کئے گئے جہاں وہ رازداری کے ساتھ مشورہ کرتے۔ پہلے خلفاء نے تو مجسٹریٹ کے وارنٹ گرفتاری کی مسلح ہو کر مدافعت کرنے کی دھمکی دی تھی لیکن ان کے جانشینوں نے اپنی حفاظت کا طریقہ اس سے کم خطرناک "پیچدار راستوں، کمروں اور باہر جانے کے راستوں کی شکل میں اختیار کیا۔ آخرکار جب حکومت نے اس سازشی ادارے کے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ کیا تو اس کو اس عمارت کا نقشہ حاصل کرنا پڑا گویا اسے ایک قلعہ بند شہر کے خلاف کارروائی کرنا ہے۔

ہر ایک ضلع کے مبلغین متعصب لوگوں کے گروہ دارالاشاعت میں بھیجتے ہیں ان میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اکثر کو جن کے جوش کو پٹنہ کے لیڈر اور بھی بھڑکا دیتے تھے چھوٹے گروہوں کی صورت میں سرحدی کیمپ کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔ ان میں سے زیادہ ہوشیار نوجوانوں کو زیادہ دیر تک زیر تربیت رکھنے کے لئے منتخب کیا جاتا تھا۔ اور جب وہ باغیانہ اصولوں سے اچھی طرح واقف ہو جاتے تھے تو ان کو ان کے صوبے کی طرف ایک واعظ یا مذہبی کتب فروش کی حیثیت سے واپس کر دیا جاتا۔

میں اس بات کے لئے بے قرار ہوں کہ پٹنہ کے خلیفوں کی تاریخ کا جو روشن پہلو ہے اس کو بھی منظر عام پر لایا جائے۔ بہترین اخلاقی نظام سے شروع کرتے ہوئے انہوں نے آہستہ آہستہ اپنی تعلیم کے اخلاقی پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اپنی لازوال پذیر تحریک کو انسانی دل کے بدترین جذبہ کو ابھار کر مضبوط کیا۔ میں اس کے بعد ان تربیت یافتہ مبلغین کا ایک وعظ مثال کے طور پر نقل کروں گا۔ یہ اس کی تعلیم کا ایک نمونہ ہے۔ جس سے ان مبلغین کی تربیت کی جاتی ہے۔ پٹنہ کا مرکز تبلیغ ہمیشہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو وہ کافروں کے ساتھ جہاد کریں یا اس لعنتی سرزمین سے ہجرت کر جائیں۔ کیونکہ کوئی سچا دیندار اپنی روح کو خراب کئے بغیر اس حکومت کا وفادار نہیں رہ سکتا۔ جو لوگ جہاد یا ہجرت سے منع کرتے ہیں وہ دل کے منافق ہیں۔

یہ سب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس ملک میں جہاں اسلام کے سوائے کوئی اور مذہب رائج ہو۔ وہاں اسلامی قوانین کو رواج نہیں دیا جا سکتا۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ آپس میں متحد ہو جائیں اور کفار کے خلاف جہاد کریں۔ جو لوگ جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے ان کو کسی اسلامی ملک کی طرف ہجرت کرنا چاہئے اس وقت ہندوستان سے ہجرت کرنا ایک ضروری فرض ہے جو کوئی اس سے انکار کرتا ہے اس کو صاف طور پر انکار کر دینا چاہئے کہ وہ عیش و عشرت کا بندہ ہے جو کوئی ایک دفعہ ہجرت کر جائے اور پھر واپس آجائے اس کو جان لینا چاہئے کہ اس کی تمام گزشتہ قربانیاں رائیگاں گئیں۔ اگر وہ ہندوسان میں مرجائے تو وہ نجات کا راستہ نہ پائے گا۔

القصہ یہ کہ اے برادران عزیز ہمیں اپنی حالت پر رونا چاہئے کہ خدا کا پیغمبر ہم سے اس بات پر ناراض ہے کہ ہم کفار کے ملک میں بستے ہیں جب خدا کا رسول ہی ہم سے ناراض ہے تو پھر ہم کو کون سی جائے پناہ مل سکتی ہے۔ جن لوگوں کو خدا نے ہمت دی ہے - ان کو ہجرت کی تیاری کرنی چاہئے کیونکہ ہر طرف سے آگ کے شعلے لپک رہے ہیں۔ اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم سچ بولتے ہیں تو ہمارا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور اگر ہم چپ رہتے ہیں تو ہمارا ایمان خراب ہو جاتا ہے[1]۔

باغیانہ لٹریچر اور پٹنہ کے مرکز تبلیغ کے علاوہ دیہاتی علاقوں میں اپنا مذہب پھیلانے کے لئے ایک باقاعدہ اور مستقل نظام تھا گو یہ مقامی مبلغین بعض دفعہ خطرناک آتش بیان ثابت ہوتے لیکن میرے لئے ناممکن ہے کہ میں ان کا نام ادب سے نہ لوں۔ ان میں سے اکثر خدا ترس نوجوان کی حیثیت سے زندگی شروع کرتے ہیں۔ اکثر اپنے اس مذہبی جوش کو آخر تک برقرار رکھتے ہیں جس میں ان زہریلے اصولوں کو جن کے ماتحت پٹنہ کے واعظین نے ان کی تربیت کی تھی شائبہ تک نہیں ہوتا۔

ایک مہذب انسان جو شہر کی گنجان آبادی میں رہتا ہے۔ اگر اس کے لئے سفر کرنا ممکن ہو تو وہ مال و اسباب اور ہم سفر رفیقوں کی ہمراہی میں باسہولت سفر طے کرے گا۔ لہٰذا اس کے لئے مبلغین کی آزادانہ زندگی اور ان کے سے یارومددگار سفر کا تصور ذرا مشکل ہوگا۔ ہم سب یہ محسوس کرتے ہیں کہ تنہائی میں روح کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ جنگلوں اور پہاڑوں پر اکیلا پا پیادہ سفر کرنے والا درویش گھروں میں رہنے والے لوگوں سے زیادہ اچھا اور بہتر سوچ سکتا ہے۔ جہاں تک میرا تجربہ ہے۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ایک وہابی مبلغ سب سے زیادہ روحانیت رکھنے والا' سب سے کم خودغرض اور بے لوث ہوگا۔ ہر انگریز اس بات پر محبت انگیز جذبہ کے ساتھ یقین رکھتا ہے۔ کہ جب اس کے اسلاف زیادہ خوش حال تھے تو ہم سے کہیں زیادہ وہ اپنی زندگی انگلستان کی کھلی فضاؤں میں بسر کرتے تھے۔ زندگی کے ستائے ہوئے انسان کے لئے بچپن کی کوئی یاد اگر دل خوش کن ہو سکتی ہے تو کھلی ہواؤں میں عیسائی قصہ کی تمثیل کا وہ نظارا ہے جس میں ایک قافلہ کسی تباہ کن شہر سے نکل کر بیت المقدس میں داخل ہو جاتا ہے۔

کھلی ہواؤں میں زندگی بسر کرنے کا یہ جذبہ زمانہ قدیم کے ہندوستان میں درجہ کمال کو پہنچ چکا تھا۔ یہاں کی آب و ہوا کی موافقت نے سرد ملک کے رہنے والے انسانوں کی طرح اپنے بچاؤ کے لئے مکانات کی تعمیر کو غیر ضروری بنا دیا ہے۔ سنسکرت کے قوانین زندگی کے مطابق اونچی ذات کے گھرانوں کے ہر ایک آدمی کے لئے ضروری ہے کہ جس وقت اس کے ہاں اولاد ہو جائے۔ وہ اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ چھاڑ جنگل میں تنہا زندگی بسر

---

[1] جامع التفاسیر 1867ء میں دہلی میں شائع ہوئی تھی۔ کلکتہ ریویو CII صفحہ 391- پہلا پیراگراف مخفف کر دیا گیا ہے۔ ص 691

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے۔ ہر ایک مقبول عام کہانی میں ہمیں ندی کنارے ایک قابل عزت سنیاسی کا ذکر ملتا ہے اور شکنتلا کے سب سے زیادہ دلاویز نظارے وہ ہیں جہاں ایک خوبصورت لڑکی وسیع و عریض جنگل کے منظر عام پر سدھائے ہوئے ہرنوں کے جھرمٹ میں دکھائی دیتی ہے۔ وہابی راہنماؤں نے ہندوستان میں اس گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے کے قوی جذبہ سے بڑی ہوشیاری سے فائدہ اٹھایا۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے شہروں کے ناکارہ انسان جب عیاشی اور اوباشی میں اپنا تمام سرمایہ برباد کر چکتے ہیں۔ یا وہ مجرم جو قانون کی زد سے اب کسی طرح بھی بچ نہیں سکتے تھے۔ کسی نہ کسی مذہبی جماعت میں شامل ہو کر پہاڑوں میں زندگی بسر کرنے یا بے یارومددگار صوبہ صوبہ پھرنے کی وجہ سے اپنے اردگرد تقدس کا حصار کھینچ لیتے ہیں۔

وہابی مبلغ کی یہی تجرد پسندانہ زندگی ہے جو سب سے زیادہ ان دیہات کو جو ان کی راہ میں پڑتے ہیں اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ سال میں کئی کئے مہینے وہ کسی کے گھر میں قدم تک نہیں رکھتا۔ وہ دور دراز کے صوبوں سے آتا۔ لیکن اس طول طویل سفر میں کوئی اس کا ہم سفر نہ ہوتا۔ بجز شائد ایک وفادار مرید کے جو اس کو اس کے مراقبوں سے وقتاً" فوقتاً" چونکا دیتا۔ اس کی حلیم الطبعی اور اپنے گردوپیش سے بے تعلقی اس کو عام آدمیوں سے ظاہراً" بالکل مختلف بنا دیتی ہے۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دیہاتی اس کے اردگرد جمع ہو جائیں اور کچھ مدت کے لئے پانی اور زمین کی حدبندی کے جھگڑوں کو فراموش کر دیں۔ یہ مبلغ ہر وقت بغاوت کی تعلیم نہیں دیتے تھے بلکہ ایسے اصولوں کی اشاعت بھی کرتے جو لامحالہ ان کے قبول کرنے والوں کو بغاوت کی طرف لے جائیں۔ یہ وہ اصول ہیں جن کے متعلق بیکن کے مقولے کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ ان سے انسانی سوسائٹی اور انصاف کے قوانین نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ وہ احکامات الٰہی کو رحم و شفقت کے بجائے ظلم و تعدی سے رائج کرتے ہیں۔ یہ امر مشکوک ہے کہ بعض مبلغین اس قسم کی زہریلی تعلیم سے قطعاً" پرہیز کرتے ہوں گے۔

1877ء میں بنگال کے متعصب مشرقی اضلاع کا دورہ کرتے ہوئے میں نے ایک ایسا ہی واقعہ سنا تھا۔ مجھے معاف فرمایا جاوے اگر میری تحریر سے یہ مترشح ہوتا ہو کہ میں وہابی اور غدار کو ہم معنی سمجھتا ہوں۔ ایک وہابی مبلغ دوردراز سے ایک گاؤں میں آوارد ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد ہزاروں مسلمان اس کے گرد جمع ہو گئے۔ آس پاس کے ہندوؤں نے کافروں کے خلاف جوش و خروش کی تباہ کاریوں سے خائف ہو کر جو ایسے اجتماعات کا لازمی نتیجہ ہیں۔ نہایت عجلت کے ساتھ ضلع کے حکام کی طرف مدد کے لئے پیغامبر دوڑا دیئے اس مبلغ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنے مسلمان سامعین کی بت پرستانہ عادات اور فسق و فجور کی زندگی پر لعنت ملامت کی اور جہاد کے مسئلے پر کسی قسم کا اظہار خیال کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر عام لوگ دور دراز سے محض اخلاقی باتیں سننے کے لئے نہ آئے تھے۔ اس لئے ناامید ہو کر انہوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ جب ہندو پیغامبر واپس آئے تو انہوں نے اس بظاہر دماغی واعظ کو بالکل بے یارومددگار پایا۔ یہاں تک کہ اب وہ آگ اور تھوڑے سے چاولوں کے لئے بھی ہندو دیہاتیوں کا دست نگر تھا۔

عام طور پر وہابی مبلغ کو اس ضلع کے حاکم سے جہاں سے اس کا گزر ہو۔ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ فی الحقیقت اس کا تبلیغی میدان مجسٹریٹ کی عدالت کے سامنے کھلی جگہ ہے۔ جہاں مقدمہ باز جمع ہوتے ہیں سب سے پہلا مبلغ جس کے ساتھ میری ملاقات ہوئی وہ اس میدان میں جو کمشنر کے سرکٹ ہاؤس کے متصل واقع ہے۔ ڈیرہ جمائے ہوئے تھا۔ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا اور پیپل کے ایک درخت کے نیچے اپنے ہم مذہبوں کے ایک انبوہ سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے پاس چھوٹے قد کا ایک سرخ گھوڑا تھا۔ جس کی نحیف گردن اس کے سر کو سنبھالے ہوئے تھی اور جس کی ناہموار دم زین کے پیدا کردہ زخموں پر مکھیاں ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس غریب جانور کی اگلی دو ٹانگیں سوتن کی رسی سے بندھی ہوئی تھیں اور وہ بہت تکلیف سے گھاس کے ایک گچھے سے دوسرے گچھے پر کودتا تھا کبھی کبھی غصے میں آکر اس مکھی پر وہ اپنا منہ مارتا تھا جو اس کی ناہموار دم کی دست برد سے دور ہو جاتی تھی۔ پھر جلد ہی سفر کی تکان سے چور حیوان کی طرح نہایت بے پروائی سے اپنی گردن کو دراز کر کے اپنے کام میں مشغول ہو جاتا۔ اس بزرگ کے منہ پر تروتازگی تھی اور اس کے ساتھ ایک سفید لمبی ڈاڑھی۔ وہ لفظوں کو چبا چبا کر باتیں کرتا تھا۔ مگر نہ اس قدر کہ وہ اپنی شمالی ہند کی طرز ادا کو جس میں وہ اپنے فقرات ادا کرتا تھا۔ چھپا سکے۔ وہ خود بڑا مخلص معلوم ہوتا تھا۔ آٹھ دس سامعین اس کو بڑی بے پروائی سے سن رہے تھے۔ یہ سامعین سوائے اس معمولی سے سلام کے جو چلتے وقت کیا جاتا ہے انگلستان میں چوراہوں پر وعظ کہنے والوں کے مجمع کے سامعین کی طرح نہایت آزادی کے ساتھ آتے اور چلے جاتے۔ جس زمانے کا ذکر کر رہا ہوں مئی کا مہینہ تھا۔ لہٰذا اس بزرگ آدمی نے بڑی سختی کے ساتھ آنے والے میلوں کی برائیوں کی پرجوش مذمت کی۔ اس کو سامعین کے ناراض ہو جانے کی قطعاً" پروانہ تھی اس نے اپنے سامعین کو بتلایا کہ وہ نئے کپڑے پہنیں گے تب بھی ان کے دل پرانے ہی رہیں گے۔ وہ اپنے کانوں کو بنگالی بے دینوں کی نفیریوں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈھولوں سے اس قدر برا کرلیں گے کہ قرآن کی سچائیوں کو سننے کے بالکل ناقابل ہو جائیں گے۔ محرم کا تمام میلہ۔ اس کی نقلی لڑائیاں' اس کے فرضی ماتم۔ اس کی ناشائستہ دعوتیں۔ ریاکاری کی توبہ۔ یہ سب خدا اور اس کے رسول کے نزدیک حرام ہیں۔

مغربی بنگال کے پرامن مسلمان دیہاتی اصلاح پسندوں کی تبلیغ کے لئے بہترین لوگ نہ تھے۔ وعظ ختم ہونے کے بعد جب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے تو گو تمام لوگ متفق نہ تھے مگر اکثریت اس مبلغ کے خلاف تھی۔ ایک نے کہا یہ شخص چاہتا ہے کہ اپنے باپ کی قبر کا چراغ گل کر دیں۔ دوسرے نے کہا کہ یہ ہمیں اپنے بچوں کی شادی کے موقعہ پر ڈھول ڈھماکہ اور عورتوں کے ناچ سے منع کرتا ہے۔ تیسرا اس کے کچھ موافق تھا۔ اس نے کہا کچھ بھی ہو لیکن پھر بھی وہ قرآن کے ستر ہزار چھ سو انتالیس حروف تو جانتا ہے۔ وہ یہ بھی تو کہتا ہے کہ اس کتاب کی رو سے عبادت صرف خدا ہی کی کرنی چاہئے۔ فی الواقع علماء میں سے ہے۔ لیکن ملا (مسجد میں اذان دینے والا) نے اس خیال کی تردید کر دی اور ایک مستند کی حیثیت سے اس بات کا خاتمہ کر دیا کہ یہ شخص ایک جھوٹے امام کا پیرو ہے۔ جس نے مکہ اور مدینہ کو تلوار کے زور پر فتح کیا تھا۔ جس نے حج کے تمام راستے بند کر دیئے تھے اور خانہ کعبہ کے دروازہ پر لکھ دیا تھا۔ سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہیں اور سعود اس کا رسول ہے۔ لا الہ الا اللہ سعود رسول اللہ۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔

حاصل کلام یہ کہ وعظ بالکل بے اثر رہا۔ مبلغ کو بھی اس بات کا پورا پورا علم تھا جس وقت مجمع منتشر ہو گیا تو صرف دو مسلمان جو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کے پاس رہ گئے وہ اس کے ہم سفر معلوم ہوتے تھے اور مبلغ کی ہر حرکت کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس نے نہایت اخلاص کے ساتھ ان سے آہستہ آہستہ باتیں کیں پھر سو گیا۔ اس کے میلے کچیلے کپڑوں والے مرید اس کو باری باری پنکھا جھلتے رہے۔ اس کے تھکے ماندے گھوڑے نے بھی گھاس کی زیادہ تلاش کرنی چھوڑ دی اور اپنی روزمرہ کی تکالیف کو فراموش کر کے ایک درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ دن ڈھلے ذرا ٹھنڈک ہونے پر یہ جماعت جیسے آئی تھی ویسے ہی بے خبر چلی گئی۔ وہ بزرگ تو گھوڑے پر سوار تھا۔ اور اس کے دونوں طرف میلے کچیلے کپڑوں والے دونوں مرید چلے جا رہے تھے۔

یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستانی وہابی ایک بہت بڑی جماعت کا تھوڑا سا حصہ ہے۔ اس ناکام مبلغ کو ان ہزاروں مبلغین میں سے ایک تصور کیجئے جو اس وقت تمام ایشیا میں چکر لگا رہے ہیں۔ بعض مسجدوں میں تو انکی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے اور بعض جگہ ان کو کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوچھتا نہیں یہ سب کے سب پیغمبر اسلام کے مذہب سے بدعات کو دور کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ جس طرح کہ ہیڈر بینڈ کے پادریوں نے روم کے کلیسا کی اصلاح کی تھی۔

ہندوستان میں انگریزی راج کی بدقسمتی ہے کہ یہ اصلاح کافر فاتحوں کے خلاف نفرت و حقارت کے ساتھ لازم و ملزوم ہو گئی ہے لیکن جہاں کہیں بھی مسلمانوں نے اپنے مذہب کے ابتدائی اصولوں کو اختیار کرنے کی کوشش کی ہے وہاں ان کو حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرنا پڑی۔ کیونکہ راسخ العقیدہ اسلامی حکومت کو بھی ملکی ضروریات کے مطابق شریعت میں تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔ خود مکہ معظمہ میں بھی جو مرکز اسلام ہے اور جہاں دنیا میں سب سے زیادہ اس فرقہ کا خوف بیٹھ گیا تھا۔ اس قسم کی تبدیلیاں کی گئی ہیں پچھلے چند صفحات میں میں نے ایک بہت ہی معصوم قسم کے وہابی کا نقشہ کھینچا ہے مگر ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے ملک کے سب سے نچلے طبقہ کے لوگوں کے باغیانہ جذبات کمینگی کے ساتھ ابھارنے ہی کے لئے جیتے ہیں ذیل میں اس وعظ کا ایک نمونہ پیش کروں گا۔ جس سے وہ انگریزی حکومت کے خلاف نفرت کا بیج بوتے ہیں۔

"مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض جہاد ہے۔ مگر جو کوئی یہ کہے کہ انگریزی حکومت کے ماتحت جہاد کرنا ناقابل عمل ہے تو وہ جواب دیں گے پھر اس کا بدل ہجرت ہے۔ یہ ملک اور جو کچھ اس میں پیدا ہوتا ہے اس وقت تک قابل لعنت ہے جب تک اس پر کافر حکومت کر رہے ہیں۔ وہابیوں کی جہاد پر اکسانے کی مثالیں نظم و نثر میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ یہاں پر وہ دلائل بیان کروں گا۔ جس سے مشرقی بنگال کے بے علم کسانوں کو اس بات پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ اگر ان کے لئے اجتماعی طور پر بغاوت کرنا ناممکن ہے تو پھر دوزخ کی آگ سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ اپنے گھروں کو چھوڑ چھاڑ کر کافروں کے ملک سے ہجرت کر جائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (خدا کے نام پر جو بڑا مہربان اور بخشش کرنے والا ہے) وہ تمام دنیا کا مالک ہے۔ محمد رسول اللہ پر خدا کی رحمت نازل ہو۔ ان کی اولاد پر۔ اور ان کے صحابہ پر۔ (نحمدہ و نصلے علی رسولہ الکریم والہ واصحابہ اجمعین) آپ سب کو معلوم ہونا چاہئے کہ جملہ اہل اسلام پر فرض ہے کہ ہر ایک ایسے ملک سے ہجرت کر جائیں جہاں کافروں کی حکومت ہو اور جس میں حاکم شرع محمدی پر عمل درآمد کرنے سے منع کریں۔ اگر وہ ہجرت نہیں کریں گے تو مرنے کے وقت جب روح ان کے جسم سے نکالی جائے گی ان کو عذاب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دردناک میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ جس وقت موت کا فرشتہ ان کی روح کو ان کے جسم سے نکالنے کے لئے آئے گا تو ان سے سوال کرے گا خدا کی زمین اتنی وسیع نہ تھی کہ تم اپنے گھروں کو چھوڑ دیتے اور کسی اور ملک میں جا کر آباد ہو جاتے۔ یہ کہہ کر ان کی روح کو ان کے جسموں سے نکالتے ہوئے ان کو دردناک عذاب دے گا اس کے بعد وہ قبر کے عذاب میں متواتر مبتلا رہیں گے اور قیامت کے دن دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ عذاب دردناک میں مبتلا رہیں گے۔ خدا مسلمانوں کو ایک ایسے ملک میں مرنے سے بچائے جس پر کافر حکمران ہوں۔

یہاں سے ابھی نکل جاؤ۔ اور ایسے ملک میں چلے جاؤ جہاں مسلمان حاکم ہوں اور دینداروں کے ملک میں جا بسو۔ اگر تم صحیح سلامت وہاں پہنچ گئے تو تمہاری زندگی کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اپنی ضروریات زندگی کی مت پروا کرو۔ خدا جو سب کو دیتا ہے جہاں کہیں بھی تم رہو گے تم کو بھی دے گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ننانوے آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد ایک خدا رسیدہ بزرگ کے پاس آیا اور اپنے جرموں کا اقرار کیا اور اس سے پوچھا کہ وہ اپنے گناہوں کی بخشش کیسے حاصل کر سکتا ہے اس خدا رسیدہ بزرگ نے کہا اگر ایک شخص دوسرے بے گناہ شخص کو قتل کرے گا تو وہ یقینی طور پر جہنمی ہے۔ تمہارے گناہ کبھی نہیں بخشے جائیں گے اور تم یقیناً" جہنم میں داخل ہو گے۔ اس اسرائیلی نے سن کر کہا کہ یہ بات تو یقینی ہے کہ میں جہنم میں جاؤں گا اس لئے میں سو پورے کرنے کے لئے تم کو بھی قتل کر دوں گا۔ چنانچہ اس نے خدا رسیدہ بزرگ کو قتل کر دیا۔ پھر ایک اور بزرگ آدمی کے پاس گیا اور اقرار کیا میں نے سو قتل کئے ہیں۔ اب ان کی کیسے بخشش حاصل کر سکتا ہوں۔ اس بزرگ نے جواب دیا کہ تو دل سے توبہ کر اور کافروں کے ملک سے ہجرت کر۔ جونہی اس نے یہ سنا اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسرے ملک کی راہ لی۔ راہ میں اس کی موت آگئی۔ اور دونوں فرشتے یعنی رحم کا فرشتہ اور عذاب کا فرشتہ اس کی روح کو جسم سے نکالنے کے لئے آموجود ہوئے رحم کے فرشتہ نے کہا کہ میں اس کی روح کو جسم سے علیحدہ کروں گا۔ کیونکہ اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی تھی اور ہجرت کی تھی۔ عذاب کے فرشتے نے اس کو تسلیم کیا اور کہا کہ اگر وہ دوسرے ملک میں پہنچ جانے میں کامیاب ہوتا تو پھر یہ کام رحم کے فرشتے ہی کا تھا۔ اس لئے اس نے یہ کام کرنے کا دعویٰ کیا اور اس کو عذاب دینا چاہا۔ کیونکہ وہ دینداروں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک کو ہجرت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ پھر دونوں فرشتوں نے اس زمین کو ناپا جس پر وہ لیٹا ہوا تھا اور انہیں معلوم ہوا کہ اس کا ایک پاؤں سرحد کے پار اسلامی ملک کی حد میں پہنچ چکا ہے۔ اس پر رحمت کے فرشتے نے اپنا دعویٰ ثابت ہو جانے کا اعلان کر دیا اور بغیر تکلیف کے اس کی روح کو اس کے جسم سے نکال لیا اور اس کو خدا کے نیک بندوں میں شامل کر دیا۔ آپ نے سن لیا کہ ہجرت کا اگلے جہان میں کیا اجر ہے۔ اس لئے خدا سے دعا کرو کہ وہ ہم سب کو ہجرت کرنے کی قابلیت بخشے اور ایسا کرنے کی جلد استطاعت دے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں کافروں ہی کے ملک میں موت آجائے[1]۔

لاتعداد باغیانہ لٹریچر' پٹنہ کا مرکزی دارالاشاعت اور مبلغین کے علاوہ جو بنگال کے طول و عرض میں چکر کاٹتے پھرتے تھے۔ وہابیوں نے باغیانہ رجحان رکھنے والے عوام تک پہنچنے کے لئے ایک چوتھی راہ بھی نکال رکھی تھی۔ ابتدا ہی میں خلفا نے اس بات کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ جہاں کہیں بھی ان کے مریدوں کی تعداد اس بات کی اجازت دے مبلغین کو چاہئے کہ وہاں اپنی ایک مستقل بستی قائم کر لیں۔ اس طرح بنگال کے دیہات میں متعدد غدار بستیاں قائم ہوتی گئیں۔ بغاوت کے یہ ضلع وار مراکز پٹنہ کے مرکزی دارالاشاعت سے باقاعدہ خط و کتابت رکھتے تھے۔ ہر مرکز روپیہ جمع کرنے اور آدمی بھرتی کرنے کا انتظام کرتا جو بذات خود بالکل مکمل ہوتا۔ 1870ء میں جب ایسے دو ضلعوں کے مراکز کو توڑ دیا گیا تو ان کے رئیسوں کے خلاف غیر جانبدارانہ طور پر عدالت میں مقدمہ چلایا گیا تھا جہاں ان کو عمر قید بعبور دریائے شور اور ضبط املاک کی سزا ہوئی۔ اس وقت جو واقعات گواہیوں سے ظاہر ہوئے وہ ہر اس غیر ملکی حکومت کو خوف دلانے کے لئے کافی ہیں جو انگریزی ہندوستان کی طرح اپنے آپ کو اتنی مستحکم خیال نہ کرتی ہو۔ میں مختصراً ایک قیدی کے حالات زندگی بیان کرتا ہوں۔

تقریباً تیس سال کا عرصہ ہوا خلفا[2] میں سے ایک جنوبی بنگال کے ضلع مالدہ میں تبلیغی دورے پر آئے اور ماحول کو اپنے مطابق پا کر انہوں نے کئی سال تک اسی گاؤں میں قیام کیا۔ پھر وہیں ایک لڑکی سے شادی بھی کر لی اور سکول ماسٹر کی حیثیت سے زندگی

---

[1] مختصراً کلکتہ ریویو CII صفحہ 389' 88 [2] مولانا عبدالرحمٰن کو جو لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور ان کو اصلی خلیفہ ولایت علی نے خلافت کی سند دی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسر کرنے لگے چونکہ معمولی معمولی زمینداروں کے لڑکے اس عالم کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ضلع کے زمیندار گھرانوں میں اثر و اقتدار حاصل کر لیا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ بغاوت کی تبلیغ شروع کر دی۔ انہوں نے لوگوں کو منظم طور پر جہاد کے لئے امداد کرنے کا عادی بنا دیا۔ وہ سرحدی کیمپ کے لئے پٹنہ کے مرکزی دارالاشاعت کو ہر سال روپیہ اور آدمی بھیج دیتے تھے۔ ان کے ٹیکس جمع کرنے والوں میں سے ایک شخص جس کو انہوں نے ایک معمولی کسان کی حالت سے اس درجے تک بڑھا دیا تھا بہت ہی پرجوش اور عقلمند تھا۔ وہ جمع شدہ رقم سے ایک چوتھائی بطور تنخواہ کے رکھ لیتا۔ رفتہ رفتہ گاؤں کے بااقتدار لوگوں میں شمار کیا جانے لگا کئی سال تک وہ اس کام کو بلا رکاوٹ کرتا رہا مگر 1853ء میں قریب کے مجسٹریٹ کو اس کے متعلق کچھ شبہات پیدا ہو گئے جن سے اس کی تجارت کے باغیانہ اور اس جہاد سے جو سرحدی کیمپ نے تھوڑا ہی عرصہ ہوا پنجاب میں شروع کرنے کی کوشش کی تھی اس کے تعلق کا ثبوت ملتا تھا۔[1]

ضلع کے مرکزی دفتر کے باغی سردار کو زیر حراست کر لیا گیا تھا مگر چونکہ ہم معمولی سازشی لوگوں کو زیادہ اہمیت دینے کے عادی نہیں ہیں۔ لہٰذا اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے چھوڑ دیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ کی قید سے اس کے لئے باغیانہ ٹیکس وصول کرنے کے کام کو جاری رکھنا خطرناک ہو گیا تھا۔ بنابریں وہ مذہبی ٹیکس جمع کرنے سے اپنے لڑکے کے حق[2] میں دستبردار ہو گیا۔ اس کے جانشین نے اپنے آپ کو اس کام کی انجام دہی کا پورا پورا اہل ثابت کیا اور اس مقدمہ کے انچارج افسر کی غیر جانبدارانہ بلکہ ایک حد تک قدردانی کے الفاظ میں "اس نے اس وقت سے لے کر مقدمے کے وقت تک نہایت ایمانداری سے جہاد کو جاری رکھنے کے لئے لوگوں کو بھرتی کرنے کی کوشش کی"۔ اس کے کام کی تکمیل میں ضلع کے حاکموں نے کوئی مداخلت نہ کی۔ ہندوستان کا انگریز مجسٹریٹ آگسٹن ایمپائر کے پادری کی طرح ان اقوام کے عقائد اور توہمات میں دخل انداز ہونے سے ہمیشہ اجتناب کرتا ہے جو اس کے زیر نگیں ہوں۔ اس طرح مذہبی شعار کی بجاآوری کے بہانے بغاوت بے خطر پھیل سکتی ہے۔ مگر 1865ء میں پٹنہ کے مقام پر سیاسی مقدمے کے دوران[3] میں ضلع مالدہ کے مرکز کا عام بغاوت میں حصہ اچھی طرح واضح ہو گیا۔

---

[1] 1852ء میں 4 انفنٹری کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی گئی تھی اور پٹنہ کے مجسٹریٹ نے قوت کے ساتھ اس جماعت کو پھیلنے سے روکنے اور تحقیقات کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ [2] مولوی امیرالدین آف مالدہ۔ [3] مولوی احمد اللہ کے مقدمے میں بغاوت کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔ سیشن کی عدالت سے ان کو موت اور ضبطی املاک کی سزا ہوئی تھی۔ لیکن بعد میں ان کی انتہائی سزا کو عمر قید بعبور دریائے شور سے بدل دیا گیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس تنبیہہ کے باوجود وہ سرحدی جنگ کے لئے روپیہ اور آدمی فراہم کرتا اور گاؤں بہ گاؤں کھلم کھلا بغاوت کی تعلیم دیتا رہا۔ 1868ء میں جب اس نے پٹنہ کے خلیفہ کے لڑکے کو مدد کے لئے بلا بھیجا۔ تو اس وقت اس کی عملداری میں تین مختلف اضلاع تھے۔ دریائے گنگا کے دونوں اطراف اور وہ جزائر جو اس کے ڈیلٹا میں واقع ہیں اور جن کی حد کئی دن کی مسافت تک ہے اس علاقے کے جاہل مسلمان کسان اس کے زیر اثر تھے[1]۔ ان رنگروٹوں کی تعداد جو اس نے سرحدی کیمپ کی طرف روانہ کئے کبھی بھی معلوم نہیں کی جا سکتی۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری سرحد پر ان غداروں کی ایک سرحدی چوکی میں کل 430 جنگجو تھے اور ان میں سے دس فیصدی اسی شخص کے زیر اثر علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔

اس کا روپیہ جمع کرنے کا انتظام بالکل سادہ اور مکمل تھا۔ اس نے دیہاتوں کو مالی علاقوں میں تقسیم کر دیا اور ہر علاقے میں ایک محصول ٹیکس مقرر کیا۔ پھر یہ افسر از خود ہر گاؤں میں ایک محصول مقرر کرتے اور ان کے جمع کئے ہوئے روپے کا حساب بھی لیتے۔ آخر الامر اس روپے کو ضلع کے مرکز میں بھیج دیا جاتا۔ اصولاً" ہر گاؤں میں ایک محصل ٹیکس ضرور ہوتا۔ جہاں آبادی بہت زیادہ ہوتی وہاں زیادہ آدمیوں کو ملازم رکھ لیا جاتا۔ ایسے مقام پر ایک امام[2] ہوتا تھا جو نماز باجماعت پڑھاتا اور چندہ وصول کرتا۔ امام کے علاوہ ایک جنرل مینجر[3] ہوتا تھا۔ جس کے ذمے جماعت کی بنیادی ضروریات کی خبر گیری تھی اور ایک اور افسر[4] تھا جو خطرناک خطوط اور اس نذر و نیاز کو جو سازشیوں کو دی جاتی منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے قاصد مہیا کرتا۔

یہ نذر و نیاز اور منتیں چار قسم کی ہوتی تھیں۔ ایک تو اڑھائی فیصدی کا ٹیکس اس جائیداد کا جس پر ایک قمری سال گزر چکا ہو۔ اس کا نام زکوٰۃ ہے اور وہ شروع ہی سے کافروں کے خلاف جنگ کرنے کے مصرف میں آتا رہا۔ مگر یہ ٹیکس صرف اس جائیداد پر عائد ہو سکتا ہے جس کی قیمت ایک خاص مقدار سے زیادہ ہو۔ پٹنہ کے خلفا[5] نے سرحد سے واپس آنے پر محسوس کیا کہ یہ رقم جہاد کو جاری رکھنے کے لئے ناکافی ہے۔ اس بنا پر انہوں نے وہ خیرات بھی جو غریبوں کا حق ہے اس کام پر لگا دی اور غریبوں کا حق

1۔ مالدہ کا تمام ضلع۔ مراد آباد اور راجشاہی کے کچھ حصے۔
2۔ دین کا سردار 3۔ دنیا کا سردار 4۔ ڈاک کا سردار 5۔ عنایت علی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پامال کرتے ہوئے بغاوت اور غارت گری کے کام میں صرف کر دی۔ یہ صدقہ مذہبی فرض سمجھ کر سال بھر میں ایک دفعہ ایک اسلامی کے تہوار کے موقعہ پر دیا جاتا ہے[1]۔ جب رمضان شریف کے مقدس مہینے کے بعد مسلمانوں کی مذہبی خوشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ اس تہوار کے دن نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں قدم رکھنے سے پہلے ہر دیندار مسلمان فرض سمجھتا ہے کہ غریبوں میں صدقہ تقسیم کرے۔ ورنہ گزشتہ تیس دن تک اس نے جو تکلیف اٹھائی ہے اس کا اجر خدا کی طرف سے نہ ملے گا۔

یہ وہ[2] صدقہ ہے جس کو پٹنہ کے خلفا نے غداروں کے حساب میں جمع کر لیا تھا۔ انہوں نے ایک اور ٹیکس بھی مقرر کیا۔ جس سے غریب سے غریب آدمی بھی نہ بچ سکتا تھا۔ انہوں نے حکم دیا کہ ہر خاندان کا مالک کھانا کھاتے وقت اس کے خاندان میں جتنے فرد ہوں اتنے ہی مٹھی بھر چاول علیحدہ کرتا رہے اور ہر جمعے کے روز گاؤں کے محصل ٹیکس کے حوالے کر دے۔ اس طرح غلہ کے انبار کے انبار جمع کر لئے جاتے اور ان کو علانیہ جہاد کے مصرف کے لئے بھیج دیا جاتا۔ بہرحال یہ ٹیکس کم سے کم مقدار کو ظاہر کرتا ہے جو مذہبی ٹیکس وصول کرنے والوں کو جمع کرنے کا حق تھا۔ اس دانشمند خلیفہ نے ان لوگوں کے جوش و خروش اور فوری جذبات کے اظہار کے لئے جو نئے نئے جماعت میں داخل ہوں اور جو دل ہلا دینے والے مواعظ سے پیدا ہوتے تھے۔ بہت کافی مواقع بہم پہنچانے کا خاص اہتمام کر رکھا تھا۔ نظر بریں اس نے ایک غیر معمولی چندہ کی ابتدا کی جو وقتاً" فوقتاً" اختیاری طور پر دیا جاتا تھا۔ ان چندوں کے علاوہ تھا جو محصلین ٹیکس بطور حق کے طلب کر سکتے تھے۔ تمام ٹیکس جمع کرنے والوں کا سردار ایک سالانہ دورہ بھی کرتا تھا۔ وہ عید کے مواقع پر اپنے علاقہ کے ہر گاؤں میں جاتا اور اس بات کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرتا کہ ہر خاندان نے پچھلے سال کا تمام بقایا ادا کر دیا ہے۔

بنگال کے ہر ضلع میں اس قسم کے اعلیٰ مرکز موجود تھے جس بد قسمت انسان کو میں نے مثال کے لئے منتخب کیا ہے وہ انہی میں سے ایک تھا۔ اس کا مرکز جنوبی بنگال سے شمال مغرب کو جانے والی شاہراہ پر واقع اور ہر بغاوت پھیلانے والے مبلغ کی قیام گاہ تھا۔ جس کا ہمیشہ وہاں گزر ہوتا رہتا ہے۔ وہ دونوں خلیفے بھی جنہوں نے سرحد پر امام صاحب

---

[1] عید الفطر [2] صدقہ عید الفطر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی موت کی تصدیق کی۔ یہاں قیام کر چکے ہیں[1]۔ اور باغی کیمپ کے موجودہ سرداروں میں سے بھی ایک شخص سرحد کی طرف جاتے ہوئے یہاں فروکش[2] ہو چکا ہے۔ پھر کئی ایک دوسرے اضلاع کے سرداران مرکز نیز پٹنہ کے مرکزی دارالاشاعت کا امام بھی اس شخص کے مہمان رہ چکے ہیں۔ پہلے پہل ان کا یہ شہر دریائے گنگا کے دائیں کنارے ضلع کے ہیڈ کوارٹر یا کسی ایسے گاؤں سے جس میں تھانہ چوکی موجود ہو بہت دور واقع تھا۔ قدرت کی تباہ کاریوں نے بھی جنہوں نے اس شہر کو تباہ و برباد کیا ہے اس تحریک کو پھیلانے میں مدد دی۔ دریائے گنگا اپنی وادی میں آگے اور پیچھے راستہ بدلتا ہوا اپنے دائیں کنارے کی بہت سی زمین کو نگل گیا اور وہابی آبادی کا نام و نشان تک بھی نہ چھوڑا۔ اس کے باشندے منتشر ہو گئے کچھ تو دریائے گنگا کے بائیں کنارے نئی آبادی میں چلے گئے اور باقی ماندہ اندرون ملک کے دیہات میں۔ لیکن جہاں کہیں بھی گئے ہیں وہاں ہر گروہ نے بغاوت کا ایک نیا مرکز قائم کر دیا۔ جہاں کہیں بھی دریا کوئی نئی زمین چھوڑتا ہے وہاں فوراً ہی وہابی نو آبادی قبضہ کر لیتی ہے اور ایک نئے گاؤں کا مرکز بن جاتی ہے۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس قدر مستقل اور دور دراز تک پھیلی ہوئی بے چینی حکومت ہند کے لئے سخت پریشانی کا باعث ہوتی ہوگی گزشتہ سات سال کے دوران میں ان غداروں کو یکے بعد دیگرے مجرم ثابت کر کے عمر قید بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی ہے۔ فی الحقیقت سرحد کی ہر ایک جنگ کے ساتھ ساتھ ہماری اپنی حدود میں بھی ایک سیاسی مقدمہ چلایا گیا۔ اس وقت بھی قیدیوں کی بہت بڑی تعداد جو دور دراز کے مختلف ضلعوں سے جمع کی گئی ہے اپنے جرموں کی سزا بھگت رہی ہے۔ یا اپنے مقدمہ کے شروع ہونے کے انتظار میں ہے ان لوگوں کے متعلق کچھ کہنا ذرا مشکل ہوگا جن کو سزا ہو چکی ہے کیونکہ یہ ان لوگوں کی رہائی کے امکانات پر ضرور اثر انداز ہوگی جن پر ابھی مقدمہ چلایا جائے گا۔ یا اس لئے کہ جو گواہیاں ہو چکی ہیں ان میں ان دونوں قسموں کے اشخاص کے نام ملے جلے ہیں۔ یہ سیاسی مقدمات ہندوستان کی تاریخ میں ایک عجیب و غریب چیز ہیں اور جو تفصیلات ان سے معلوم ہوئیں ان کو کام میں لائے بغیر بنگال میں اس پرانی سازش کی شاخوں کا معلوم کرنا ناممکن ہوگا۔ لہٰذا مثال کے طور پر میں اس مقدمے کا انتخاب کرتا ہوں جو وقت کے لحاظ سے موجودہ مقدمات میں سب سے پہلا ہے اور نہایت احتیاط

---

[1] عنایت علی اور مقصود علی [2] فیاض علی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ان چیزوں کو نظر انداز کر دوں گا جو ان بد قسمت انسانوں پر جن کو قانون نے ابھی تک مجرم ثابت نہیں کیا کسی طرح بھی اثر انداز ہوں۔

1864ء کا مقدمہ 1863ء کی تباہ کن جنگ کا قدرتی نتیجہ تھا پچھلے سال کی طرح یہ محض ایک ہندوستانی رجمنٹ کے چند سپاہیوں کی خلاف قانونی چارہ جوئی نہ تھی اور نہ کسی اکیلے بغاوت پھیلانے والے مبلغ کی باغیانہ سرگرمیوں کی تفتیش بلکہ ایک ہمہ گیر سازش جو دور دراز علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی اور جس میں مدافعت کا کافی اچھا انتظام تھا۔ جولائی 1864ء میں سر ہربرٹ ایڈورڈ نے انبالہ کے سیشن جج کی حیثیت سے ایک ایسے سیاسی مقدمہ کا فیصلہ سنایا جس میں عدالت کی بیس پیشیاں ہو چکی تھیں۔ انگریزی حکومت کی مسلمان رعیت کے گیارہ افراد کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کیا گیا اس میں مسلمان قوم کے ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ ان میں بہت بڑے عالم خاندانوں کے چشم و چراغ۔ ایک فوجی ٹھیکیدار' ایک فوجی تھوک فروش قصاب ایک عرضی نویس۔ ایک سپاہی' ایک دورہ کرنے والا مبلغ۔ ایک خدمتگار نوکر اور ایک کاشتکار تھا۔ ان کی پیروی ایک انگریز وکیل نے کی ان کو عدالت میں قانونی عذر خواہی اور مقدمے پر بہترین وکالت سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل تھا۔ ان کے چھ ہم وطن بحیثیت اسیسر کے جج کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس مقدمہ کے خاتمہ پر ان میں سے آٹھ کو عمر قید بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی اور تین کو قانون کی انتہائی سزا دی گئی۔

شمالی ہند میں بہت سی قومیں آباد ہیں جو رنگ ڈھنگ میں مختلف اور الگ الگ زبانیں بولتی ہیں۔ ایک اطالوی کے لئے آسان سی بات ہے کہ لندن میں اپنے آپ کو انگریز ظاہر کرے اور پہچانا نہ جائے۔ لیکن بنگالی کے لئے ناممکن ہے کہ وہ پشاور میں اپنے آپ کو پنجابی ظاہر کر سکے۔ 1858ء کی سرحدی جنگ میں یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ وہ دشمن جو جنگ میں مارے گئے۔ ان کے چہروں کا رنگ سانولا سیاہی مائل تھا۔ اور یہ نتیجہ ہے جنوبی بنگال کی دلدل اور مرطوب آب و ہوا کا۔ مگر اس وقت ان کا سراغ لگانا مشکل تھا۔ لڑائی کے اختتام پر بے قاعدہ فوج کو منتشر کر دیا گیا اور جن سپاہیوں میں کچھ صلاحیت تھی ان کو سوار پولیس لے لیا گیا۔ ان میں سے ایک پنجابی بھی تھا۔

یہ شخص بہت ہی جلد انبالہ کے قریب ضلع[2] میں سارجنٹ کے رتبہ تک ترقی

---

[1] خوزان [2] کرنال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر گیا۔ مئی 1863ء میں ایک روز علی الصبح جب وہ گشت پر تھا تو اس نے چار اجنبیوں کو جرنیلی سڑک پر جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ ان کے پست قد۔ میلے کچیلے چہرے اور چھوٹی چھوٹی داڑھیوں سے پرانے سپاہی کو وہ بنگالی غدار یاد آگئے جو اس نے 1858ء کی جنگ اولین کے درمیان دیکھے تھے۔ اس نے ان سے باتیں کرنا شروع کر دیں اور رفتہ رفتہ ان کے رازوں کو معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آخر کار اسے معلوم ہوا ملکا کے بنگالی سفیر ہیں اور اپنے وطنی صوبہ کو واپس جا رہے ہیں تاکہ وہاں پہنچ کر روپیہ اور آدمی مہیا کرنے کا انتظام کریں۔

اس قوی جثہ شمالی باشندے نے ان چاروں کو گرفتار کر لیا انہوں نے اس سے ایک مسلمان بھائی ہونے کی حیثیت سے درخواست کی اور منہ مانگی رشوت دینے پر آمادہ ہو گئے جس کے متعلق انتظام یہ تھا کہ پاس ہی تھانیسر کی منڈی میں جعفر نامی عرضی نویس کی معرفت ادا کر دی جائے گی۔ مگر یہ پرانا سپاہی بڑا نمک حلال تھا۔ اس نے ان کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کر دیا اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ مجسٹریٹ اس وقت ان بنگالیوں کو قید کر دیتا تو تمام سازش کا پتہ چل جاتا اور ان مجاہدین کو ہمارے بدرقہ پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا اور انگریزی حکومت ایک خونریز جنگ سے بچ جاتی۔ مگر اس وقت سلطنت بڑے امن و امان میں تھی۔ تھانیسر اندرون ملک میں ایک پرامن ضلع ہے۔ جہاں بغاوت شاذونادر ہی ہوتی ہے پھر ہندوستانی پولیس کا روپیہ بٹورنے کے لئے جھوٹے مقدمات بنا لینا روزمرہ کی بات ہے۔ مجسٹریٹ نے ان پرامن مسافروں کو قید کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کا ایسا کرنا ننانوے فیصدی مقدمات میں انصاف کی منشا کے عین مطابق ہے"۔

بہرحال یہ سوواں مقدمہ نہ تھا۔ سوار پولیس کا سارجنٹ ان قیدیوں کے رہا ہونے پر بہت خفا ہوا۔ اس خیال نے کہ اس کی رپورٹ کو قابل اعتبار نہیں سمجھا گیا۔ اس کے پنجابی جذبات پر بہت برا اثر کیا اور اب ابھی اس کو پورا پورا یقین تھا کہ ہماری سلطنت پر کوئی اچانک مصیبت نازل ہونے والی ہے جس کا وہم و گمان بھی ممکن نہیں۔

اس نے ایک ایسے جان جوکھوں کے کام کی تجویز سوچی جس کی مثال سپارٹا والوں کے استقلال اور امن وفاداری کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ بغیر چھٹی کے اپنی نوکری سے غیر حاضر ہو جانا غداری سمجھا جاتا۔ دور شمال کی طرف اس کے وطن میں اس کا ایک لڑکا تھا جس کو وہ خاندانی عزت کے بعد سب سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ اس کے گاؤں اور سرحد کے درمیان ہماری سرحدی چوکیاں تھیں جو ہر وقت لوٹ مار کرنے والوں یا بھاگتے ہوئے غداروں کو پکڑنے کے لئے چوکنا رہتی تھیں۔ سرحد کے پار مجاہدین تھے جو انگریزی حکومت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ کھلم کھلا جنگ کرنے کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے۔ وہ ہر اس شخص کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ جن کو ان کے ایجنٹوں نے ہماری سلطنت سے باقاعدہ طور پر نہ بھیجا ہو۔ باپ کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر اس کا لڑکا سرحدی چوکیوں سے بحیثیت ایک باغی کے جو مجاہدین کے کیمپ میں داخل ہونے کے لئے جا رہا ہو پھانسی پر چڑھنے سے بچ بھی گیا تو بھی اس کو وہابیوں کے ہاتھوں جاسوس سمجھ کر مارے جانے کا خطرہ ہے اس نے اپنے لڑکے کو خاندانی عزت کے نام پر حکم دیا کہ وہ ملکا جائے اور اس وقت تک واپس نہ آئے جب تک کہ وہ ان سازشی لوگوں کے نام معلوم نہ کر لے جو ہماری مملکت میں سرحد پار کے مجاہدین کی امداد کر رہے ہیں۔

لڑکے کو جونہی یہ خط ملا وہ دوسرے ہی دن گاؤں سے غائب ہو گیا۔ اس نے کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں اور وہ کس طرح بال بال بچا اس کا علم صرف اس کے خاندان کو ہے مگر شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ وہابیوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ جب انہوں نے تھانہ پر حملہ کیا تو وہ ان کے ساتھ تھا وہ کسی نقصان کے بغیر ہماری سرحدی چوکیوں سے گزر گیا اور ادھر ادھر دیکھے بغیر ایک شام اپنے باپ کے گھر کے سامنے جو اندرون ملک میں سینکڑوں میل کی مسافت پر تھا۔ سفر' بھوک' بیماری کی وجہ سے نہایت خستہ حالی میں اس راز کو اپنے سینے میں محفوظ کئے ہوئے آموجود ہوا۔ تھانیسر کا منشی جعفر جو خلیفہ کہلایا جاتا تھا۔ ایک بہت بڑا آدمی تھا۔ وہ بنگالیوں اور ان کے اسلحہ کو کیمپ تک پہنچاتا تھا۔ یہ جعفر تھانیسر شہر میں عرضی نویس تھا۔ اگر یہ سارجنٹ ان چار مسافروں کو چھوڑ دیتا تو وہ اسے رشوت کا روپیہ فوراً" ادا کر دیتا۔

میں اس سے بڑھ کر دردناک حالت کا تصور نہیں کر سکتا۔ جو اس مضبوط پنجابی باپ کی ہوگی۔ وہ روزانہ گھوڑے پر سوار ہو کر بڑے سکون کے ساتھ گشت پر جاتا اور اپنی جھٹلائی ہوئی باتوں پر غور و خوض کرتا۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا اس کا تردد اپنے بیٹے کی سلامتی کے متعلق بڑھتا گیا۔ اس کی جان کو محض اس لئے خطرہ میں ڈالا تھا کہ وہ اپنی عزت کو برقرار رکھ سکے اور اپنے ان غیر ملکی حاکموں کو بچائے جنہوں نے اس کی بات کو جھٹلا دیا تھا۔

جعفر کی سوانح عمری جو تھانیسر کی منڈی میں عرضی نویس تھا۔ بہت دلچسپ ہے وہ بہت ہی غریب گھرانے میں پیدا ہوا لیکن اپنی قابلیت کے صدقے بڑھتے بڑھتے اپنے قصبے کا نمبردار ہو گیا۔ ایک دن وہ اتفاقاً" ایک سفری وہابی مبلغ کا وعظ سننے کے لئے ٹھہر گیا۔ اس خوشحال شہری انسان کے مذہبی جذبات برانگیختہ ہو گئے۔ اس نے مسلمانوں کے بدعتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعمال پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اور جون بنین (Joon Bunyan) کی طرح روحانی تاریکی سے گزر کر اپنے آپ کو علانیہ وہابی کہنے لگا اور ہمہ تن مذہبی اصلاح میں مشغول ہو گیا۔

اس نئے وہابی نے اپنا بہت سا وقت اپنے نفس کا جائزہ لینے پر صرف کیا اور اپنے نفس کی کیفیات کا بڑے غور کے ساتھ مطالعہ کرتا رہا۔ اس نے اپنے مذہبی تجربات کو "جعفر کے نصائح" کے زیر عنوان لکھنا شروع کر دیا اور وہ ان دستاویزات میں سے ایک نہایت ہی دلچسپ دستاویز ہے جو کسی سیاسی مقدمہ میں پیش کی گئی ہے۔ مثلاً" وہ لکھتا ہے:

"میں نے یہ کتاب منگل کے روز 18 ذوالحجہ 1678ء میں لکھنی شروع کی ہے۔ اس کا اختتام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے اس میں کسی خاص طریقہ کی پیروی نہیں کی۔ میں نے صرف وہ واقعات لکھ دیئے ہیں جن کا تعلق دین و دنیا سے ہے اور جن میں میں نے وقتاً" فوقتاً" حصہ لیا۔ مزید برآں میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ دنیا فانی ہے انسان' جن' فرشتے' حیوانات' نباتات جو کوئی بھی اس دنیا میں پیدا ہوا اپنے وقت مقررہ پر فنا ہو جائے گا۔ سوائے خدا کی ذات کے اور کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں۔ جو کوئی بھی اس دنیا میں پیدا ہوا۔ وہ ہزارہا سال تک کیوں نہ زندہ رہا۔ آخر افسوس اور ندامت کے سوا اور کچھ نہ لے گا۔ میری اپنی حالت یہ ہے کہ میں نے دس برس کی عمر تک کوئی تعلیم حاصل نہ کی۔ اپنے باپ کے فوت ہو جانے کے بعد جب میری عمر دس بارہ سال کی تھی اور میرا چھوٹا بھائی چھ مہینے کا تھا ہم اپنی والدہ کی سرپرستی میں تعلیم پانے لگے۔ میری والدہ بالکل ناخواندہ تھی۔ اسے کوئی مذہبی تعلیم بھی نہ دی گئی تھی۔ لڑکپن میں میں نے تعلیم کی طرف مطلق توجہ نہ کی اور آوارہ پھرتا رہا۔ جب مجھے تھوڑی سی عقل آگئی تو میں تعلیم کی طرف متوجہ ہوا۔

1856ء میں عرضی نویسوں کے زمرہ میں داخل ہو گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ تمام وکیل اور عرضی نویس مجھ سے قواعد و ضوابط اور کونسل کے ایکٹ کے متعلق مشورے کرنے لگے اور میں سب سے بازی لے گیا"۔ یہ عرضی نویس ایک قسم کے غیر رجسٹر شدہ معمولی وکیل ہوتے تھے جو مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ بازوں کی عرضیاں لکھ دیا کرتے تھے اور چھ آنے سے ڈیڑھ روپیہ تک فیس لیتے تھے۔ جعفر کی بہت اچھی پریکٹس تھی مگر کافروں کی عدالت سے جو روپیہ وہ اس طرح حاصل کرتا تھا وہ اس کے لئے کسی کام کا نہ تھا"۔ اس کے برعکس اس پیشے میں میں نے اپنے مذہب کو بہت نقصان پہنچایا۔ ایسا پیشہ اختیار کرنا اچھا نہیں۔ اگر میں اس کو اختیار نہ کرتا تو میری مذہبی حالت بہت اچھی ہوتی۔ جب مجھے عدالتوں سے فرصت ملتی خواہ دو دن ہی کے لئے تو میری حالت بہت اچھی ہو جاتی۔ کافروں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مسلمان ملازمین کے ساتھ محض تعلق ہی ہونا میرے پیشے کا ایک بڑا نقص تھا۔ اور میرے نفس کے لئے ایک زہر قاتل کا حکم رکھتا تھا"۔

اگرچہ جعفر اس پیشے کو پسند نہ کرتا تھا لیکن پھر بھی اس کی قانون دانی کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور اردگرد کے طاقتور زمیندار خاندانوں نے اس کو اپنا خاندانی قانونی مشیر مقرر کر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ بہت ہی مخلص آدمی تھا۔ وہ اپنی دنیاوی کامیابی کو اپنے فرائض کی بجاآوری میں کبھی حائل نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس کے پاس جو کوئی آتا اثر قبول کئے بغیر نہ رہتا۔ آنحضرتؐ کی طرح اس نے اصلاح کا کام اپنے ہی گھر سے شروع کیا۔ چنانچہ اس کا ایک منشی اپنے آقا کے سخت امتحان کے وقت بھی وفادار رہا اور انبالہ کے سیشن جج کی عدالت میں مجرموں کے کٹہرے کے اندر اپنے آقا کے پہلو بہ پہلو مذہب کی حمایت میں گواہی دیتا رہا۔

1857ء میں جب غدر شروع ہوا تو جعفر اپنے دس معتبر مریدوں کے ساتھ مجاہدین کے کیمپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جنگ کے غیر مانوس کام میں بھی اس کی اعلیٰ قابلیت نے اس کو نمایاں کر دیا اور اب وہ ان لوگوں میں شمار ہونے لگا جن کے پاس باغیانہ راز محفوظ رہ سکتے ہیں۔ دہلی میں جب باغیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ تو جعفر عرضی نویس کے کام پر تھانیسر واپس آگیا اور خدا کی ان بوجھی مصلحتوں پر غور کرنے لگا جس نے کفار کو فتح دی۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ اس کام سے دل برداشتہ ہو گیا تھا۔ یعنی عرضی نویسی کے نہایت ہی مذموم کام سے کھلم کھلا جنگ میں اس کو شکست ہو چکی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ خفیہ سازشوں سے کیا کچھ مل سکتا ہے۔ جعفر بہت دور دراز تک پھیلی ہوئی وہابی سازش میں داخل ہو گیا اس کے خفیہ فرائض نے اس کے نفرت انگیز پیشہ کو مقدس بنا دیا۔ کیونکہ وہ اس کے متعلق لکھتا ہے "میں نے اس کام کو ایک خاص آدمی کے حکم کے مطابق اور ایک خفیہ مقصد کے لئے اختیار کر رکھا ہے[1]۔ یہ خاص شخص پٹنہ کا مولوی یحییٰ علی ہندوستان میں وہابیوں کا پیشوا تھا اور خفیہ مقصد یہ تھا کہ مہابن کی وہابی نو آبادی کو رنگروٹ اور اسلحہ بہم پہنچائے جائیں جو اس وقت اعلانیہ انگریزی حکومت سے برسرپیکار تھی۔

---

[1] سر ہربرٹ ایڈورڈ نے فیصلہ سناتے ہوئے جعفر کی قابلیت کی یوں داد دی تھی "اس قیدی کی سخت دشمنی، باغیانہ تگ و دو اور اس کی شرارت انگیز قابلیت میں مبالغہ کرنا ناممکن ہے یہ پڑھا لکھا شخص ہے اور اپنے گاؤں کا نمبردار ہے اس کے جرم میں کوئی شک نہیں اور اس میں کوئی تخفیف نہیں ہو سکتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پٹنہ کے مرکزی دارالاشاعت کا حال بیان کر چکا ہوں اس وقت یہ شخص اس کا رہنما تھا۔ 1864ء میں مقدمہ سے بہت پہلے تمام ہندوستان میں یہ ادارہ اصلاحی جماعت خانہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی عمارت محلہ صادق پور کے بائیں جانب واقع تھی۔ اس کا حجرہ کافی بڑا تھا اور گلی میں پیچھے کی جانب بھی کافی دور تک چلا گیا تھا۔ اپنی ظاہری صورت میں اس کا منظر ویسا ہی حسرت ناک اور ویراں تھا جو ہندوستان کی ہر اینٹ چونے کی عمارت کا برسات کے مہینے کے بعد ہو جاتا ہے۔ یہ مشرق کے متعلق ہمارے عظیم الشان تصور کا کیسا حقیر جواب ہے۔ اس تمام عمارت میں سب سے زیادہ اہم ایک معمولی سی مسجد تھی جس میں ہر وقت نماز باجماعت ادا کی جاتی اور جمعہ کے دن خطبہ بھی ہوتا۔ جمعہ کے یہ وعظ بڑے ولولہ انگیز تھے۔ ان میں سب سے زیادہ کفار کے خلاف جہاد کے فرض پر زور دیا جاتا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتلایا جاتا کہ عقیدہ کے بغیر ہر فعل عبث ہے سامعین کو بہت بڑے روحانی خطرے سے آگاہ کیا جاتا اور ان کو روحانی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی۔ یہ لوگ پیغمبر اسلام کی سادہ عبادت کا مقابلہ ان تکلیف دہ مراسم اور لاتعداد نقالیوں اور مساجد کے رکوع و سجود سے کرتے۔ اور ان لوگوں کو بہت برا کہتے جو وہابیوں کے جہاد یا ہجرت کے اصولوں کی مخالفت کرتے تھے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ان کا روحانی معیار عام لوگوں کی قابلیت سے بہت بلند تھا۔ ان کے سامعین اگرچہ وقتی طور پر بہت گہرا اثر قبول کرتے تھے لیکن اپنے دلوں میں بالعموم یہ خیال لے جاتے تھے کہ ان کے لئے بڑی دشواریاں پیدا کر دی گئی ہیں۔ شہر کی دوسری مساجد کے واعظ گو محلہ صادق پور کے واعظوں کے علم اور فصاحت و بلاغت کی تعریف کرتے تھے لیکن اس بنا پر ان کی مخالفت کرتے کہ وہ متبرک روایات کے منکر اور سخت موحد واقع ہوئے ہیں۔

یحییٰ علی مبلغین کا افسر اعلیٰ اور خلیفہ تھا۔ اس نے پٹنہ کے مرکزی دارالاشاعت کے نظام کو بڑی مضبوطی لیکن نرمی کے ساتھ چلایا۔ ان رنگروٹوں کا جنہیں سفری مبلغ جنوبی بنگال کے مختلف اضلاع سے جوق در جوق بھیجتے تھے جماعت خانہ میں بڑے جوش سے خیر مقدم کیا جاتا تھا جن لوگوں کو فوراً مجاہدین کے کیمپ میں بھیج دینا مقصود ہوتا ان کو ان کے دنیاوی بھائی کے سپرد کر دیا جاتا اور وہ ان کو جماعت کے اصولوں سے زیادہ واقفیت پیدا کرنے کی تکلیف دیئے بغیر ان کے جوش و خروش کو مستقل کر دیتا۔ یہ دنیاوی بھائی دارالاشاعت کا وظیفہ خور اور بہت ہی کارآمد شخص تھا۔ اس نے جماعت خانہ کے تمام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیاوی کاروبار سنبھالے ہوئے تھے اور رنگروٹوں کے سامنے ہر روز جہاد کے فرائض پر وعظ کہتا۔ وقتاً" فوقتاً" جب رئیس المبلغین کسی اور کام میں مشغول ہوتا تھا تو دینیات کے طالب علموں کو جو اصل میں اس کے ماتحت نہ تھے الہیات پر بھی درس دیتا۔ وہ جو کچھ بھی کرتا پورے اخلاص کے ساتھ کرتا اور انجام کار بڑی دلیری کے ساتھ اپنے آقا کے ہمراہ انبالہ کی عدالت میں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہو گیا۔

یحییٰ علی رئیس المبلغین کے بہت سے فرائض تھے۔ وہ ہندستان میں تمام سفری مبلغین کا روحانی پیشوا ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ خط و کتابت کرتا پھر جملہ دستاویزات کو خفیہ زبان میں ترتیب دیتا اور لکھتا جس کے ذریعہ سے بڑی بڑی رقوم بلاخوف و خطر سلطنت کے دارالخلافہ سے سرحد کے پار کے مجاہدین تک پہنچ جاتیں۔ وہ مسجد میں نماز باجماعت کی امامت کرتا اور ان بندوقوں کی جانچ پڑتال بھی کرتا جو مجاہدین کو روانہ کی جاتیں۔ وہ طالب علموں کو الہیات پر درس دیتا تھا۔ اس کا اپنا مطالعہ بھی بڑا وسیع تھا۔ عربی مصنفین سے بھی اسنے کافی واقفیت حاصل کرلی تھی۔

لیکن سازشیوں کے لئے سب سے زیادہ خطرناک کام پٹنہ کے دارالاشاعت سے جس کو وہ اپنی خفیہ زبان میں چھوٹا مال گودام کہتے تھے۔ مجاہدین کے سرحدی کیمپ تک جس کو وہ بڑا مال گودام کہتے تھے رنگروٹوں کو پہنچانا تھا۔ ایک بنگالی وہابی سے راستہ میں ہزاروں تکلیف دہ سوالات پوچھے جانے کا احتمال تھا۔ شمال مغربی صوبے اور پنجاب کے وسیع علاقے میں اس کو تقریباً" دو ہزار میل کی مسافت طے کرنا پڑتی۔ اس کی اجنبیت ہر گاؤں میں اپنے قد اور زبان کی وجہ سے بہت جلد ظاہر ہو جاتی لیکن اس خطرناک کام میں یحییٰ علی کی قابلیت پوری طرح بروئے کار آتی۔ اس نے تمام راستے پر جماعت خانوں کا سلسلہ قائم کر دیا اور ان کا انتظام معتبر مریدوں کے ہاتھوں میں رکھا۔ اس نے جرنیلی سڑک کو تین مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس طرح سرحدی کیمپ کو جانے والا ہر یاغی مختلف صوبوں سے بے خطر چلا جاتا۔ اس کو یقین تھا کہ ہر پڑاؤ پر اس کو ایسے دوست ملیں گے جو اس کے لئے چشم براہ ہیں۔ جماعت خانے جو راہ میں پڑتے تھے ان کے مختلف [illegible] تھے۔ مگر تمام کے تمام انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے میں ہمہ تن مصروف تھے اور ہر سازشی ان کا صدر ہوتا تھا۔ یحییٰ علی نے ایسے اشخاص کے انتخاب میں اپنی مردم شناسی کا بہترین ثبوت دیا تھا کیونکہ ان میں سے کسی ایک نے بھی گرفتار ہونے کے خوف یا لالچ کی ترغیب سے اپنے تباہ شدہ امام کے خلاف گواہی دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے زیادہ یہ کہ یحییٰ علی اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ پٹنہ میں انگریزی حاکموں کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اس کے خاندان میں سے ایک ہماری حکومت کے اعزازی عہدے پر مامور اور دوسرا ہماری سرحد پر مجاہدین کی چھاپے مارنے والی جماعت کی رہنمائی کر رہا تھا۔ شائد ہی کسی عدالت نے ایسے پر اثر الفاظ کہے ہوں گے جیسے کہ سرہربرٹ ایڈورڈ نے اس کے لئے سزائے موت تجویز کرتے ہوئے کہے۔ سرہربرٹ نے کہا "یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ گیا ہے کہ یحییٰ علی ہی اس سازش کا کرتا دھرتا ہے جس کا انکشاف اس مقدمہ میں ہوا۔ وہ ایک مذہبی انسان تھا اور اس مذہبی رعایت کے ماتحت پٹنہ کی مسجد میں اسلام کے قابل نفرت اصولوں کی اشاعت کرتا رہا۔ اس نے اپنے ماتحت ایجنٹ رکھے ہوئے تھے۔ جو روپیہ جمع کرتے اور جہاد کی تعلیم دیتے تھے۔ اس نے اپنی سازشوں سے ہندوستانی حکومت کو ایسی سرحدی جنگوں میں دھکیل دیا جس میں سینکڑوں جانیں ضائع ہو گئیں۔ وہ بہت تعلیم یافتہ انسان ہے اور اپنی لاعلمی کا عذر پیش نہیں کر سکتا۔ جو کچھ اس نے کیا سوچ سمجھ کر عمداً" اور سخت باغیانہ طریقہ پر کیا۔ وہ موروثی باغی ہے اور ایک متعصب خاندان سے تعلق رکھتا ہے اس کی خواہش ایک مذہبی مصلح کے درجہ تک پہنچنے کی ہے۔ لیکن بنگال کے برہمو سماجی ہم وطنوں کی طرح دلیل اور فطرت صالح سے اپیل کے بجائے وہ اپنا مقصد سیاسی انقلاب سے پورا کرنا چاہتا ہے اور دیوانوں کی طرح اس حکومت کے خلاف سازش کرتا ہے جس نے شائد ہندوستانی مسلمانوں کو تباہی سے بچایا اور یقینی طور پر مذہبی آزادی عطا کی۔

جعفر عرضی نویس اور یحییٰ علی رئیس المبلغین نے 1864ء کے قیدیوں میں سازش کے مذہبی رہنما ہونے کی حیثیت سے نمایاں جگہ حاصل کی لیکن ان کی باغیانہ قابلیت کا عملی پہلو دہلی کے تھوک فروش قصاب اور پنجاب میں انگریزی فوجوں کو گوشت مہیا کرنے والے ٹھیکیدار محمد شفیع کی قابلیت سے بہت کم تھا۔

محمد شفیع شمالی ہندوستان کے ایک بہت بڑے تاجر خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ گورنمنٹ کے ساتھ اس کے خاندان کے تعلقات کی بنا ہمیں وارن ہیسٹنگز اور لارڈ کارنوالس کی جنگوں کی طرف لے جاتی ہے۔ محمد شفیع کے دادا پردادا معمولی چرواہے تھے جنہوں نے کچھ تو اپنی ہوشیاری اور کچھ کفایت شعاری سے دنیا میں نام پیدا کر لیا تھا۔ یہ زمانہ دولت کمانے کا تھا نہ کہ اس کو جمع کرنے کا۔ جنگ کے زمانہ کی قیمتیں رائج تھیں۔ فوجوں کی آمدورفت متواتر جاری تھی۔ اس لئے کمسریٹ والوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ شمالی ہندوستان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گڈریوں کے ساتھ تعلقات پیدا کئے جائیں ممکن ہے اس غدار خاندان کی برتری کا سبب 1769ء کا قحط ہو جس نے انگلستان کے باشندوں کو ہندوستان میں اپنی ذمہ داری محسوس کرنے کے لئے بیدار کیا تھا۔ اس کا دادا اس صدی کے آخری دس سالوں میں بہت بڑی ذمہ دار حیثیت پر پہنچ گیا۔ وہ کمسٹریٹ کے افسر انچارج کی پوری تسلی کے ساتھ بڑے بڑے ٹھیکے پورے کرتا رہا محمد شفیع کے والد نے اس تجارت کو اور زیادہ بڑھا دیا تھا۔ اس کے علاوہ جو معمولی معمولی چرواہوں کو وہ پیشگی دے دیا کرتا تھا اس کے پاس اور سرمایہ بھی تھا۔ اس سرمائے کو اس نے قابل اعتماد ضمانتوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ سود پر لگا دیا اس کا لڑکا بہت بڑی جائیداد کا مالک تھا۔ لیکن والد ہی کا پیشہ اختیار کرنے والی ہندوستانی ذہنیت کی تقلید میں اپنی خاندانی تجارت میں پوری قوت کے ساتھ مشغول ہو گیا وہ ایک ساہوکار اور تھوک فروش قصاب کی حیثیت سے ایسے ناجائز افعال کرتا رہا جن کی پاداش میں ان کو انبالہ کے جیل خانہ میں قید ہونا پڑا۔

چونکہ رئیس المبلغین سب کا سردار تھا۔ اس لئے یہ شخص اس سازش کا دست راست تھا۔ ہندوستان کے تمام شہروں میں اس کی ایجنسیاں تھیں۔ اور جرنیلی سڑک کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی انگریزی چھاؤنیوں میں اس نے گوشت کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ پنجاب کے بڑے بڑے تاجروں کے ساتھ اس کے خاندانی یا تجارتی تعلقات تھے وہ اپنے بڑھتے ہوئے ملازمین کے دائرے کا مرکز تھا جو شمالی ہند کے تمام حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے تجارتی کاروبار نے سرحد پار کی گڈریا اقوام کے ساتھ بھی اس کے تعلقات پیدا کر دیئے تھے۔ وہ ہر سال انگریزی حکومت سے لاکھوں پاؤنڈ وصول کرتا وہ اپنے کام میں وقت کا بڑا پابند تھا۔ وہ افسروں کا حکم خلاموں کی طرح بجالاتا تھا چنانچہ اس نے کمسٹریٹ کے افسر کو فریب دے کر فوج کو گوشت مہیا کرنے کے ٹھیکہ کی تجدید کرالی۔ درآنحالیکہ وہ ملکہ کے خلاف بغاوت کرنے کے الزام میں ماخوذ تھا۔

اس طرح ہمارا ملازم ہونے کی حیثیت سے جو عالمگیر اقتدار اسے حاصل ہو گیا تھا وہ اس کو ہماری تباہی اور بربادی کے لئے استعمال کرنے لگا۔ وہ اس سازشی جماعت کا ساہوکار تھا اور مجاہدین کو روپیہ پہنچانے کے لئے اس نے ان مراعات کو جو فوجی ٹھیکیدار ہونے کی حیثیت سے اسے حاصل تھیں نہایت چالاکی سے استعمال کیا۔ اس پر بذات خود کوئی مذہبی جوش نہ تھا۔ اس نے کسی بیہودہ تعصب کو اپنی عقل پر غالب نہ آنے دیا۔ وہ کسی مجاہدانہ قربانی کا ملزم نہ تھا۔ وہ اس عرصہ میں بہت ہی ہوشیار' دوربین اور کمینہ تجاویز سوچنے والا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہوا اس نے بہت زیادہ منافع حاصل کرنے کے لئے عمداً" اس خطرناک کام میں ہاتھ ڈالا اور اپنی قابلیت او اعلیٰ حیثیت پر اعتماد کیا جن کے متعلق خیال تھا کہ اسے راستہ کے تمام خطرات سے محفوظ رکھیں گی۔

جعفر عرضی نویس اور یحییٰ علی رئیس المبلغین نے اپنی وفاداری کا کبھی جھوٹا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہم سے کوئی مراعات طلب کیں۔ وہ بڑے مخلص اور بااصول انسان تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اس زہر آلود ہتھیار سے مجروح کیا۔ جس کو ایک جھوٹے[1] مذہب نے ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ لہٰذا اب جب کہ انہوں نے اپنی غداری کی سزا بھگت لی ہے۔ تاریخ ان کے اس انجام کو پر رحم جذبات کے ساتھ یاد کرے گی۔ مگر محمد شفیع جیسے شخص کے لئے اس قسم کے کوئی جذبات پیدا نہیں ہو سکتے اس نے ہمارے ہاتھوں کو کاٹنے کے لئے چاٹا اور ان لوگوں سے جو اس کے ساتھ سازش میں شریک تھے۔ ناجائز سود وصول کرتا رہا۔ اس نے باغیانہ خطرے کے درمیان دلالی کا کام بہت زیادہ منافع پر کیا۔ اور چھوٹے موٹے غداروں کے درمیان جن کو 1864ء کے مقدمہ نے انبالہ جیل میں جمع کر دیا۔ بالکل ہی الگ حیثیت رکھتا تھا۔ اس کو ان خطرناک بدمعاشوں کی یادگار سمجھئے جو روما کی جمہوریت کے زوال سے پیدا ہو گئے تھے اور جن کا حال سسرو (Cecero) کی آتش بیانی نے ہم تک پہنچایا۔ اس میں اوپیونیس (Oppianceins) کی بے رحمی اور لیٹیولس (Lantulus) کی احتیاط پائی جاتی تھی۔ ایک قدم جو اس نے اٹھایا یہ تھا کہ جنگی جہاز کے نمودار ہونے پر بھی اس نے بحری ڈاکوؤں کا ساتھ نہ چھوڑا۔

اب میں نے ان غداروں کی جماعت کی ان چار نمایاں شخصیتوں کا حال بیان کر دیا ہے جو ہر روز انبالہ کی عدالت میں اکٹھے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہوتے تھے۔ باقی آٹھ کا حال میں جج کے ان الفاظ میں جو اس نے فیصلہ سناتے وقت کہے تھے۔ مختصراً" بیان کرتا ہوں "رحیم قیدی کے متعلق یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس کے مکان میں باغیانہ کام سرانجام پاتے رہے۔ اسی کے مکان میں بنگالی مجاہدین اکٹھے ہوتے اور رہتے تھے۔ اسی کے خدمتگار کے پاس خزانہ ہوتا تھا۔ وہی رنگروٹوں کے کھانے پینے کا انتظام کرتا اور مجاہدین کو روپیہ بھیجتا۔ اسی کا سالار یحییٰ علی[2]۔ اس کے زنان خانہ کے دروازہ پر باغیانہ تبلیغ کرتا۔

---

[1] نقل کفر کفر نباشد۔ [2] یحییٰ علی رئیس المبلغین۔ عبدالغفار پٹنہ کے دارالاشاعت کا دنیاوی کاروبار سنبھالنے والا جعفر تھانیسر کا عرضی نویس جو رنگروٹوں کو پنجاب سے گزارتا تھا۔ اور محمد شفیع جو انگریزی فوجوں کو گوشت مہیا کرتا تھا اور باغیوں کو روپیہ پہنچاتا تھا۔ اور فوجی ٹھیکیدار ہونے کی حیثیت سے فوجی نقل و حرکت کی اطلاع دیتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ یحییٰ علی سے کم قابلیت رکھتا ہے اور زیادہ مشہور نہیں لیکن حکومت کے خلاف جو کچھ اس سے ہو سکتا تھا اس نے کیا۔

الٰہی بخش کے متعلق ثابت ہو گیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے ذریعہ پٹنہ کے مولوی جمع شدہ سرمایہ کو تھانیسر میں جعفر کے پاس پہنچاتے تھے تاکہ ملکا اور ستھانہ کو بھیج دیا جائے۔

پٹنہ کے ایک شخص حسینی کے متعلق ثابت ہوا کہ وہ الٰہی بخش کا نوکر ہے اور اس نے اس کو باغیانہ مقدمہ کے لئے روپیہ پہنچانے کے لئے ملازم رکھا۔ اس نے یحییٰ علی کے حکم کے مطابق عبدالغفار سے سونے کی مہروں کی بہت بڑی تعداد وصول کی اور ان کو اپنی واسکٹ میں سی لیا اور اس طرح ان مہروں کو پٹنہ سے دہلی لایا۔ جہاں اس نے حسب الحکم جعفر قیدی کے حوالے کر دیں۔ یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ اس کے چھ ہزار کے منی آرڈر تھے۔ وہ ان باغیانہ مقاصد کو اچھی طرح سمجھتا تھا جس کے لئے اسے ملازم رکھا گیا تھا۔

قاضی میاں جان کے متعلق ثابت ہو گیا ہے کہ اس کا کام جہاد کی تبلیغ اور بنگال میں مجاہدین بھرتی کرنا تھا وہ پٹنہ کے سازشیوں اور کوہستانی مجاہدین کا سرگرم رکن تھا وہ روپیہ جمع کرتا اور بھیجتا اور خطوط وغیرہ بھی پہنچاتا۔ چنانچہ ایک نہایت اہم باغیانہ خط و کتابت جو پٹنہ اور ملکا سے آئی تھی اسی کے گھر سے دستیاب ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین چار فرضی نام تھے۔

عبدالکریم کے خلاف ثابت ہو چکا ہے کہ وہ محمد شفیع قصاب کا خفیہ ایجنٹ تھا اور باغیانہ مقاصد کے لئے پٹنہ کے منی آرڈروں کا روپیہ دلواتا تھا۔ وہ اس مقصد کے لئے یحییٰ علی سے خط و کتابت بھی کرتا۔

تھانیسر کے حسینی قیدی کے خلاف ثابت ہوا ہے کہ وہ اس سازش میں محمد جعفر اور محمد شفیع قیدیوں کا خفیہ ایجنٹ اور دلال تھا۔ اور وہ جعفر سے محمد شفیع کی طرف 290 طلائی مہریں لے جاتا ہوا پکڑا گیا۔ اس کے ذمے یہ بات تھی کہ ان مہروں کو ملکہ کے دشمنوں تک پہنچائے۔

عبدالغفار[2] کے خلاف ثابت ہوا کہ وہ پٹنہ میں یحییٰ علی کا مرید تھا اور یحییٰ علی نے جعفر قیدی کی مدد کے لئے اس کو تھانیسر میں رنگروٹ بھرتی کرنے والی جگہ پر مقرر کیا۔

---

[1] اس نام کا ایک اور بھی عبدالغفار تھا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے اس کام میں ضرور معاونت کی نیز یہ کہ وہ یحییٰ علی کے ساتھ باغیانہ امور کے بارے میں خط و کتابت بھی کرتا۔

اس بغاوت کے تین نمایاں پہلو جو مقدمہ کے دوران ظاہر ہوئے یہ ہیں۔ پہلی وہ حیرت انگیز قابلیت جس سے دور دراز تک پھیلی ہوئی بغاوت کو منظم کیا گیا دوسرے وہ رازداری جس کے ساتھ اس کی مختلف پیچیدہ کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔ تیسرے وفاداری کا وہ رویہ جو اس کے ممبروں نے ایک دوسرے کے ساتھ روا رکھا۔ ان کی کامیابی کا راز ان کے عمدہ فرضی ناموں کی ترکیب اور خفیہ زبان پر تھا جس کا نمونہ ذیل میں پیش کرتا ہوں[2]۔ لیکن میں اس یقین کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ تمام سازشی سوائے محمد شفیع فوجی ٹھیکیدار کے اپنا کام انتہائی خلوص اور فطری جوش کے ساتھ خدائی کام سمجھ کر کرتے۔ ان کا عہد تھا کہ مرتے دم تک اس فرض کو سرانجام دیں گے۔ انگریزی حاکموں نے بھی اس کا کام نہایت دانشمندانہ طریقے سے کیا۔ کیونکہ ان میں جو بدترین باغی تھا اسے بھی شہادت کا درجہ حاصل نہ ہوا صوبے کی سب سے بڑی عدالت نے ان کی اپیل کو نہایت متانت کے ساتھ سننے کے بعد مسٹر ہربرٹ کی اس رائے سے پورا پورا اتفاق کیا کہ وہ فی الواقعہ مجرم ہیں اور تین بین صورتوں میں بھی پھانسی کی سزا کو جس بعبور دریائے شور سے بدل دیا۔

---

[1] 1864ء کے مقدمہ کی داستان کے لئے میں نے اپنے اس مضمون سے مدد لی جو میں نے 64ء میں لکھا تھا۔ تمام واقعات مقدمہ کی تصدیق شدہ ریکارڈ سے لئے گئے ہیں۔ یا وہ مقامی حاکم کے خطوط اور سرکاری رپورٹوں سے لئے گئے ہیں۔ [2] جنگ کو مقدمہ کہا جاتا تھا۔ خدا کو قانونی ایجنٹ۔ طلائی مہروں کو سرخ ہیرے یا دہلی کے بڑے سنہری جوتے یا بڑے سرخ جانور۔ طلائی مہروں کی ادائیگی کو سرخ دانوں والی تسبیح کہتے تھے اور روپے پیسے کی ادائیگی کو کتابوں اور دوسری تجارتی چیزوں کی قیمت' ڈرافٹ اور منی آرڈر کو سفید پتھر اور ان کی تعداد کو تسبیح کے دانوں سے مشابہت دی جاتی۔ سرکاری رپورٹ پیرا نمبر 184-187 پنجاب جوڈیشل کمشنر کی عدالت میں اس اپیل کو فیصلہ مورخہ 24 اگست 1864ء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن 1864ء کا سیاسی مقدمہ غداروں کے جوش کو ٹھنڈا کرنے میں ایسا ہی ناکام ثابت ہوا جیسا کہ 1863ء کی تادیبی مہم۔ ان کے اندرونی اختلاف نے کچھ سالوں کے لئے انہیں سرحد پر خاموش رکھا۔ مگر اس کے باوجود ہمارے علاقہ میں جہاد کی تبلیغ بدستور جوش و خروش کے ساتھ ہوتی رہی۔ مشرقی بنگال کے ہر ضلع میں بغاوت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ دریائے گنگا کی وادی میں پٹنہ سے لے کر سمندر کے مسلمان کسان مجاہدین کے کیمپ کے لئے ہفتہ وار امدادی نذرانے مخصوص کرنے کے عادی ہو چکے تھے ان نذرانوں کا اصلی حصہ جو سرحد پر پہنچتا اس کے متعلق بہت سے شکوک ہیں اس لئے کہ جوں جوں روپیہ پہنچانے کے راستے میں رکاوٹیں بڑھتی گئیں اسی اعتبار سے مبلغین اس کی زیادہ مقدار اپنے استعمال میں لانے لگے جس کی ان کا پرانا جوش ہرگز اجازت نہ دیتا تھا۔

دہانہ گنگا کے متعصب مسلمان اپنے آپ کو وہابی نہیں بلکہ فرازی[1] کہتے ہیں۔ یعنی زیادہ اعلیٰ مذہب کے پیرو۔ وہ اپنے آپ کو نو مسلم کہہ کر پکارتے ہیں کلکتہ کے مشرقی اضلاع میں ان کی ایک کافی تعداد رہتی ہے۔ ہم اس سے پہلے دیکھ آئے ہیں کہ 1831ء میں ایک مقامی لیڈر نے تین چار ہزار آدمیوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا اور کلکتہ کے ملیشیا کی ایک جماعت کو شکست بھی دی تھی۔ یہاں تک کہ باقاعدہ فوج ہی کی مدد سے ان کو دبایا جا سکا۔ 1843ء میں اس جماعت نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی اور حکومت کو اس کی بالخصوص تحقیقات کرنا پڑی۔ بنگال کے پولیس افسر نے رپورٹ کی تھی کہ ان کے صرف ایک واعظ نے اسی ہزار مرید جمع کر رکھے ہیں جو آپس میں پورا پورا بھائی چارہ رکھتے اور ہر ایک کے منشا کو جماعت کا منشا سمجھتے ہیں۔ بعد کے خلفا خصوصاً" یحییٰ علی نے جنوبی بنگال کے فرازیوں کو شمالی ہندوستان کے وہابیوں میں مدغم کر دیا تھا۔ اور گزشتہ تیرہ برس سے ہم ان کو میدان جنگ کے مقتولین اور عدالتوں کے کٹہروں میں ساتھ ساتھ کھڑا دیکھتے ہیں۔

1864ء سے 1868ء تک جمع شدہ سرمایہ اور آدمی حسب دستور سرحد جاتے رہے۔ چنانچہ اس سازش کو قابو میں لانے کے لئے ہمیں ایک علیحدہ محکمہ قائم کرنا پڑا۔ اس وقت وہابیوں کی دیکھ بھال اور ان کو اعتدال پر رکھنے کے لئے صرف ایک ہی صوبے کا خرچ اس قدر بڑھ گیا تھا جتنا ایک انگریزی ضلع کا جس میں سکاٹ لینڈ سے ایک تہائی انسان بستے ہیں۔ اس کے بندوبست' عدالت اور جرائم کی تحقیقات پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ یہ شرانگیزی

---

[1] افراز۔ بلند' وہ اپنی جماعت کا بانی تیطومیاں کو نہیں بلکہ شرکت اللہ کو جو ڈھاکہ میں 1822ء میں وعظ کیا کرتا تھا قرار دیتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حد تک پھیل چکی ہے اور ہمارے لئے اس بات کا معلوم کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے کہ اصلاح شروع کی جائے تو کہاں سے ہر ایک ضلع کا مرکز ہزاروں خاندانوں میں بے اطمینانی پھیلاتا ہے اور ان کے خلاف صرف وہی لوگ شہادت دے سکتے ہیں جو ان کے مرید ہوں لیکن ان کا یہ حال ہے کہ اپنے سردار سے غداری کی بجائے موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

1868ء میں ہماری پولیس کی تگ ودو اور سرحد پر فوجی چوکیوں کے باوجود ان مجاہدین کی سازشوں نے حکومت ہند کو ایک اور خونریز جنگ میں دھکیل دیا۔ جس میں ہمارا بہت سا روپیہ خرچ ہوا۔ اسی سال مالدہ کے مرکز نے بے خطر ہو کر پٹنہ کے خلیفہ کے لڑکے کو دعوت دی کہ وہ بنگال کے عین وسط میں پہنچ کر بغاوت کی تبلیغ کرے۔ روزمرہ کی عدالتی کارروائیاں اس بحران کو روکنے کے لئے بالکل بیکار ثابت ہوئیں اور حکومت کو ان اختیارات خصوصی سے کام لینا پڑا جن کے استعمال کا ایسے مواقع پر اس کو اختیار دیا گیا ہے۔ گزشتہ زمانہ میں یہاں تک کہ 1818ء میں مجلس قوانین ساز نے اس خطرہ کو باقاعدہ طور پر محسوس کر لیا تھا جو ہماری ایسی حکومت کو جس کی ترکیب چند اجنبی اشخاص سے ہو مفتوح قوم کے عوام کی بھاری اکثریت سے پیش آسکتا ہے۔ اس بنا پر اس نے محکمہ منتظمہ کو سازش کے وقت گرفتاریاں کرنے کا اختیار دے دیا تھا ایسے قومی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اگرچہ انگلستان میں (Hepeascarpus) کو ملتوی کر دیا جائے گا مگر ہندوستان میں اس التوا سے جو مصیبت نازل ہو گی وہ کسی صورت میں مارشل لاء کے نفاذ سے کم خطرناک نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر موجودہ موقع پر مسلمانوں کی صرف ایک جماعت قابل مواخذہ ہے۔ تمام مسلمان کل آبادی کا دسواں حصہ ہیں۔ اگر کوئی قانون ایسا نافذ کر دیا جائے جس سے (Hepeascarpus) ملتوی ہو جائے تو نہ صرف ہندو جو ہندوستان کے اصلی باشندے ہیں بجا طور پر شکایت کریں گے کہ ان کے بدترین دشمن مسلمانوں کی غداری کی وجہ سے انہیں بھی تکلیف میں ڈالا جا رہا ہے بلکہ خود مسلمانوں میں شیعہ اور سنی جماعتیں پرزور احتجاج کریں گی کہ انہیں وہابی بدعتیوں کے ساتھ ایک ہی حکم امتناعی کے ساتھ کیوں رکھا گیا ہے۔

یہ بے انصافی ایک دوسری صورت حال کے ماتحت جس کا خوش قسمتی سے انگلستان میں رواج نہیں لیکن ہندوستان میں عام ہے اور بھی بڑھ جائے گی۔ ایک بنگالی خواہ امیر ہو یا غریب اپنے دشمن کے ساتھ بے حد کینہ رکھتا ہے وہ اپنے دشمن سے انتقام لینے کے لئے کسی قسم کے تشدد کو کام میں نہیں لاتا بلکہ اس کو عدالتی مقدمات میں الجھا دے گا وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدالتوں کو اس کام کے لئے استعمال کرتا ہے جس کام کے لئے ایک انگریز اپنا چابک اور کیلے فورنیا کا باشندہ اپنا پیش قبض استعمال میں لاتا ہے کسی کو ذاتی رنجش کی بنا پر سزا دینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے خلاف عدالت میں استغاثہ دائر کیا جائے۔ اس لئے (Hepeacarpus) کا عام التوا ہر شخص کو اس کے دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گا۔ ہندوستان میں پولیس کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹے مقدموں کی تعداد سچے مقدموں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے اور بنگالی تو جھوٹے مقدموں کو ظاہرا" سچا ثابت کرنے کے خطرناک کام کو سائنس کے درجہ پر لے گئے ہیں۔ لہٰذا (H-C) کے حق کا باقاعدہ التوا اس امر کا مترادف ہوگا کہ جھوٹے مقدمات کے سلسلوں کو جاری رکھنے کا اعلان عام کر دیا جائے بیگناہوں کو ہر وقت خطرہ لگا رہے گا کہ وہ قید یا بغاوت کے الزام میں جیل خانوں میں پڑے رہیں گے اور انتقام پسند اور کینہ پرور لوگ ہمیشہ کامیاب ہوتے رہیں گے۔

پھر بھی اگر بغاوت کے وقت گرفتار کرنے کا حق ان کے پاس نہ ہو جیسا کہ انگلستان میں ملکہ کے وزراء کو (H.C) کو ملتوی کرنے کا حق ہے تو ہندوستان میں انگریزی حکومت ایک مہینہ تک بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے مجلس مقننہ نے محکمہ منتظمہ کو اس قسم کی ترمیم شدہ طاقت بطور استحقاق دے رکھی ہے لیکن اس کے ساتھ ایسی قیود اور پابندیاں بھی لگا دی ہیں جن کی بنا پر قانون کا ناجائز استعمال نہ کیا جا سکے۔ اگر کبھی ضرورت پیش آئے تو اس استحقاق سے صرف حکومت اعلیٰ ہی کام لے سکتی ہے اور وہ بھی اس وقت جب اس نے گورنر جنرل باجلاس کونسل سے منظوری حاصل کرلی ہو۔ پھر تمہید ہی میں اس قانون کے نفاذ کو صرف ان سیاسی معاملات تک محدود کر دیا ہے جن کا اثر انگریزی حکومت کے خارجہ تعلقات یا دیسی ریاستوں میں جن کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔ امن و امان قائم رکھنے سے ہو۔ یا جن کا اثر انگریزی علاقے کو کسی بیرونی حکومت کے حملے یا اندرونی بغاوت سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے[1]۔ اس قسم کے قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے کے لئے خاص دفعات بنا لی گئی ہیں۔ قانون میں ان کی حیثیت کو اخلاقی مجرموں سے بالکل علیحدہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ اور ان کو قیدی نہیں بلکہ نظر بند کہا جاتا ہے ان کو گورنمنٹ

---

[1] اس سے مراد بنگال گورنمنٹ ہے جو قانون منظور کرتے وقت حکومت اعلیٰ کی قانونی اور تاریخی نمائندہ تھی۔ ریگولیشن iii 1818ء نمبر 1

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے ان کو گورنر جنرل باجلاس کونسل کے پاس براہ راست بھیجنے یا مطالبہ کرنے کی آزادی حاصل ہے جو افسر ایسے شاہی قیدیوں پر متعین ہوتا ہے وہ اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے افسر اعلیٰ کو اطلاع دیتا رہے کہ آیا نظربندی سے کسی کی صحت کو نقصان تو نہیں پہنچا۔ اور اس کا وظیفہ اتنا ہے کہ اس کی اور اس کے اہل و عیال کی اس کے میعار زندگی کے مطابق کفالت کر سکے۔ اس کی جائیداد بھی عموماً" اس کے یا اس کے خاندان ہی کے ہاتھ میں رہتی ہے لیکن اگر گورنمنٹ کے لئے ضروری بھی ہو جائے کہ اس کی جائیداد پر قبضہ کرلے تو اسے مالگزاری کی ادائیگی یا دیوانی عدالت کی کسی ڈگری میں نیلام نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقتاً اس جائیداد کو وہ تمام سہولتیں حاصل ہوتی ہیں جو کورٹ آف وارڈ میں آئی ہوئی جائیدادوں کو دی گئی ہیں۔ بروئے قانون اس بات کی خوب احتیاط کی جاتی ہے کہ ان پر خواہ مخواہ زیادہ دیر تک قیود عائد نہ ہوں چنانچہ ہر افسر جو اس شاہی قیدی پر مامور ہو جس کو محکمہ منتظمہ نے نظربند کر رکھا ہے مجبور ہے کہ اس کے چال چلن صحت اور سہولت کے متعلق براہ راست حاکم کے پاس سال میں دو دفعہ رپورٹ کرے تاکہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اس امر کا فیصلہ کر سکے کہ آیا اس کی نظربندی کے احکام جاری رہیں یا ان میں کوئی ترمیم کر دی جائے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر یہ قانون اس اتحاد کے خلاف نافذ کیا جاتا۔ جو 1858ء کی مہم اور اس کے بعد تحقیقات سے معلوم ہوا تھا تو انگریزی ہندوستان کو 1863ء کی تباہ کن سرحدی جنگ سے نجات مل جاتی۔ تھوڑی سی دانشمندانہ گرفتاریاں درہ امبیلا میں تقریباً" ایک ہزار سپاہیوں کے قتل اور لاکھوں پونڈ کی رقم کو بچا سکتی تھیں۔ پھر اس تباہ کن جنگ کے بعد بھی اگر اس سازش کو جو 1864ء کے سیاسی مقدمے سے منکشف ہوئی تباہ کرنے کے لئے محکمہ منتظمہ گرفتار کرنے کے استحقاق کو سختی کے ساتھ استعمال کرتا تو بہت ممکن تھا کہ ہمیں 1864ء میں کوہ سیاہ کی مہم سے نجات مل جاتی لیکن ان وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر میں نے کسی اور جگہ کیا ہے ہندوستان کی حکومت اپنے گرد کے سیاسی خطرات کو خاطر میں نہیں لاتی اور اس کی یہ عادت وقتاً" فوقتاً" اسے خطرے میں ڈال دیتی ہے۔

انگلستان نے بہت بڑی بازی ہندوستان میں لگا رکھی ہے۔ جب سے یہ ملک انگریزی حکومت کے زیر اقتدار آیا ہے۔ انگریزی سرمایہ دار کروڑوں پونڈ ہر سال ریلوں، نہروں اور دیگر منفعت بخش کاموں پر لگاتے ہیں۔ اگر ہماری حکومت میں عارضی طور پر بھی فرق آگیا تو یہ ایک بڑی تباہ کن مصیبت ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرحد پر تباہ کن جنگیں اور اندرون ملک میں عدالتی سزائیں اس قابل نہ ہوئیں کہ مجاہدین کے اتحاد کو توڑ سکیں۔ آخر 1868ء میں گورنمنٹ نے فیصلہ کیا کہ مجرموں کو گرفتار کرنے کے لئے اپنے استحقاق گرفتاری کو سختی کے ساتھ استعمال کرے۔

یہ اقدام بیگناہوں کو تکلیف پہنچائے بغیر کیا جا سکتا ہے اور اس میں عوام الناس کی طرف سے کسی قسم کی شورش کا اندیشہ بھی نہیں۔ غداروں کے سرداروں کی ضلع وار فہرست کئی سال سے حکومت کے پاس تھی اور ہندوؤں کو بھی ان کی جلد یا بدیر گرفتار ہونے کی توقع تھی۔ سازش کے مشہور و معروف مبلغین کو گرفتار کر لیا گیا اور وہ ساحرانہ اثرات جو انہیں نے اپنے مقلدین میں پیدا کر رکھے تھے زائل کر دیئے گئے رفتہ رفتہ ان تمام خفیہ اور کمینہ غداروں کے خلاف شہادتیں جمع کر لی گئیں جو لوگ امیر تھے اور روپیہ بہم پہنچانے کا کام کرتے تھے۔ انہوں نے 1864ء والے مقدمے کے فوجی ٹھیکیدار کی طرح باغیانہ خطرے کے ماتحت دلالی کا بہت ہی منفعت بخش کاروبار چلا رکھا تھا۔ میں ان مقدمات میں سے ایک کا قصہ بیان کر چکا ہوں جو گزشتہ سال مالدہ کے مرکز اعلیٰ کے مقدمے کے بعد شروع ہوا۔ اس وقت قیدیوں کا ایک گروہ جس کو محکمہ منتظمہ نے گرفتار کیا تھا۔ مجسٹریٹ کی باقاعدہ تحقیقات کے بعد سیشن سپرد ہو چکا ہے اور ان کے خلاف پٹنہ میں قانونی کارروائی ہو سکتی ہے۔

ان گرفتاریوں اور عدالتی کارروائیوں نے آخر مسلمانوں کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا جو مجاہدین کی یہ جماعت تمام اہل اسلام پر نازل کر رہی تھی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان بدعتی سازشیوں سے اپنے آپ کو کھلم کھلا بری الذمہ ثابت کیا جائے اس بنا پر ایک جماعت نے جہاد کے متعلق اپنے علماء کے فتوے بھی شائع کر دیئے ہیں اور وہابی بغاوت کی مذمت کی ہے۔ یہ عجیب و غریب دستاویزات ہمارے آئندہ باب کا موضوع ہوں گی۔ انجام کار مجاہدین کی سازش میں بھی تباہی کے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔ اس کے نمایاں اور سرگرم لیڈر نظربند ہیں اور باقی ماندہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے کبھی نمایاں ہونے کی کوشش کی تو ان کا بھی ویسا ہی حشر ہوگا۔ بایں ہمہ اس بہت بڑے دینی اتحاد کا مرکز ابھی تک سرحد پر قائم ہے۔ آج ہی صبح جب میں اس باب کو ختم کر رہا تھا ایک معتبر ہندوستانی اخبار نے کوہ سیاہ پر ایک اور چھاپے کی اطلاع دی ہے۔ 4 جون کو ایک قبیلہ کا حملہ ہوا۔ جس نے آبادی کے سخت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقابلہ کے باوجود تین گاؤں[1] کو جلا دیا۔ اس جہاد کے چار گھنٹوں کے اندر اندر 3 پنجابی پیادہ اور 4 پنجابی سواروں کے ایک حصہ نے ہماری قریب ترین چھاؤنی سے کوچ کرنا شروع کر دیا۔ اس کا کیا انجام ہوا؟ اس کے متعلق ابھی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ نہ یہ معلوم ہو سکا ہے کہ یہ حملہ مجاہدین کا تھا یا کسی اور کا۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ انگریزی ہندوستان کے اخبارات کئی ہفتوں سے ایک اور افغانی جنگ کے امکانات پر بحث کر رہے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ مصیبت پھر ہماری قسمت میں لکھی ہے تو سب سے پہلے اندرون ملک میں وہابیوں کی سازش کو کلی طور پر نیست و نابود کرنا ایک بہت بڑے خطرے کو رفع کرنے کے مترادف ہوگا۔

www.KitaboSunnat.com

[1] شملہ 17 جون 1871ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب سوم

علماء کے فتوے

بنگال میں وہابی اپنے باغیانہ سلسلہ کی اشاعت برادران وطن کی مخالفت کے بغیر نہ کر سکے۔ علاوہ ان دینی مباحث کے جو مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں ایسی ہی سختی کے ساتھ جاری ہیں۔ جیسے عیسائیوں میں' وہابیوں کا کسی ضلع میں موجود ہونا بذات خود اس ضلع کے تمام مسلمان اور ہندو زمینداروں اور تاجروں کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے۔ وہ سیاسیات اور مذہب دونوں میں انقلاب چاہتے ہیں ان کا کام لوتھر اور کرامویل کی طرح تعمیری نہیں بلکہ رویس پیپر اور اینٹورپ کے ٹینچلین (Tanchlin)[1] کے کام کی طرح تخریبی ہے جس طرح اٹریشیٹ (Utrecht) کے پادری آخرالذکر مصیبت کے ظہور پر ڈر کے مارے چیخ اٹھے تھے۔ بعینہ مسلمان ملا بھی جن کی مسجد کے ساتھ چند ایکٹر زمین یا کوئی خانقاہ[2] ضرور ہوتی ہے۔ گزشتہ نصف صدی سے وہابیوں کے خلاف پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ 1813ء 1830ء کے درمیان کوئی وہابی مکہ معظمہ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالے بغیر نہ پھر سکتا تھا جہاں سے آج بھی اسے بے عزتی اور مارپیٹ کا خوف دامنگیر رہتا ہے۔

دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی زمیندار اور مذہبی راہنما متفقہ طور پر ہر قسم کے انقلاب سے ڈرتے ہیں مسلمان زمیندار ویسے ہی مسجدوں کی حفاظت کرتا ہے۔ جیسے انگریز زمیندار قائم شدہ گرجوں کی۔ مسلمہ حقوق کے لئے جھگڑے کا وجود ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔ خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی ہندوستان کے وہابی دونوں پہلوؤں سے سخت انقلاب پسند واقع ہوئے ہیں۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے ان کی مثال اینابیپٹس کی ہے اور (نقطہ منارکی) ملوکیت پنجم کے ہوا خواہوں اور جہاں تک سیاسیات کا تعلق ہے۔ اشتراکی اور سرخ جمہوریت کی۔ انہوں نے ابتدا ہی سے ان مسلمانوں کی اچھی طرح خبر لی ہے جو

---

[1] اس کا خیال تھا کہ اس کی جماعت ہی صحیح عیسائی تھی اس کے اردگرد تین ہزار سپاہی جمع رہتے تھے۔ لوگ اس کو فرشتہ سمجھ کر پرستش کرتے تھے وہ اس پانی کو پیتے تھے جس سے وہ غسل کرتے تھے۔ (بنکمیلن کی تاریخ لیٹن کرسچیانٹی جلد 5 ص 389 ایڈیشن 867)

[2] عام طور پر ایک خانقاہ ہوتی تھی جس کے ساتھ کچھ زمین نیک کاموں کے لئے وقف کی جاتی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے عقائد کی مخالفت کے جرم کے مرتکب ہوئے چنانچہ 28-1827ء میں ان کا روحانی امام پشاور کے سخت گیر گورنر کے خلاف اس سختی سے برسرپیکار ہوا جیسے ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف 1831ء میں کلکتہ کے گردونواح میں جو بغاوت ہوئی اس میں یہ لوگ بلاامتیاز ہندو اور مسلمان زمینداروں کے گھروں میں گھس گئے اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمان زمینداروں کو کہیں زیادہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ ان لٹیروں کی عادت تھی کہ بعض اوقات اپنے کسی بدعقیدہ ہم مذہب کی لڑکی کو بدعات سے نجات دلانے کے خیال سے زبردستی اٹھا کر لے جاتے اور اپنے کسی ڈاکو سردار سے اس کا نکاح کر دیتے۔ پندرہ سال کے بعد اس جماعت کے متعلق بیان تھا کہ یہ گروہ اسی ہزار اشخاص پر مشتمل تھا۔ ان میں کامل اخوت پائی جاتی تھی اور وہ ادنیٰ طبقہ کے لوگوں سے بھرتی کئے گئے تھے۔ اور یہ امر ہر شریف زمیندار کے لئے بہت بڑی پریشانی کا موجب تھا۔

اس قسم کے متعصب مذہبی لوگ سرمایہ دار قوم یا آرام پسند جماعتوں کے نزدیک بھی کسی قسم کی حمایت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ مگر بنگال کی ایک خاص تجارت جس میں بہت زیادہ کاروبار ہوتا ہے اور جسے بہت بڑا اثر حاصل ہے) ہمیشہ ان کی پشت پناہی کرتی رہی۔ ہندو قصابوں اور چرم فروشوں کو بہت بری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ناپاک ہاتھ سے گائے' ایسے پوتر جانور کے مردہ جسم کو مس کرتے اور اس کی موت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ ایسا انسان مادرزاد بھرشٹ اور مہذب سوسائٹی سے خارج تصور ہوگا وہ دولت کی کثرت یا اپنے نفرت انگیز پیشہ کی کامیابی کے باوجود کوئی عزت حاصل نہیں کر سکتا۔ ایک سچے ہندو کی طرح اسے اپنی اس ذلیل حیثیت کو بے چون و چرا تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس کی معاشرتی حیثیت کو اونچا کرنے میں کوئی کوشش کارگر نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ اس نے اس قسم کی کوشش کبھی کی ہی نہیں۔ وہ لاکھ دیانت دار اور نیک ہو اس کے ہمسایوں کے دل میں اس کے لئے تعریف و تحسین کا کوئی جذبہ پیدا نہ ہوگا۔ اندریں حالات وہ ان اوصاف کی سرے سے پرواہ نہیں کرتا۔ اگر گاؤں میں گائیں اتنی تعداد میں مرتی رہیں جس سے اس کو چمڑے کی مطلوبہ مقدار حاصل ہو جائے تو فبہا ورنہ سنکھیا ان کی شرح اموات کو پورا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس قسم کا ناکارہ انسان خوردہ فروشی سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لئے چمڑے کی تھوک فروشی کا کاروبار (جو ہندوستان کی ایک بہت بڑی تجارت ہے) مسلمان تاجروں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے مسلمان ان جذبات سے مطلق اعتنا نہیں کرتے جو اس متبرک جانور کی کھال کی تجارت سے ہندوؤں کے دلوں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ چمڑے کے مسلمان تاجر ہندوستان کی بہت بڑی مالدار اور تاجر قوم سے ہیں لیکن ہندو ان کو انتہائی نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کا خمیازہ ان کو ایک دوسری شکل میں اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ مسلمان تاجر خوب جانتے ہیں کہ برہمنوں کو تھوڑی دیر کے لئے بھی غلبہ حاصل ہو گیا تو سب سے پہلے وہی ان کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنیں گے۔ لہٰذا وہ ہندو کفار کو اپنا دلپسند شکار سمجھتے ہیں اور وہابیوں کے نہایت طاقتور اور مالدار پشت پناہ بن گئے ہیں جن کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ کفار کے خلاف جہاد کریں۔

مگر وہابی اپنی طاقت و اثر کے لئے کسی جماعت کے دست نگر نہیں ہیں خواہ وہ جماعت کیسی ہی طاقتور اور مالدار کیوں نہ ہو۔ وہ نہایت دلیری کے ساتھ عوام الناس میں تبلیغ کرتے ہیں ان کا سیاسی اور مذہبی نصب العین انقلاب پسندوں کی امید و بیم کے عین مطابق ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے اور اب پھر بڑی مسرت کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ ان میں ہزارہا اشخاص ایسے بھی موجود ہیں جو واقعتہ" بڑے ہی متقی اور نفس کشی کو اپنی زندگی کا فرض اولین تصور کرتے ہیں۔ یہی افراد اصل میں تمام جماعت کی برتری کا باعث ہیں اور یہ انہی کی برکت ہے کہ اس جماعت کو دنیادار لوگوں کی اکثریت بڑی عزت اور تقدس کی نظر سے دیکھتی ہے۔ بہترین وہابی وہ ہے جو نہ کسی سے ڈرے نہ کسی پر رحم کھائے۔ اس کی زندگی کا راستہ صاف ہے کسی قسم کی تحدید یا تشدد اس کو اپنی راہ سے منحرف نہیں کر سکتا۔ اس وقت بھی بنگال کے جیل خانہ میں ایک بہت ہی بزرگ اور سفید ریش انسان قید ہے جس کا دامن زندگی کی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہے۔ بجز اس کے کہ وہ بہت ہی سخت اور مستقل غدار واقع ہوا ہے۔ حکومت کو تیس سال سے اس کی ان باغیانہ سرگرمیوں کا علم تھا اور وہ خود بھی جانتا تھا کہ حکومت اس کے کارناموں سے بے خبر نہیں۔ 1849ء میں اسے باقاعدہ متنبہ کیا گیا تھا۔ 1853ء اور اس کے بعد 1857ء میں بھی اسے پھر تنبیہہ کی گئی تھی۔ آخر 1864ء میں وہ مجسٹریٹ کی کھلی عدالت کے سامنے طلب ہوا تاکہ اس کو آخری مرتبہ سرزنش کر دی جائے لیکن مجسٹریٹ کے تمام پند و نصائح بے کار ثابت ہوئے حتیٰ کہ 1869ء میں اسے نظر بند کرنا پڑا۔ اس قسم کے افراد کے معاملہ میں بڑی مشکل پیش آتی ہے یہ ایک قدرتی بات ہے کہ حکومت انہیں جو راسخ العقیدہ ہوں اور اپنے اعتقادات کے مطابق صالح اور پاک باز بھی انتہائی سزا دینے سے اجتناب کرے۔ ان کے متعلق شاید یہی بہتر ہے کہ تھوڑی سی قیود کے ساتھ نظر بند کر دیا جائے تاکہ وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کو ورغلا نہ سکیں۔

وہابی عقیدہ اختیار کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ اول تو جو شخص اس مذہب کا پیرو ہوگا اس کو سالانہ بہت سا مال اس کی امداد کے لئے علیحدہ کرنا پڑے گا پھر اگر کوئی اس میں زیادہ سرگرمی سے حصہ لے اور سرحدی کیمپ میں داخل ہو جائے تو اس کو اس سے بھی دشوار تر حالات پیش آئیں گے۔ میں نے ان شہادتوں سے زیادہ اور کوئی قابل رحم شے نہیں پڑھی جو ان رنگروٹوں نے گزشتہ مقدمات کے دوران میں دی تھی۔ ججوں کے فیصلے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہابی مبلغین مشرقی بنگال کے تقریباً" ہر ضلع سے سینکڑوں بہکائے ہوئے نوجوانوں کی جن کی عمر بالعموم بیس برس سے بھی کم تھی۔ ان کے والدین کی اجازت کے بغیر یقینی تباہی کی طرف لے گئے انہوں نے ہزاروں کسان گھرانوں میں مصیبت اور غم کی لہر دوڑا دی اور کسان آبادیوں میں شاید ہی کوئی ایسی ہو جو اپنے ہونہار نوجوانوں کے متعلق دائمی تشویش میں مبتلا نہ ہو کسی وہابی باپ کو اس بات کا علم نہ تھا کہ اس کا پاکباز اور تنومند لڑکا کب اچانک گاؤں سے غائب ہو جائے گا۔ ان نوجوانوں میں سے جو اس طرح راہ فرار اختیار کرتے۔ اکثر متعدی امراض۔ قحط اور تلوار کے گھاٹ اتر جاتے اور جو ان میں سے واپس آتے وہ اس یقین کے ساتھ کہ انہیں محض قربانی کا بکرا بنایا گیا اور وقت گزرنے پر ان سے بے اعتنائی برتی گئی۔ یہاں اس شخص کا قصہ بیان کیا جاتا ہے جس کو اس مہم میں کم سے کم مصائب برداشت کرنا پڑے۔

"میں پٹنہ کے خلیفہ کا مرید ہوں۔ دس بارہ سال کی عمر میں رام پور بولیار (جنوبی بنگال میں ایک قصبہ ہے گواہ کے گاؤں کے پاس) میں ان کے یہاں تعلیم حاصل کرنے چلا گیا۔ میرے استاد جہاد کا نقشہ تیار کر رہے تھے اور آدمی اور روپیہ بھیجنے کے انتظام میں مصروف تھے۔ جب میری عمر پندرہ سال کی ہوئی تو مجھے بھی جہاد میں حصہ لینے کے لئے سرحد بھیج دیا گیا۔ ہم نے یہ سفر پٹنہ اور دہلی کے راستے طے کیا (جو سرحدی کیمپ سے تقریباً" دو ہزار میل کے فاصلے پر ہے) میں پٹنہ میں خلیفہ صاحب کے پاس ایک رات ٹھہرا۔ دہلی میں میرے ساتھی تو آگے چلے گئے لیکن میں ایک عالم کے پاس ڈیڑھ سال اور تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اس کے بعد جب ایک گروہ سرحدی کیمپ جاتے ہوئے دہلی سے گزرا تو میں بھی ان کے ساتھ گجرات چلا گیا۔ تھوڑی مدت کے بعد وہاں سے ایک اور گروہ پہنچ گیا اب میں ان کے ساتھ پہاڑوں پر چلا گیا۔ یہاں پر مجھے یقین دلایا گیا کہ امام سید احمد صاحب نے دوبارہ ظہور فرمایا ہے۔ میں نے وہاں آٹھ نو ہزار آدمیوں کے مجمع کو دیکھا۔ ان کا سردار میرا وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استاد تھا جس کے پاس میں اس وقت پڑھا کرتا تھا جبکہ میری عمر بارہ برس کی تھی۔ وہ اب پٹنہ کا خلیفہ منتخب ہوا ہے لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ کسی امام نے ظہور نہیں کیا اور یہ سب کچھ محض دھوکہ ہے۔ اس پر میں اور بعض دوسرے آدمی ناراض ہو گئے اور دہلی واپس چلے آئے کچھ دنوں بعد ایک عرب دہلی آیا اور اس نے مجھے یقین دلایا کہ امام صاحب ستھانہ میں ظاہر ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اسنے مجھے جہاد میں شرکت کے لئے آمادہ کر لیا جب میں ستھانہ پہنچا تو امام صاحب کے ظہور کے متعلق پھر دریافت کیا لیکن مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ لہٰذا مجھے یہ محسوس کرنے میں دیر نہیں لگی کہ ہمیں پھر دھوکہ دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انگریزی سپاہ ہم پر حملہ آور ہو رہی تھی تو میں دہلی بھاگ گیا اور پھر اپنے گھر چلا آیا۔[1]

یہ اس رنگروٹ کی کہانی ہے جس کی بہت دیکھ بھال کی گئی اور جو صحیح سلامت واپس آگیا تھا میں ان بدقسمت انسانوں کی تکلیف دہ حکایات کو بیان کرنا نہیں چاہتا جو راستہ ہی میں سردی یا غربت کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ صرف ایک ہی مجاہد کا سرحد سے واپس آجانا اپنے اپنے ضلع میں وہابی تحریک کی تباہی کے لئے سیاسی مقدمات سے بھی کہیں زیادہ کارگر ہے اس کی موجودگی ان متعصب نوجوانوں کی آنکھیں کھول دیتی ہے جو بھرتی ہونے پر مصر ہوں۔ کئی ایک سچے وہابی قانون کی ان تاویلات کو سننے کے لئے بھی تیار رہتے ہیں جو ان کو باغیوں کے حقوق سے سبکدوش کر سکیں۔

پچھلے دو سال سے بنگال میں اس قسم کی تاویلات کی بکثرت اشاعت کی گئی۔ وہابی مبلغین نے عوام الناس کو اس رو میں بہا لے جانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مصارف جہاد کا بوجھ بھی اپنے تمام ہم وطنوں کے کندھے پر ڈال دیا ہے اب اس شخص کے لئے جو آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتا ہو۔ بڑی مشکل یہ آن پڑتی ہے کہ یا تو وہ اس خطرناک سازش میں شریک ہو جائے یا کافر کہلائے۔ کچھ عرصہ تک تو اس تحریک میں چندے کی امداد سے اس کی شخصیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مگر جب سے محکمہ منتظمہ کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے ایسے لوگوں کو بھی گرفتار کر لے۔ باغیوں کی مدد کرنا ایک خطرناک جرم متصور ہونے لگا ہے۔ لہٰذا اس خطرے میں صرف وہی لوگ پڑتے ہیں جو ازحد متعصب

---

[1] یہ خلاصہ ہے گواہی کا جو اس نے داناپور کے مجسٹریٹ کے سامنے 15 اگست 1871ء کو دی جہاں تک ممکن تھا میں نے اصل نام کو ظاہر کرنے سے احتراز کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ مستورات سے چندہ بہت کم ملنے لگا ہے اور وہ امراجن کا کاروبار ملک میں بہت زیادہ پھیل گیا ہے جہاد کے لئے مسجدوں میں چندہ دینے سے گریز کرتے ہیں۔ دوسری طرف وہابی جماعت کے متعصب آدمیوں نے ان لوگوں کے خلاف نفرت اور حقارت کی آگ بھڑکا دی ہے جس کے ماتحت اہل زر وین و دنیا کی خدمت کا سامان پیدا کر لیتے ہیں۔

کچھ عرصہ تک تو دولتمند اور خوشحال مسلمان ان ناملائم الفاظ کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے رہتے مگر تمام مسلمان ملاؤں کی طاقت ان کی پشت پر تھی۔ رفتہ رفتہ انہوں نے اپنی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے ایک علمی بحث کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے تو انہوں نے وہابیوں کے اصول جہاد پر ہی اصولی اعتراضات شروع کر دیئے اور اس بات سے صاف انکار کر دیا کہ وہ کسی صورت میں بھی مکہ (معظمہ) کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہیں۔ پچھلے چند سال کے فتوے انہی کی طرفداری میں شائع ہوئے حتیٰ کہ مکہ معظمہ کے تین سب سے بڑے مفتیوں کو بھی اس بات پر آمادہ کر لیا گیا ہے کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کو ملکہ انگلستان کے خلاف بغاوت کرنے کے خطرناک فرض سے آزاد کریں[1]۔

اگر ہم اصل حقیقت تک پہنچنا چاہیں تو بہت کافی غوروخوض کی ضرورت ہوگی۔ قرآن مجید کا کہنا صاف صاف یہ ہے کہ مسلمان تمام دنیا کو فتح کر لیں گے اس کے بعد اقوام عالم کے لئے دو ہی راستے ہوں گے تبدیلی مذہب یعنی ایسی[2] فرمانبرداری کا اختیار کرنا جو غلامی کی حد تک پہنچ جائے اور یا موت۔ لیکن قرآن موجودہ قومی ضرورت کے مطابق تو لکھا نہیں کیا گیا تھا بلکہ عربوں کے جنگجو قبائل کی ان مقامی ضروریات کے مطابق جو اول مظلومانہ ثانیاً" قابوچیانہ اور پھر فاتحانہ حیثیت سے پیش آتی رہیں (نقل کفر کفر نباشد (مترجم) قرآن کی جنگجو اور متعصبانہ ذہنیت کو مابعد کے علما اور شارحین نے بہت کچھ کم کرتے ہوئے اس کے یک طرفہ پرجوش تعصب سے ایک ہمہ گیر نظام حکومت قائم کر لیا تھا۔ مگر پھر بھی جہاد کے متعلق رسول کے بہت سے احکام شرع اسلامی میں بغیر کسی تغیرو تبدل کے آگئے ہیں۔ ہندوستان کی مستند کتاب "ہدایہ" میں کافروں کے خلاف جنگ کرنے کے فرائض اور ہدایات کے لئے ایک جداگانہ باب موجود ہے اور شرع اسلامی کے ہندوستانی علماء

---

[1] حنفی شافعی اور مالکی مذہب کے مفتی۔ چوتھا فرقہ حنبلی ہے۔ مگر وہ مکہ معظمہ میں بہت تھوڑی تعداد میں ہیں اور ان کا کوئی امام نہیں۔

[2] یہ تبدیلی مذہب کی صحیح تعریف نہیں وہ اللہ کی غلامی ہے اور دیگر ہر قسم کی غلامی سے آزادی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس کی ضرورت و اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ مگر پچھلے دنوں مسلمانوں میں جن مباحث کی بنا پر اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ ان کا قرآن مجید میں کہیں ذکر نہیں آتا۔ لہٰذا تمام جماعتوں نے خاموشی کے ساتھ اس سوال کے متعلق قرآن مجید سے قطع نظر کر کے اس کی بنیاد صرف قانون شریعت پر رکھی جو خود قرآن مجید سے ماخوذ ہے۔

یہ بات ہمارے لئے اور مسلمانوں کے لئے باعث مبارک باد ہے کہ جو فتوے بھی دیئے گئے امن اور وفاداری کے حق میں دیئے گئے۔ اگر یہ فتوے بغاوت کے حق میں ہوتے تو ان کی وجہ سے ایسے ایسے خطرات پیدا ہو جاتے جن کے متعلق مبالغہ سے کام لینا ناممکن تھا۔ مسئلہ جہاد کی بحث ہی اس امر کو صاف طور پر واضح کر دیتی ہے کہ ہندوستان میں ہماری حکومت کیسی خطرناک بنیادوں پر قائم ہے کیونکہ یہ بات کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ جب کبھی کوئی ایسا فتویٰ حکومت کے خلاف شائع ہوا تو اس کا نتیجہ دنیا کی سخت ترین اور نہایت خونریز بغاوتوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔

علماء جونپور کے اس فتویٰ نے کہ اکبر کے خلاف بغاوت کرنا جائز ہے اس زبردست بادشاہ کے شاہانہ جلال کو متزلزل کر دیا تھا۔ اس وقت بنگال میں فوجی بغاوت رونما ہوئی تو اسی فتویٰ کی بدولت جس سے جنوبی بنگال کے متعدد زمینداروں کو رعیت کی بجائے جاگیردار تسلیم کیا گیا۔

یورپ میں جب کبھی باب عالی کو بلغاریہ یا کسی دوسرے صوبے میں جو آسٹریا کی سرحد پر واقع تھے فوج کشی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے بھی اپنے فوجیوں کے جوش و خروش کو بڑھانے کے لئے ایسے ہی فتوؤں سے کام لیا جن میں کافروں کے خلاف جہاد کے فرائض اور اس کے انعامات مرقوم ہوتے خود ہمارا عیسائیوں کا طرز کار بھی یہی تھا۔ جنگ ہائے صلیبی کے آخری دور میں متبرک رومن سلطنت کے جوش و خروش کو بڑھایا گیا تو اسی قسم کے حیلوں سے اسلامی ممالک میں اسی قسم کے شرعی فتوؤں کو تباہ کرنے کے لئے ایک نہایت اہم قانونی فیصلہ تصور کیا جاتا ہے۔ 1867ء میں جب میں قسطنطنیہ میں تھا تو ان قوانین کا مجموعہ بڑی آسان سے دستیاب ہو سکتا تھا۔ پھر ابھی تھوڑی ہی مدت ہوئی مصر کے پاشا اور سلطان ترکی کو ان مذہبی باغیوں کے ساتھ خونریز جنگ کرنا پڑی جن کا عقیدہ یہ تھا کہ خلیفۃ المسلمین کا عمل شرع محمدیؐ کے خلاف ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ایسے کافر خلیفہ اور اس کی فوج کو تباہ و برباد کر دیں۔ لہٰذا یہ بڑا ہی مبارک واقعہ ہے کہ جس ضلع[1] سے

---

[1] جون پور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کے سب سے بڑے مسلمان بادشاہ کے خلاف بغاوت کا فتویٰ شائع ہوا تھا۔ اسی سے ایک ایسا عالم بھی پیدا کر دیا۔ جس کا فتویٰ انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کو سختی سے منع کرتا ہے[1]۔

میں چاہتا ہوں کہ یہاں اس سوال کے مختلف نتائج کو بالاختصار بیان کروں جس پر مسلمانوں کے دو بڑے فرقے شیعہ و سنی گزشتہ چند مہینوں میں پہنچ سکے ہیں۔

شیعہ حضرات نے حسب عادت ایک مومن کے لئے ملکہ کے خلاف فرائض جہاد کے متعلق دوسرے امور کی طرح ایک بالکل ہی نئی راہ اختیار کی ہے یہ اس جماعت کے خیالات ہیں جس کی تعداد ہندوستان میں بہت ہی کم ہے اور جس نے متعصب مسلمان حکمرانوں کے ماتحت ایسی ایسی اذیتیں اٹھائیں جو کسی برطانوی حکمران کے ماتحت کبھی ممکن نہ تھیں۔ انہوں نے جہاد کے مضمون پر کچھ دن ہوئے ایک چھوٹا سا رسالہ فارسی زبان میں شائع کیا تھا۔ گو سینوں کے نزدیک جو ہندوستانی مسلمانوں کا 9/10 حصہ ہیں اس رسالے کی کوئی وقعت نہیں۔ بہرکیف یہ فیصلہ چونکہ ایک جید اور مستند شیعہ عالم کا ہے اور اسے جماعت کے دوسرے علماء کی صلاح و مشورے سے لکھا گیا اس لئے اس کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ شیعوں کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ نہیں ہیں ہمہ انہوں نے ہندوستان کی تاریخ میں بہت سے نامور پیدا کئے۔ پھر یہ جو چار سال سے ہر ضلع میں بغاوت[2] کی فرضیت پر بحث ہو رہی ہے اس میں بھی ان کی آواز کچھ کم بے اثر نہیں۔

شیعہ مذہب کا بنیادی عقیدہ بارہ اماموں پر ایمان لانا ہے جو رسول خدا کے امامی جانشین ہیں لیکن اس سلسلہ کی تکمیل کے لئے ایک امام کی آمد باقی ہے جو ابھی تک ان گنہگار دنیاداروں کی نظروں سے پوشیدہ ہے جب تک اس کا ظہور نہیں ہو جاتا دنیا بدستور مصیبت اور تکالیف میں مبتلا رہے گی اور شیعوں کو بے دین سینوں' عیسائیوں اور دیگر لامذہبوں کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں پہنچتی رہیں گی۔ آخر جب امام موعود کا ظہور ہوگا تو اس وقت تمام خرابیوں کی اصلاح ہو جائے گی اور ساری دنیا اس خدائی مذہب کو قبول کر لے گی۔

---

[1] مولوی کرامت علی کا لیکچر جو انہوں نے 23 نومبر 1870ء کو محمڈن لٹریری سوسائٹی میں پڑھا۔ [2] لفظ جہاد کا مفہوم جو شیعہ فرقہ سمجھتا ہے منشی امیر علی خاں بہادر کلکتہ 1871ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ شیعوں کا یہ رسالہ بحث جہاد کے ضمن میں آگے چل کر کہتا ہے کہ اس وقت تک کسی قسم کی انسانی جدوجہد بغاوت یا جنگ اس عظیم الشان مقصد کے حصول میں بے سود رہے گی۔ اس رسالہ کے نزدیک ہر وہ شخص بدعتی ہے جو اس عقیدہ سے اتفاق نہیں کرتا۔ آج کل بعض بیوقوف اور شورش پسند اشخاص جنہیں آنحضرت ﷺ کی تعلیم[1] سے بالکل درک نہیں اور حقیقت سے واقف نہیں۔ محض فضول خواہشات کی بنا پر ایک ابلہانہ طریقہ سے فرائض جہاد اور اس کے معنی و مفہوم سے بحث کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں اسلام کے دو فرقے راسخ العقیدہ ہیں۔ ایک شیعہ اور دوسرے سنی۔ مسلمانوں کے باقی فرقے خواہ وہ اپنے آپ کو وہابی کہتے ہیں یا رافضی' راہ راست سے بھٹکے ہوئے اور اس لئے ناقابل اعتماد ہیں۔ رسالہ مذکور میں لفظ جہاد[2] کے تین معنے بتلائے گئے ہیں اور پھر اس کے لئے سات شرطیں مقرر کی گئی ہیں جن کے اتمام پر جہاد کفار سے مذہبی جنگ کے معنوں میں جائز ہو جاتا ہے۔ اول جبکہ سچا امام موجود ہو اور وہ اس کی اجازت دے۔ دوسرے جب سامان حرب اور آزمودہ جنگ جو "مکملا" تیار ہوں۔ تیسرے جب اسے باغیوں اور خدا کے دشمنوں کے خلاف اختیار کیا جائے۔ چوتھے جو امیر جہاد عقل سلیم رکھتا ہو۔ پاگل نہ ہو نہ اس کے ہوش و حواس میں کوئی فرق آیا ہو۔ اسے بیمار بھی نہیں ہونا چاہئے۔ نہ اندھا نہ لنگڑا۔ پانچویں یہ کہ وہ اپنے والدین سے اس کی اجازت حاصل کر چکا ہو۔ چھٹے یہ کہ وہ مقروض نہ ہو اور ساتویں اس کے پاس اتنا مال ہو کہ زادراہ اور اپنے خاندان کی روزی کا کفیل ہو سکے۔

ملکہ کے خلاف جنگ کرنے کی معقولیت سے قطع نظر اور اس جنگ میں فتح و شکست کے مواقع سے اعتنا نہ کرتے ہوئے بھی شیعوں کے نزدیک جہاد کے لئے امام کا موجود ہونا لازمی ہے لیکن اس امام من اللہ نے آج تک فانی انسانوں کی نظروں سے پوشیدگی اختیار کر رکھی ہے اور اس بات پر رضامند ہی نہیں ہوتے کہ ظاہر ہو کر دینداروں کی فوج کی قیادت کریں۔ لہٰذا ان کے ظہور تک جہاد کی کوشش بھی گناہ اور گستاخی میں داخل ہے۔

---

[1] شریعت [2] جہاد معنی فلاح۔ خدا کی حمد و ثنا (ب) جہاد بالنفس امارہ۔ خواہشات کو قابو میں لانا اور ان کو عقل کے ماتحت رکھنا تاکہ ان کو ٹھیک راستہ پر لگائے۔ گناہ سے بچائے اور وقت کو فضول ضائع نہ کرے۔ (ج) جہاد فی الدین کافروں کے خلاف جنگ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر-مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسالہ مذکور میں صاف صاف لکھا ہے کہ امام معصوم کب ظاہر ہوگا۔ اس کا علم سوائے خدائے علیم کے اور کسی کو نہیں۔ اس امام کی ذاتی قیادت کے بغیر خونریزی کرنا شیعہ عقائد کے خلاف ہے' جو شخص امام کے خدائی حکم کے بغیر خروج کرتا ہے وہ باغی اور گنہگار ہے۔

یہ آخری فقرہ ایک طرح سے سنیوں پر چوٹ ہے کیونکہ انہوں نے سچے امام کی عدم موجودگی میں کئی بار جہاد کا اعلان کیا۔ شیعوں کو ان سے بہت سی ایذاؤں اور شہداء کا انتقام لینا ہے پھر جھجکتا ہوا فقرہ کہ آخرکار تمام دنیا مسلمان ہو جائے گی ظاہراً" بڑا معصومانہ اور دیندار خواہش پر مبنی ہے لیکن فرقہ ثانی کے لئے حقیقتہً" بہت ہی تکلیف دہ۔ ہندوستان کے شیعہ و سنی دونوں کا غلبہ دین پر ایمان ہے۔ مگر اس میں تھوڑا اختلاف بھی ہے۔ سنیوں کا ایمان ہے کہ رسول اللہ کے جملہ احکام کی کاملاً" پیروی کرتے ہوئے ساری دنیا کو اسلام کا مطیع کر لیں گے برعکس اس کے شیعہ کا عقیدہ ہے کہ یہ سعید گھڑی دنیا کے دو بڑے مذاہب یعنی اسلام اور عیسائیت کے باہم مدغم ہونے سے رونما ہوگی۔ آخری زمانے میں تمام دنیا کا ایک ہی مذہب پر قائم ہو جانے کا خواب ہر اچھے مذہب نے دیکھا ہے۔ ہندوؤں میں بھی آئندہ واقعات کے متعلق ایک کتاب[1] ہے جس میں یہ پیشگوئی ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا جب تمام انسانوں کا ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی ذات وشنو۔ پران میں بھی جو ہندومت کی بدھ مت پر فتح کے وقت تصنیف ہوا۔ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ عہد آئینی کے آخر میں جس میں ہم پہنچ چکے ہیں انسانوں کی نجات ان کے مذہب یا ان کی خوبی اعمال پر ہوگی۔ شیعہ مسلمانوں کے یہاں بھی ایک ایسا ہی باسعادت وقت مقرر ہے مگر یہ عیسائیوں کے ساتھ جو سب کے سب شیعہ ہو جائیں گے باہمی اتحاد کے بعد رونما ہوگا۔ یہ وقت غالباً" بے دین سنیوں کا خون بہانے کے بعد آئے گا۔ کیونکہ وہ اول اول امام آخرالزمان کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ آگے چل کر اس رسالہ میں لکھا ہے کہ اسلامی قوانین میں صاف صاف مرقوم ہے کہ جب یہ امام ظاہر ہوگا تو اس وقت حضرت عیسیٰ بھی چوتھے آسمان پر نازل ہو جائیں گے۔ نیز یہ کہ ان دونوں عظیم الشان ہستیوں میں دشمنی نہیں بلکہ دوستی ہوگی۔

---

[1] بھاوشیش پورنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال اس بات کا علم تسلی بخش ہے کہ ہماری مسلمان رعایا کا ایک چھوٹا سا طبقہ اپنے مذہب کے بنیادی اصولوں کی رو سے ملک کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور نہیں۔ دوسرے مسلمان کچھ بھی کریں۔ ہندوستان کے معدودے چند شیعہ مسلمانوں کا اعلان ہے کہ وہ کبھی بھی اپنی طاقت کے بل بوتے پر ہمارے سامنے قتل یا غلامی کی شرمناک صورتیں پیش نہیں کر سکتے۔ یہ وعدے تو بیشک اس قابل ہیں کہ ان پر خوشی کا اظہار کیا جائے لیکن میں اس بات کو فراموش نہیں کر سکتا کہ تقیہ شیعوں کے اصول دین میں داخل ہے جس سے ہر وہ معاہدہ جو یہ حضرات ہم کافروں سے کریں مستحکم ہونے کی بجائے کمزور ہو جاتا ہے۔ ایران کے سوا شیعہ دنیا کے ہر حصے میں مظلومانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دوسرے مظلوم فرقوں کی طرح انہوں نے بھی اجتہاد کا ایک ایسا طریقہ ایجاد کر رکھا ہے جس سے وہ اپنی جانوں کو بچا سکیں۔ خواہ ایک اجنبی کے سامنے انہیں اپنے دین سے دست برداری کیوں نہ اختیار کرنی پڑے جب سنی مسلمان ان کو مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں تو شیعہ اپنی مذہبی خصوصیات کو فوراً" ترک کر دیتے ہیں۔ بعض سخت مصیبتوں میں جیسا کہ پچھلے دنوں شام اور وقتاً" فوقتاً" ہندوستان میں پیش آتی رہیں انہوں نے اصول تقیہ کے ماتحت اپنے عزیز ترین اصولوں کو خیرباد کہہ دیا حتیٰ کہ بارہ اماموں کو گالیاں دینے لگے لیکن انگریزی حکومت کے ماتحت ان کو ان مظالم سے نجات مل چکی ہے اور اس لئے اس بیوفائی کا خطرہ بھی نہیں رہا جو ان مظالم کا قدرتی نتیجہ ہے۔ بغاوت کے غیر ضروری ہونے پر ان کا اعلان بغیر کسی دباؤ کے واقع ہوا اور یہ بات نہایت ہی خوب ہے کہ ایسا اعلان باضابطہ طور پر تحریر میں آگیا۔ اس دستاویز پر مستند اور قابل اعتماد شیعہ علما کی مہریں ثبت ہیں اور یہ پورا فرقہ اس پر ہمیشہ عمل کرنے کے لئے مجبور ہے۔ اس قسم کے باقاعدہ وعدوں کے بغیر بھی وہ قدرتاً" وفادار ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہندو یا کسی دوسرے مسلمان فرقے نے ہندوستان میں اقتدار حاصل کر لیا تو شیعوں کے لئے پھر وہی مصیبت کے دن شروع ہو جائیں گے۔ سنی مسلمان اپنی فتحمندی کے وقت اس فتویٰ کو فراموش نہیں کریں گے جو سابق شاہ اودھ کے محل سے شائع ہوا تھا اور جس میں لکھا تھا کہ اسلام کو آخری فتح مسلمانوں اور عیسائیوں کے اتحاد سے حاصل ہوگی۔ لہٰذا اس خلش کی یاد جو اس شیعہ رسالہ سے ان کے وہابی اور سنی ہم وطنوں کے دلوں میں پیدا ہو جائے گی۔ سابق بادشاہ اور اس کے فریق کی وفاداری کو جس کا اسے نمائندہ تصور کرنا چاہئے۔ چار چاند لگا دے گی۔

اب میں مسلمانوں کے دوسرے بڑے فرقے کے باقاعدہ فتووں کا ذکر کرتا ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان میں سنی مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایک عرصہ سے اس اعلان میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں کہ ہم پر مذہباً" بغاوت کا کوئی فریضہ عائد نہیں ہوتا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے دو قسم کے فتوے حاصل کئے ہیں۔ کلکتہ کی محمڈن لٹریری سوسائٹی نے اس مسئلہ پر تمام سینوں کی رائیں ایک زور دار رسالہ کی شکل میں جمع کرا دی ہیں۔ میں ان لوگوں کو یہ چھوٹا سا رسالہ پڑھنے کی تاکید کرتا ہوں جنہیں بنگالی مسلمانوں کی دماغی قابلیت پر شک ہے یا جو ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری حکومت کے ماتحت عدالتی منصبوں پر فائز ہونے کے قابل نہیں۔ یہ رسالہ ان قانونی موشگافیوں کی ایک فتح ہے۔ اس میں دو مختلف مسائل سے بحث کی گئی ہے جن کی ابتداء اگرچہ دو متضاد نظریوں سے شروع ہوتی ہے لیکن جن سے انسان ایک ہی خاطر خواہ نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ شمالی ہند کے علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان کے لئے جہاد غیر ضروری ہے۔ کلکتہ کے علماء نے ہندوستان کو دارالاسلام تصور کیا اور اس بناء پر جہاد کو ناجائز قرار دیا۔ یہ نتیجہ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ضرور تسلی بخش ہوگا کیونکہ اس سے وہ مجاہدین کے کیمپ کے لئے جو ہماری سرحد پر قائم ہے چندہ دینے کی مصیبت سے بچ جائیں گی اور وہ ہمارے لئے بھی ایسے ہی باعث تسکین ہیں کیونکہ اس طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شریعت اور علماء دونوں کو وفاداری کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور بغاوت کے لئے بھی[1]۔

مگر بدقسمتی سے اس قسم کے فتووں کا وجود تو دولت مند اور خوش حال مسلمانوں کے بجائے متعصب عوام کے لئے ضروری ہے۔ 1788ء کے ریگولیشن کے ماتحت حکومت کو گرفتاری کے اختیارات حاصل ہیں اور وہ اس قابل ہو گئی ہے کہ دور دراز تک پھیلی ہوئی باغیانہ سرگرمیوں کا پورے طور پر مقابلہ کر سکے جو گزشتہ بیس سال سے بنگال میں جاری ہیں اور جن کی وجہ سے وقتاً" فوقتاً" پنجاب کی سرحد پر لڑائیاں بھی ہوئی ہیں۔ ان اختیارات کے رو سے کسی باغیانہ سرگرمی میں محض سرسری حصہ لینا بھی ایک خطرناک جرم ہے۔

---

[1] اس رسالے کا عنوان ہے "محمڈن لٹریری سوسائٹی کے کلکتہ کے اجلاس منعقدہ 23 نومبر 1870ء بروز بدھ کی روداد۔ یہ مولوی کرامت علی جون پوری کا ایک لیکچر ہے اور اس کا موضوع اسلامی شریعت ہے۔ یعنی انگریزی ہندوستان میں مسلمانوں پر حاکم قوم کی طرف سے کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحالت موجودہ تو سازشیوں کا مالدار گروہ خوش ہے کہ اسے اس کام سے کنارہ کشی کا ایک بہانہ ہاتھ آگیا ہے یہ لوگ اس فتویٰ کا یقیناً" خیر مقدم کریں گے جس نے ان کو اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کا راستہ دکھلایا ہے۔ انہیں اس کے جواز و عدم جواز کے متعلق مزید چھان بین میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ان کے دکھے ہوئے دلوں کے لے بمنزلہ پیغام شفا ہے۔ انہیں کیا پڑی ہے کہ اس مفید دوا کے مختلف اجزاء کے بارے میں تکلیف دہ سوالات کریں۔ لہٰذا کلکتہ کی محمڈن لٹریری سوسائٹی اپنے ابنائے وطن اور ہمارے دونوں کے شکریہ کی مستحق ہے۔ سوسائٹی مذکور کے سیکرٹری خان بہادر مولوی عبداللطیف کے ہم اور بھی ممنون ہیں کہ اب کوئی سنی مسلمان خواہ ہندوستان کی مذہبی حیثیت کے متعلق اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو اپنے ہی اصولوں کے رو سے یہ نتیجہ قائم کرے گا کہ وہ ہماری حکومت کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور نہیں[1]۔ اگر اس کے خیال میں ہندوستان اب تک دارالاسلام ہے تو اس کو صفحہ 6 کھول کر دیکھ لینا چاہئے کہ محض اس بنا پر اس کا ملکہ کے خلاف بغاوت کرنا جائز ہے لیکن اگر اس کے نزدیک ہندوستان دارالحرب بن چکا ہے تو اسے چاہئے کہ صفحہ گیارہ کا حاشیہ ملاحظہ کرے جس کی رو سے اسے معلوم ہو جائے گا کہ بغاوت غیر ضروری ہے[2]۔

سطور بالا سے میرا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ مولوی عبداللطیف صاحب کی خدمت کو کسی طرح کم کر کے دکھاؤں جو انہوں نے اس رسالہ کی اشاعت سے سرانجام دی ہے۔ مگر ہماری یہ سیاسی غلطی ہوگی کہ کسی چھان بین کے بغیر آنکھیں بند کئے محمڈن لٹریری سوسائٹی کلکتہ کی رائے کو تمام ہندوستانی مسلمانوں کی رائے تسلیم کرلیں۔ وہابیوں کے پرجوش انتہا پسند تو اس قسم کے دلائل سے مطلق اعتنا نہیں کرتے لیکن دیندار مسلمانوں میں بھی ایک بہت بڑی تعداد ایسی موجود ہے جس کی خواہش ہوگی کہ مذہبی قوانین کی کسی مستند تشریح کو اپنے لئے دلیل راہ بنائیں۔

---

[1] مسٹر صاحب کو بالآخر تسلی ہوئی اب انگریزی کی مخالفت نہ ہو سکے گی۔ اور عبداللطیف صاحب بھی خان بہادر بن گئے۔ یوں خطاب ملا کرتے ہیں اور نبی بنائے جاتے ہیں۔ [2] اس باب میں اور کسی دوسری جگہ میں نے اپنے سابقہ مضامین سے مدد لی ہے جو کلکتہ کے انگلش میں شائع ہوئے اور جن کے لئے میں پچھلے سات سال کے مختلف ایڈیٹروں کا ممنون ہوں۔ وہ میرے مضامین کو جو بہت زیادہ تعداد میں ہوتے تھی اور جن کا موضوع مسلمانوں کے ساتھ ناانصافیوں اور ان کی ضروریات ہوتا تھا اپنے اخبار میں درج کرتے رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی اعمال و عقائد میں اس وقت بین فرق آجاتا ہے جب اپنے ہی اصولوں کی پوری متابعت اسے بغاوت جیسے خطرات کی طرف لے جائے گو نیک آدمیوں کی ہر وقت یہ خواہش رہتی ہے کہ یہ فرق کسی نہ کسی طرح مٹ جائے اور ان کے عقیدے اور عمل کے درمیان کوئی تفاوت نہ رہے بجز متعصب وہابیوں کے ان اشخاص کے نزدیک ضرورت جہاد اس وقت بھی ایک ناخوشگوار فرض ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن سے سرحدی کیمپ کو مالی امداد پہنچتی ہے۔ ان لوگوں کو امن اور وفاداری کی طرف بالخصوص دعوت دینی چاہئے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ سنی فتووں کی تحقیق اس نظر سے کروں کہ ان کا اثر ایسے پرجوش مسلمانوں پر کیا ہوا جو مذہبی فرائض کی ادائیگی کو زندگی کا اصل الاصول مانتے ہیں اور جن کا دل کسی قسم کے خطرے یا آرام و آسائش سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس حقیقت سے آنکھیں بند کر لینے میں کوئی فائدہ نہیں کہ ہماری مسلمان رعایا کی بہت بڑی تعداد مذکورہ بالا جماعت سے تعلق رکھتی ہے اور ایک تہائی صدی تک انہوں نے ایک باغی فوج کو اول راجہ رنجیت سنگھ کے خلاف اور اس کے بعد اس کا جانشین ہونے کی حیثیت سے ہمارے خلاف ہر وقت لڑائی کے لئے تیار رکھا۔ بنگال جیسے دور دراز صوبے نے اپنے خرچ پر سرحدی کیمپ کے لئے رنگروٹوں کے گروہ کے گروہ تیار کئے۔ اس کے ہر گاؤں بلکہ ہر خاندان نے ان کی مثال کی پیروی کی اور مصارف جنگ میں حصہ لیا۔ ان بدنصیب بہکائے ہوئے غداروں کے گروہ کے گروہ ہم نے قید خانوں میں ڈال دیئے اور عدالتوں نے یکے بعد دیگرے ان کے سرغنوں کو سمندر پار کے بے آب و گیاہ جزیروں میں بھیج دیا لیکن اس کے باوجود سارے ملک نے ہماری سرحد پر اسلام کی بے کسانہ امیدوں کی آبیاری روپیہ اور آدمیوں سے کی بلکہ اب تک عیسائی حکومت کے خلاف خونی احتجاج پر مصر ہے۔

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کلکتہ کی سوسائٹی نے جو فتویٰ شائع کیا ہے اس کا اثر اس کثیرالتعداد اور خطرناک جماعت پر مطلق نہیں پڑا۔ بہرحال اس رسالہ نے جہاد کے خلاف دلائل کے دو مختلف اور نمایاں راستے واضح کئے ہیں ان میں سے ایک تو اس سوسائٹی کی اپنی رائے ہے اور دوسرے علمائے شمالی ہند کا باقاعدہ فتویٰ۔ مگر اس دوسری رائے کو محض اس لئے درج کیا گیا ہے کہ اس کی تردید کی جا سکے۔ مگر اس کی اشاعت جداگانہ طور پر اس سے پہلے بھی ہو چکی ہے اور جیسا کہ میں ابھی بیان کروں گا وہ بغاوت کے خلاف ایسے مستند دلائل پر مشتمل ہے جو اسلامی کتابوں کے حوالے سے قائم کئے گئے ہیں۔

اس رسالے کے فاضل مصنفین کو اول یہ بتلانا چاہئے تھا کہ ان کے دلائل کن مواقع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ناکام رہتے ہیں۔ رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کو دارالاسلام ثابت کیا جائے تاکہ اسلامی رعایا کے لئے جہاد کا خیال ناجائز ٹھہرے لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ صفحہ اول کی اس عبارت میں جس کی حیثیت بنیادی ہے "اس لئے" کا لفظ موجود نہیں اور اس سے بھی زیادہ غور طلب یہ ہے کہ علمائے مکہ اور مولوی عبدالحی کا فتویٰ صرف اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ہندوستان (دارالاسلام ہے مگر بکمال ہوشیاری اس کے نتیجہ سے" لہٰذا یہاں بغاوت ناجائز ہے" گریز کرتا ہے حقیقت میں اسلامی شریعت کے مطابق ٹھیک فیصلہ اس کے برعکس ہوگا۔ علمائے مکہ نے بھی جب یہ فتویٰ دیا تھا تو وہ بھی اس بات سے بخوبی واقف تھے ان کا زور اس امر پر ہے کہ ہندوستان فی الواقعہ دارالاسلام ہے اور یہ فیصلہ مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے کہ اس بنا پر انہیں جنگ یا دوسرے ذرائع سے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ان کافروں کو جو اس ملک کی حکومت پر متصرف ہو گئے ہیں اور کئی ایک طریقوں سے پچھلے مسلمان بادشاہوں کی قانونی اور مذہبی سرگرمیوں میں دخل انداز ہو رہے ہیں[1]۔ یہاں سے نکال دیا جائے۔

اس رسالہ کا انداز بحث یہ ہے کہ ہندوستان اب بھی دارالاسلام ہے کیونکہ یہاں پہلے اسلامی حکومت تھی جسے گو اب ایک کافر قوم نے فتح کر لیا ہے مگر وہ تین شرائط جو کسی ملک کے دارالحرب بننے کے لئے ضروری ہیں اس پر عائد نہیں ہوتیں۔ ان تین شرائط کو اصل میں اسلامی شریعت کے مستند ترین فقہی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے بیان کیا تھا مگر وہ اس رسالے میں نقل ہوئی ہیں تو پرانی اور مسلمہ کتابوں سے نہیں بلکہ فتاویٰ عالمگیری سے جو اورنگزیب عالمگیر کے زمانے کی یادگار ہے۔ پھر اس کتاب کے حوالوں اور قدیم تصانیف کے مفہوم میں فرق ہے اور ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو شرائط امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے بیان کیں یا زمانہ سلف کی بعض کتابوں میں مرقوم ہیں۔ وہ بجنسہٖ ہندوستان پر عائد ہو جاتی ہیں۔ گویا قدیم اصولوں کے مطابق ہندوستان واقعی دارالحرب ہے۔ میں قانون کی ان دونوں تصریحات کو آمنے سامنے درج کر دیتا ہوں اور اس کا فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑ دیتا ہوں۔

دو تین شرائط جن کی بنا پر کوئی ملک دارالحرب بن جاتا ہے۔

رسالہ کی عبارت صفحہ 3 بحوالہ فتاویٰ عالمگیری	سراج العماویہ اور دیگر کتب جو فتاویٰ عالمگیری سے پہلے لی ہیں

---

[1] علمائے مکہ کا فتویٰ ضمیمہ نمبر ا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(1) جب کفار کی حکومت[1] علانیہ قائم ہو جائے اور اس میں اسلامی قوانین کی پابندی نہ ہو

(2) ایسا ملک جو دارالحرب کے ساتھ ساتھ اس طرح پیدا ہو جائے کہ اس ملک اور دارالحرب کے درمیان دارالاسلام کا کوئی شہر نہ ہو

(3) جب ہر مسلمان کی مذہبی آزادی صلب کرلی گئی ہو نہ ذمی (وہ کافر جس نے ہمیشہ ہمیشہ اسلامی حکومت کے ماتحت رہنیکی جملہ شرائط تسلیم کرلی ہوں) کو وہ مراعات حاصل ہوں جو اسلامی حکومت کے ماتحت حاصل تھیں

(1) جب کفار کی حکومت[1] علانیہ قائم ہو جائے

(2) ایسا ملک جو دارالحرب کے ساتھ اس طرح چلا جائے کہ اس ملک اور دارالحرب کے درمیان کسی دارالاسلام سے اسے کوئی امداد پہنچائی جا سکے۔

(3) جب مسلمان اور ذمیوں کو امان اول حاصل نہ ہو (یہ ایک اصطلاح ہے جس کو آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

یہ تین شرائط جو پرانی اور مستند کتابوں میں مرقوم ہیں۔ ہندوستان پر بھی عائد ہوتی ہیں۔ پہلی شرط کے مطابق آپ نے دیکھا ہوگا کہ فتاویٰ عالمگیری میں چند الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں جن کو راقم الحروف نے باریک خط میں لکھ دیا ہے اور جن کی قدیم شرعی کتب یا براہ راست امام ابوحنیفہ سے کوئی سند نہیں ملتی[2]۔ پہلی مستند شرط صرف یہ ہے کہ

---

[1] ان حوالوں اور دوسرے فتوؤں کو جمع کرنے اور بعض دوسرے دلائل کے لئے جو اس سنی رسالہ کی شرح میں مندرج ہیں۔ میں کلکتہ محمڈن کالج کے پروفیسر مسٹر بلوک کا ممنون احسان ہوں۔ وقت آئے گا جب اہل یورپ ان کو ہندوستانی علوم کا بہترین عالم تصور کریں گے۔ [2] امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اوپر کی تین شرطیں پوری ہو جائیں تو دارالاسلام دارالحرب بن جاتا ہے۔ ان کے دو شاگرد شیخین یعنی امام محمد اور امام یوسف کا قول ہے کہ صرف ایک ہی شرط پورا ہونا کافی ہے کلکتہ کے سنی مسلمان امام ابوحنیفہؒ کے قول کو شیخین کے قول پر ترجیح دینے میں حق بجانب ہیں (رسالہ کا صفحہ نمبر 4) مگر میں یہ ثابت کروں گا کہ ہندوستان میں تینوں شرطیں پوری ہو جاتی ہیں۔ اس لئے امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے مطابق ہندوستان دارالحرب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کافروں کی حکومت علانیہ قائم ہو جائے جو بلا شک و شبہ اس وقت ہندوستان پر عائد ہو جاتی ہے دوسری شرط کو نقل کرتے ہوئے اس رسالے نے پہلی شرط میں ایک غیر ذمہ دارانہ اضافے کی طرح بغیر کسی سند کے کچھ حصہ حذف کر دیا ہے۔ کتب سلف کے مطابق ہندوستان دارالحرب ہے کیونکہ اس کے اور انگلستان (دارالحرب زیر بحث) کے درمیان کوئی ایسا ملک نہیں جو ہندوستان کو دارالحرب بننے سے بچائے اور اس کی امداد کر سکے۔ جب انگلستان نے ہندوستان کو فتح کیا تو ان دونوں ممالک کے درمیان صرف سمندر کا راستہ تھا لیکن حموی و طحطاوی میں صاف صاف مرقوم ہے کہ سمندر دارالحرب ہے۔ گویا اس وقت بھی جب یہ ملک فتح ہوا اور آج بھی ہندوستان اور انگلستان کی درمیانی شاہراہ پر کوئی ایسا اسلامی ملک واقع نہیں جو اس کی امداد کر سکے۔ کابل دارالاسلام اور ہندوستان کی سرحد پر واقع ہے مگر اس کا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ کی شرط کے مطابق اس ملک کا دونوں ملکوں کی شاہراہ پر ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اس ملک کی دارالحرب نہ بننے میں مدد کر سکے۔ ظاہر ہے کابل کے متعلق کسی کو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان واقع ہے یا اس میں اتنی قوت ہے کہ ہندوستان کی مسلمان آبادی کی مدد کر سکے۔

مگر سب سے زیادہ خطرناک غلط بیانی جو اس رسالہ میں کی گئی ہے اس کا تعلق تیسری شرط کے بیان سے ہے اس شرط کا سارا دارومدار "امان اول کے معنوں پر ہے جس کا ترجمہ اس رسالہ میں مذہبی آزادی کیا گیا ہے۔ مگر یہ الفاظ اس اصطلاح کا صحیح مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ امان کے لغوی معنے ہیں سلامتی اور حفاظت اور امان اول کے معنی جامع الرموز میں صاف صاف بیان کئے گئے ہیں کہ ہر قسم کی سلامتی اور مکمل مذہبی آزادی جو مسلمانوں کو اپنی گزشتہ اسلامی حکومت کے ماتحت حاصل تھی۔ کلکتہ کے سنی مسلمان بھی اس سند کی مخالفت کرنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ ایک ملک دارالحرب بنتا ہے تو اس وقت جب (1) مسلمان اور ذمیون کو صرف اس قدر امان (مذہبی آزادی) دی جائے کہ اس کا انحصار صرف کافروں کی مرضی پر ہو (2) مسلمانوں کی وہ مذہبی حیثیت جو انہوں نے حاکم ہونے کی حیثیت سے اپنی کافر رعایا کو دے رکھی تھی برقرار نہ رہے۔ بحالت موجودہ ظاہر ہے کہ دونوں شرطیں اس وقت ہندوستان پر عائد ہو جاتی ہیں امان یا مذہبی آزادی جو اس وقت مسلمانوں کو حاصل ہے وہ تمام کی تمام ان کے عیسائی حاکموں کی مرضی پر منحصر ہے اور وہ اس کو اسی حد تک حاصل کر سکتے ہیں جس حد تک ہم اس کی اجازت دیں۔ لہٰذا یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالت امان مکمل یا ان مذہبی مراعات سے کئی درجہ کم ہے جو ان کو پہلے حاصل تھیں۔ انگریزی حکومت مسلمانوں پر ٹیکس لگاتی ہے۔ اور اس کو عیسائی گرجوں کی تعمیر اور پادریوں کے لیے ضروریات زندگی بہم پہنچانے میں صرف کرتی ہے۔ اس نے مسلمانوں کی بجائے جو اس کی آمد کے وقت اضلاع اور صوبجات کے حاکم تھے انگریزی حاکم مقرر کئے اس نے ایک باقاعدہ اعلان کے ذریعے مسلمان قاضیوں اور قانونی افسروں کو برطرف کر دیا[1]۔ اس نے عدالتوں میں انگریزی زبان رائج کی اور اسلامی دستور العمل اور قوانین کو برطرف کر دیا اس نے بدنصیب اور بیمار عورتوں کو ایکٹ (XIV) مجریہ 1868ء کے ماتحت تکلیف اور مصیبت سے بچا لیا[2]۔ اس نے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جیسا کہ اسلامی شرع کے رو سے ایک بادشاہ کو اختیار کرنا پڑتا ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ تمام مسلمان فریضہ نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جاتے ہیں ہماری عدالتوں میں دعویٰ پر ٹکٹ لگانا۔ ہمارے قوانین میعاد' ہمارے ججوں کے یہ فیصلے کہ غیر ادا شدہ رقم پر سود ادا کیا جائے ہمارا سارا قانونی دستور العمل ہماری مذہبی رواداری سب کے سب ان کے قوانین کے خلاف ہیں اور اس امان یا مکمل مذہبی رواداری اور شہری آزادی میں خلل انداز ہیں جو ہماری رعایا کو اسلامی حاکموں کے ماتحت حاصل تھی پھر اہل الذمہ یعنی مسلمانوں کی کافر رعایا کی مذہبی حیثیت میں بھی کافی تبدیلی ہو گئی ہے۔ عیسائی ذمی اب رعایا نہیں رہے بلکہ فاتح اور حاکم ہیں۔ ہندو ذمی اب جزیہ ادا نہیں کرتے اور سینکڑوں طریقے ہیں جب کہ ماتحت ہم ان کے مذہب میں دخل انداز ہوئے ہیں مثلاً" گاؤکشی گناہوں کی پاداش میں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کے رواج کی منسوخی سعی کی موقوفی' ذات پات کے رواج سے بے پروائی اور جو عیسائی ہو جائے اس کی قانونی حفاظت۔ مختصراً" یہ کہ مسلمانوں اور ذمیوں کی امان اول یعنی پہلی حیثیت کو ہم نے بالکل بدل ڈالا ہے امام ابوحنیفہ کی تیسری شرط کے ماتحت بھی ہندوستان کا ملک اب دارالحرب ہے۔

پھر اس مسئلے کا جیسا کہ بعض ملتے جلتے واقعات سے واضح ہو جائے گا کئی بار فیصلہ ہو چکا ہے۔ یونان اس وقت دارالاسلام تھا۔ جب تک ترکوں کے ماتحت رہا۔ پچاس سال کا عرصہ ہوا۔ اس نے اسلامی جوا اپنے کاندھے سے اتار پھینکا۔ لہٰذا اس زمانے میں یہ

---

[1] قاضی ایکٹ نمبر 1 1863ء کی رو سے۔ [2] ہندوستان کی متعدی بیماریوں کا ایکٹ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک دارالحرب تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں بہت سے مسلمان آباد ہیں۔ یہی کیفیت ڈینیوب کے دوسرے صوبجات کی ہے اور یہی صورت حال جنوبی اسپین اور ہر اس ملک پر چسپاں ہوتی ہے جس میں کوئی ایسا انقلاب حکومت ہو چکا ہے۔ امام محمدؒ نے جو امام ابو حنیفہؒ کے مشہور و معروف شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب مبسوط میں اس اصول کو واضح طور پر بیان کیا ہے کہ "جب ایک اسلامی ملک کافروں کے قبضے میں آجائے تو وہ ملک اس وقت تک دارالاسلام رہا ہے جب تک کفار مسلمان حاکموں اور قاضیوں کو برقرار رکھیں اور اپنا کوئی نیا قانون جاری نہ کریں ہم نے مسلمان حاکموں کو برقرار نہیں رکھا اور قاضیوں کو برطرف کر دیا ہے مگر عارضی طور پر سہی۔ مزید برآں ہم نے اپنے قوانین نافذ کئے لہٰذا ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کے عقیدے کو دیکھا جائے تو ہندوستان کو اب دارالاسلام کہنا غلط ہوگا۔

وہابی اپنی رائے کی ابتدا اس اعلان سے کرتے ہیں کہ ہندوستان اب دارالحرب ہے۔ لہٰذا اس کے حاکموں کے خلاف جہاد کرنا اب فرض ہو گیا ہے۔ کلکتے کا رسالہ شق اول سے انکار کرتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہندوستان دارالحرب نہیں بلکہ ابھی تک دارالاسلام ہے۔ لیکن وہ اس مسئلے کے ثابت کرنے میں ناکام رہا۔ اور اس لئے ان کثیر التعداد نیک مسلمانوں پر مطلق اثر انداز نہیں ہوگا جن کو اپنا طرفدار بنانے کی سخت ضرورت ہے۔ شمالی ہندوستان کے علماء نے اس مسئلہ پر دوسرے نقطہ نگاہ سے بحث کی ہی۔ وہ وہابیوں کی شق اول کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان اب دارالاسلام نہیں رہا مگر اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ اندریں حالات جہاد فرض ہو گیا ہے۔

میرے خیال میں اس مصیبت کا صحیح ترین حل یہی ہے۔ اگر ہندوستان کو دارالاسلام تصور کیا جائے جیسا کہ مکہ معظمہ کے علماء نے نہایت عیاری سے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے تو دیندار مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہمارے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اگر ہندوستان اب بھی مجازی طور پر دارالاسلام ہے تو ہماری مسلمان رعایا کا زائد حصہ ہمارے خلاف بغاوت کرنا لازم ٹھہرائے گا۔ تاکہ اسے حقیقی طور پر دارالاسلام بنایا جائے۔ اسلامی قانون کی ہر کتاب میں مرقوم ہے کہ اگر کافر دارالاسلام کے کسی شہر پر حملہ کر دیں یا اس پر قابض ہو جائیں تو ہر مسلمان مرد، عورت بچے پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان کا مقابلہ کرے اور وہاں سے انہیں نکال دے یہ اصول بالکل طے شدہ ہے۔ کیونکہ جب روسی اسلامی ترکستان میں داخل ہوئے تو امیر بخارا کو اس کی رعیت نے مجبور کر دیا تھا کہ ان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاف جہاد کا اعلان کرے۔ اگر ہندوستان واقعی دارالاسلام ہے تو ضرور ہے کہ آئے دن کی بغاوت کی کوئی نہ کوئی وجہ پیدا ہوتی رہے۔ ہماری مذہبی رواداری ہمارا سب سے بڑا جرم ہے۔ مثال کے طور پر (زیادہ سنگین جرموں کو چھوڑ کر) اسلامی کتابوں کی تعلیم ہے کہ اگر اسلامی ملک کا بادشاہ مذہب کی بقا اور اس کی اشاعت میں دلچسپی نہ لے تو اس کے خلاف بھی جہاد واجب ہو جاتا ہے جب اکبر نے اپنے ذرائع حکومت میں ہندوؤں کے ساتھ رواداری برتی اور اس کے ماتحت اسلامی قوانین میں ترمیم کر دی تو بغاوت کے جواز میں باقاعدہ فتویٰ شائع کیا گیا اور ایک خونریز جنگ لڑی گئی موجودہ حال میں بغاوت اور بھی ضروری ہو گئی ہے کیونکہ اگر ہندوستان ابھی تک دارالاسلام ہے تو انگریزوں نے طرح طرح سے اسلامی قوانین میں دخل اندازی کی ہے۔ انہوں نے قاضیوں کو برطرف اور اسلامی دستور العمل کو منسوخ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں علمائے مکہ معظمہ کو جو تعصب اور ناروا داری کا مرکز ہے۔ بڑے شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ ان کا فیصلہ ہے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے اور کلکتہ کی محمڈن لٹریری سوسائٹی کی طرح یہ نتیجہ قائم کرنے کے برعکس کہ اس لئے یہاں بغاوت ناجائز ہے انہوں نے اس بات کو اپنے ہندوستانی ہم مذہبوں پر چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ خود ہی اس کے مخالف نتیجہ اخذ کر لیں اور وہ یہ کہ اندریں حالات ان کے لئے بغاوت کرنا فرض ہے۔

بہرحال ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو نتیجہ اخذ کرنے سے گریز کرے گی۔ وہ مطمئن ہے کہ کلکتے کی محمڈن لٹریری سوسائٹی ایسی معتبر انجمن نے علماء[1] کے ذریعہ اس امر کا باقاعدہ اعلان کر دیا ہے کہ ہندوستان اب بھی دارالاسلام ہے اور اس لئے یہاں بغاوت پھیلانا فضول اور بے معنی ہے۔ چونکہ مسلمانوں میں بھی عیسائیوں کی طرح اصولی جھگڑے بے شمار ہیں۔ اس لئے قارئین کو اس جماعت کے ٹھیک ٹھیک جذبات سے آگاہ کرنے کے لئے ذیل میں اس ذی عزت شیخ کی تحریر پر نقل کرتا ہوں جو انہوں نے اس جلسہ میں ارشاد فرمائی۔ جس کی روداد کے طور پر یہ رسالہ قلم بند ہوا[2]۔

---

[1] مولوی کرامت علی جونپوری۔ شیخ احمد آفندی انصاری۔ مولوی عبدالحکیم اور ان کے علاوہ معززین اسلام میں سے ایک جس نے اعلیٰ انگریزی تعلیم حاصل کی ہے اور عملی ذہانت کا مالک ہے یعنی خان بہادر مولوی عبداللطیف۔

[2] شیخ احمد آفندی انصاری مدینہ منورہ کے ایک معزز شہری اور حضرت ابوایوب انصاری کی اولاد سے ہیں جن کا شمار صحابہ رسول اللہ ﷺ میں ہوتا ہے اور کچھ مدت سے اس شہر میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ نے اٹھ کر فرمایا میں اس سوسائٹی کا رکن نہیں لیکن چونکہ خوش قسمتی سے اس جلسہ میں موجود ہوں اس لئے اظہار خیال کی اجازت چاہتا ہوں کیونکہ زیر بحث مسئلہ نہایت اہم ہے اور اس سے مسلمانوں کے بہت سے دینی اور دنیاوی اعمال کے جائز و ناجائز ہونے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگریز چونکہ ہندوستانی معاملات کو مغربی نکتہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لئے غلط سمجھتے

(بقیہ حاشیہ) کا سوال پیدا ہو جاتا ہے جس کا اثر ان کے شخصی اعمال پر بھی پڑے گا کیونکہ وہ اس ملک میں آئے ہوئے اور کئی سال سے یہاں قیام پذیر ہیں۔

جناب صدر نے کہا ہمیں ان کے خیالات کو سن کر بے حد خوشی ہوگی اور ہم اس کے لیئے ان کا شکریہ ادا کریں گے جو کچھ بھی وہ کہیں ہمارے نزدیک اس کی بڑی وقعت ہوگی۔

شیخ محترم نے فرمایا کہ انہوں نے اکثر ممالک کی سیر کی ہے اور وہ دو مرتبہ قسطنطنیہ بھی جا چکے ہیں اول سلطان محمود خاں مرحوم کے زمانے میں اور پھر موجودہ شہنشاہ عبدالعزیز خان کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے وقت۔ اس دفعہ انہوں نے وہاں صرف چودہ مہینے قیام کیا۔ انہوں نے مصر' شام اور ایشیائی ٹرکی کے دوسرے شہروں کی سیر بھی کی اور وہاں مختلف مقامات میں قیام بھی کیا۔ ہندوستان میں اب وہ چوتھی بار آئے ہیں پہلے پہل انتیس سال ہوئے وہ اس ملک میں آئے تھے اور اس وقت انہوں نے مختلف شہروں میں تقریباً" ساڑھے سات برس گزارے۔ اڑھائی سال دہلی اور نو مہینے لکھنؤ میں جب محمد علی شاہ مرحوم یہاں حکومت کر رہے تھے۔ وہ جب تک وہاں رہے شاہی مہمان کی حیثیت سے رہے۔ شاہ مرحوم ان سے بڑی تعظیم و تکریم اور مہربانی سے پیش آئے۔ دو سال تک ان کا قیام حیدر آباد دکن میں رہا۔ یہاں سے وہ بڑودہ' اور وہاں سے افغانستان گئے۔ چار ساڑھے چار برس وہ اس ملک کی سیاحت کرتے رہے۔ افغانستان میں ان کا جانا امیر دوست محمد والی کابل کے بھائی کی ساتھ ہوا۔ وہ جب تک کابل میں رہے بادشاہ کے مہمان رہے۔ دو اور موقعوں پر بھی وہ ہندوستان آئے مگر صرف حیدر آباد دکن اور سندھ میں ٹھہرتے ہوئے واپس چلے گئے اور اب ایک سال کا عرصہ ہوا وہ پھر ہندوستان آئے ہیں۔ انہوں نے بمبئی' بھوپال' رام پور' الہ آباد' پٹنہ' گیا وغیرہ کا سفر کیا اور کلکتہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اس دفعہ بھی ان کی ہر جگہ بڑی آؤ بھگت کی گئی ان کے ساتھ ہزہائی نیس بیگم صاحب بھوپال' ہزہائی نیس نواب صاحب رام پور جس مہربانی اور مہمان نوازی سے پیش آئے اس کا شکریہ وہ کماحقہ ادا نہیں کر سکتے۔ اس طویل داستان سیاحت کے بیان کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ خوش قسمتی سے جو تجربہ ان کو مختلف ممالک کی سیر سے ہوا خصوصاً" ہندوستان میں چار مرتبہ آنے سے اس کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ کے متعلق جو اس جلسہ میں پیش ہے جو کچھ بھی ان سے پہلے آنے والے مقررین نے کہا بالکل ٹھیک کہا۔ بالخصوص سیکرٹری صاحب کا وہ بیان جو انہوں نے ہز میجسٹی ملکہ انگلستان اور ہز میجسٹی سلطان ترکی کی دوستی کے متعلق دیا بالکل ٹھیک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر دوستی سلطان ترکی اور انگریزی قوم کے درمیان ہے ویسی سلطان ترکی اور دنیا کی کسی قوم کے درمیان نہیں پائی جاتی۔ انہیں یعنی مقرر کو حال ہی میں ایک واقعہ یاد آیا جس سے سلطان اور انگریزی قوم کی محبت کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے خدیو مصر نے سلطان سے فرمانبرداری اور بے وفائی کے جذبات کا اظہار کیا۔ جس سے بعض خطرناک واقعات کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ آخر الامر سلطان نے ایک سخت اور قطعی فرمان خدیو کے نام جاری کیا اور حکم دیا کہ اگر اس کے طرز عمل کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے تو صرف اس کی متابعت سے لیکن خدیو نے سلطان کے احکام کے بارے میں لیت و لعل سے کام لیا اور یہ بالکل ناممکن تھا کہ وہ اس کے احکام کی متابعت سے قطعاً" انکار کر دیتا مگر ایسا کرنے سے پہلے اس نے انگریزی کونسل جنرل کو تمام حالات سے مطلع کر دیا اور اس کی رائے کا انتظار کرنے لگا جو اسے بہت ہی جلد معلوم ہو گئی قونصل جنرل کا جواب خدیو کو یہ تھا کہ اسے وزیر انگلستان سے ہدایات پہنچ گئی ہیں کہ اگر اس نے سلطانی احکام کو پورا نہ کیا تو ایتھنز کے بحری بیڑے کو تار دے گا کہ وہ فوراً" اسکندریہ پہنچ جائے۔ خدیو نے یہ سنتے ہی اطاعت قبول کی اور اپنے دل سے بغاوت کا خیال نکال دیا اس نے سلطان کے قطعی اور ذلت آمیز فرمان کی شرط کو پورا کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں کی بلکہ اس کی اطاعت گزاروں میں داخل ہو گیا۔ اس سے سلطان اور انگریزی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی ایشیائی رعایا بھی جو برطانوی جزائر کی آبادی سے چھ گنا زیادہ ہے۔ ہندوستانی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے یورپین سیاست کو اسی جہالت اور سختی کے ساتھ مروڑ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلکتے کا فتویٰ اپنی غلطی کے باوجود بہت خوشحال اور آرام طلب مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہوگا۔ البتہ علمائے شمالی ہند کے مستند فتویٰ کی اشاعت بہت زیادہ ہوگی کیونکہ اس میں وہابیوں کی اس رائے سے اتفاق کیا گیا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے اور اس سے منطقی طور پر وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اندریں صورت مسلمانوں کا فرض ہے کہ پرامن رعایا کی زندگی بسر کریں۔ میں نے اس فتویٰ کو جو ایک اصلاحی شے ہے ضمیمہ میں درج کر دیا ہے۔ اب میں اس مسئلہ کے تاریخی حالات مختصراً" بیان کروں گا جو یقیناً" دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

قوم کی گہری دوستی کا پتہ چلتا ہے وہ سلطان کے بیرونی دشمنوں سے بھی جنگ کر چکے ہیں اور سلطان کے ان اندرونی دشمنوں سے بھی جو بغاوت پر آمادہ تھے' لڑنے کو تیار تھے۔ بیشک سلطان کی اپنی ذات ہی حذیو مصر کو ہوش میں لانے کے لئے کافی تھی لیکن انگریزی قوم نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ اس کو خواہ مخواہ مصیبت اور پریشانی میں ڈالا جائے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انگریز اس وقت حذیو مصر سے بھی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ مگر یہ دوستی صرف اس لئے تھی کہ وہ سلطان کا نائب ہے۔ انہوں نے سلطان کے مفاد کا خیال کرتے ہوئے اس کی دوستی کی کچھ پروا نہ کی مختصراً" یہ کہ اگر انگریزی حکومت حذیو کے ساتھ لڑنے کو تیار ہو جاتی تو حذیو ضرور سلطان کے ساتھ نبرد آزمائی کرنے کی جرات کرتا۔ حاضرین ان آفات کا اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں جو اس اندرونی جنگ و جدل سے پیدا ہو جاتے۔ انگریزی حکومت کی فوری کاروائی سے سلطان اور حذیو دونوں خانہ جنگی کے برے نتائج سے بچ گئے۔ کیا اس سے بھی زیادہ اسلام کا کوئی دشمن ہو سکتا ہے جو خلیفہ اسلام کے ایسے سچے دوست کے خلاف جنگ کرے بالخصوص جب انگریزی ہندوستان کو دارالاسلام تسلیم کر لیا گیا ہے اس جلسہ میں مقررین نے جو سندیں پیش کی ہیں ان کے علاوہ مکہ و مدینہ کے ایسے متبرک شہروں کے صالح علماء کا فتویٰ بھی شائع ہو چکا ہے جو کافی سے زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ قابل عزت علماء تمام ملک کا جائزہ لیتے ہوئے اس فیصلے پر پہنچے کہ انگریزی ہندوستان دارالاسلام ہے۔

اس فتویٰ کی بنا پر عرب کا ہر باشندہ بلا روک ٹوک یہاں آسکتا اور انگریزی حکومت سے شہری اور مذہبی آزادی کا پروانہ لئے بغیر جتنا عرصہ جی چاہتا ہے رہ سکتا ہے علاوہ ازیں انتیس سال پہلے جب وہ اس ملک میں آئے تھے تو اس وقت دہلی اور لکھنؤ میں سیکڑوں علماء حق موجود تھے جن کے ساتھ ان کے مراسم نہایت دوستانہ تھے۔ بایں ہمہ انہوں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ ہندوستان دارالحرب ہے وہ سب ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے اور دارالاسلام میں رہنے کے تمام احکام کو پورا کرتے تھے۔ مقرر خود اس بات کا تجربہ کر چکا ہے کہ ان دنوں بھی آج کی طرح جمعہ اور عیدین کی نماز ادا ہوتی تھی۔ اب بھی یہاں کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوئی جس سے اس ملک کے دارالاسلام ہونے میں فرق آگیا ہو۔ معلوم ہوتا ہے اس ذی علم شخص کو دوران سفر میں ایسے اچھے ساتھی میسر آگئے تھے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے طبقہ عوام الناس میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کا انہیں خیال بھی نہیں آیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھارہویں صدی عیسوی کے پہلے نصف میں بھی یہی مسئلہ پیش آیا تھا جس کی تحریک ہندوستانی مسلمانوں میں انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں پھر ہوئی۔ اس زمانے میں مرہٹہ کافروں نے ہندوستان کی اسلامی سلطنت کو برباد کر دیا تھا۔ اسلامی قوانین کے مطابق جن صوبجات پر پہلے مسلمان یا ہندو حاکم تھے۔ اب ان پر کفار کا قبضہ ہو چکا تھا لہٰذا دیندار مسلمانوں کے سامنے دفعتہ" یہ سوال پیدا ہو گیا کہ فاتحین کے ماتحت ان کی حیثیت کیا ہے اور کیا ان کے خلاف بغاوت جائز ہے یا ناجائز۔ اس وقت اس مسئلے کا فیصلہ یہ ہوا تھا کہ چونکہ مرہٹے آمدنی کا چوتھائی حصہ لینے پر اکتفا کرتے ہیں اور اصل نظام حکومت میں کسی طرح بھی دخیل نہیں۔ اس لئے ہندوستان دارالاسلام ہے۔ انہوں نے صوبجات کے مسلمان حاکموں کو بالکل نہیں چھیڑا۔ اور مسلمان مفتیوں اور قاضیوں کو اپنے عہدے پر بدستور بحال رکھا ہے اگر کوئی مسلمان حاکم مرجاتا تو اس کی جگہ اس کے کسی ہم مذہب کو حاکم مقرر کرتے حقیقت میں اس کے خاندانی وارث کی جانشینی ان تحائف پر منحصر تھی جو اس حق کی تصدیق کے لئے وہ دور دراز کے مرہٹہ دربار میں بھیج دیتے۔ ذیل میں وہ فتویٰ منقول ہے جو اس وقت کے سب سے بڑے عالم نے دیا تھا۔[1]

اب یہ فرض کیجئے کہ دارالاسلام پر کافروں کا قبضہ ہے مگر وہ مسلمانوں کو جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے نہیں روکتے۔ مسلمانوں کے قوانین کو برقرار رکھتے اور قاضیوں کو مقرر کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے حسب خواہش ان کے قوانین کو نافذ کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کفار سے التجا کرنی پڑتی ہے نیز مسلمان حاکموں کا تقرر اس کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان حالات میں اس کے لئے کیا احکام ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس قسم کا کوئی اسلامی صوبہ کافروں کے ہاتھ میں چلا جائے تب بھی دارالاسلام رہتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی دارالحرب ملا ہوا نہیں نہ اس میں کافروں کے قوانین کا اجرا ہوا۔ اس کے حاکم اور مفتی سب مسلمان ہیں اور جو فیصلہ کرتے ہیں۔ شرع اسلامی کے رو سے کرتے ہیں۔ کافر بھی اپنے معاملات کا فیصلہ شرع اسلامی کے مطابق کراتے ہیں۔ بلکہ مسلمان قاضی کافروں کو سزائیں بھی دیتے ہیں۔

---

[1] اس فتویٰ کے لئے مجھے پھر پروفیسر بلوک مین کا شکریہ ادا کرنا ہے انہوں نے اس فتویٰ کو قاضی حمد اللہ بن مولوی شیخ علی بن قاضی محمد حمید بن مولوی تقی الدین محمد صابری جو ترنوہا کے عمر کی اولاد سے ہیں حاصل کیا۔ اس کا عنوان ہے احکام الاراضی یعنی زمینداری کے احکام اور اس کا موضوع ہے دارالاسلام میں اصلی جائیداد کی بحث۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس طرح ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے میں جس قدر وجوہ دیئے گئے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی اس وقت موجود نہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سابق ملازمین اپنی حیثیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اور جب انہوں نے پہلے پہل صوبجات پر قبضہ کیا تو اسلامی نظام کو برقرار رکھا انہوں نے شرع اسلامی کو ملک کا قانون بنایا اور اس کے نفاذ کے لئے مسلمان قاضی مقرر کئے اس وقت جو کچھ بھی کیا جاتا۔ دہلی کے مسلمان شہنشاہ کے نام پر کیا جاتا حقیقت یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی بادشاہت کے طغرائے امتیاز حاصل کرنے سے اس قدر ڈرتی تھی کہ ایک طویل مدت تک بھی جب مسلمان ملازمین کی وساطت سے حکومت کرنے کی کوشش اسلامی نظام کی ناقابل ذکر بدعنوانیوں کے باعث قطعاً" ناکامیاب ہو چکی تھی۔ اس نے یہی ظاہر کیا کہ وہ بادشاہ کی نائب ہے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اس ظاہرداری نے آخر ایک قابل نفرت تماشے کی صورت اختیار کرلی تھی ہم اس زمانے میں بھی جب ہمارا ریزیڈنٹ شاہ دہلی کو ایک غریب قیدی کی طرح کھانے پینے کے لئے کچھ ماہوار رقم بطور وظیفہ[1] دیا کرتا تھا جو حکم کرتے اسی کے نام پر کرتے۔

چونکہ اب تک جو لوگ ہندوستان کی تاریخ پر قلم اٹھاتے رہے وہ کبھی ہندوستان نہیں آئے۔ اس لئے ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ انگلستان میں بیٹھ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس عجیب و غریب طرز عمل کو سمجھ سکیں گے جس کا ہم نے ابھی بیان کیا ہے[2]۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم نے باقاعدہ بادشاہت قبول کرنے میں دس سال بھی جلدی کی ہوتی تو ہم مسلمانوں کی ایسی بغاوت میں گھر جاتے جو 1857ء کی بغاوت سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ہوتی۔ مسلمان محسوس کرتے کہ ان کی حیثیت یک قلم بدل گئی ہے۔ ہماری اپنی حالت بھی ایک ایسی کافر طاقت کی ہو جاتی جس نے دارالاسلام پر قبضہ کر لیا ہو۔

---

[1] 1773ء میں سکوں پر یہ عبارت کندہ تھی جو ناموں کے تغیر کے ساتھ متواتر جاری رہی بادشاہ عالم پاسبان دین محمد سایہ رحمت الٰہی نے یہ سکہ ہفت اقلیم میں جاری کرنے کے لئے ڈھالا اور دوسری طرف کندہ ہوتا۔ مرشد آباد میں تخت نشینی کے انیسویں سال ہمایوں میں ڈھالا گیا۔

[2] سوائے مارش اور مونسرات کی کتاب کے اور کوئی کتاب اس وقت کی نہیں ہے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں مونسرات کے متعلق مولانا ظفر علیخان کا ایک شعر ہے۔

ٹھکانا کیا ہے اس ضد کا جو کافر کو ہو مومن سے خصوصاً" جبکہ یہ ضد کرنے والا پادری بھی ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندریں حالات مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت جمع ہو جاتی کہ بغاوت کو فرض عین قرار دے۔ میں اس سے پہلے بیان کر آیا ہوں کہ شریعت اسلامی کی رو سے ہر مرد' عورت اور بچے کا پہلا فرض یہ ہے کہ کافر حکمرانوں کی بیخ کنی کرے اور انہیں ملک سے باہر نکال دے[1]

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کی قابل تعریف اعتدال پسندی اور اس عزم بالجزم نے کہ اسلامی سلطنت کی تدریجی اور طبعی موت میں ایک لمحہ بھر کی عجلت بھی نہ کی جائے اس مصیبت کو ہمارے سر سے ٹال دیا۔ ہندوستان بتدریج اور غیر محسوس طور پر دارالاسلام سے دارالحرب میں تبدیل ہو تا گیا۔ شاہی ضلع وار دستاویزات کی کئی سال تک تحقیق کرنے کے بعد بھی میرے لئے یہ بتانا ناممکن ہے کہ یہ تبدیلی کس سال یا کس مدت میں واقع ہوئی۔ مسلمان شہنشاہ کی ظاہری برتری کو مٹانے سے بہت پہلے ہم نے مسلمان حاکموں کو برطرف کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس برائے نام عظمت کے برائے نام تماشہ بن جانے کے بعد بہت کافی عرصے تک حتیٰ کہ 1835ء تک ہمارے سکے اسی کے نام جاری ہوتے[2]۔ پھر جب ہمیں یہ جرات ہوئی کہ سکوں پر انگریزی بادشاہ کی شکل دے دی جائے تب بھی ہم نے اسلامی دستور العمل اور عدالتوں میں اسلامی زبان کو برقرار رکھا۔ گو یہ باتیں بھی اپنی اپنی باری پر بتدریج مٹ گئیں۔ حتیٰ کہ 1864ء میں ہم نے ایک دلیرانہ قدم اٹھایا۔ میرے خیال میں یہ اقدام بڑا ہی غیر دانشمندانہ تھا یعنی مجلس قوانین ساز کے ایک ایکٹ کے ذریعہ ہم نے تمام مسلمان قاضیوں کو برطرف کر دیا۔ اس قانون نے نئی ہندوستانی سلطنت کی اس عمارت کو مکمل طور پر دارالحرب میں بدل دیا۔ جس کی تعمیر پوری ایک صدی (1765ء سے 1864ء) سے ہو رہی تھی۔ اسلامی حکومت کے اس طرح بتدریج مٹنے سے ہماری مسلمان رعایا پر نئے نئے فرائض عاید ہوتے گئے۔ پیشتر اس کے کہ ہندوستان دارالحرب بن سکے مسلمانوں کے ان فرائض میں رفتہ رفتہ کمی ہوتی گئی جن کی ادائیگی دارالاسلام میں ضروری ہے۔

جیسا کہ میں پہلے ذکر کر آیا ہوں ان کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ کافر فاتح کے خلاف جہاد کریں مگر اب جبکہ صورت حال بدل چکی ہے ان پر فرائض کا ایک نیا مجموعہ

---

[1] مبسوط امام محمد۔

[2] 1835ء میں کمپنی کے روپے پر جس کا وزن 180 گرین تھا انگریزی بادشاہ کی شکل بنائی گئی تھی اور ایسٹ انڈیا کا نام لکھا گیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عائد ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کی حیثیت یک قلم تبدیل ہو گئی ہے اور موجودہ نسل اس کی تبدیلی کی ذمہ دار نہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ ہندوستان کے مالک ہوتے ان کے حقوق اچانک چھین لئے گئے جن کا اب ان کو دوبارہ حاصل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ اصطلاحاً" اب ان کا شمار مستامنین یعنی امان چاہنے والوں میں کرنا چاہئے چنانچہ اس حالت میں انہوں نے اپنے انگریزی حاکموں سے کچھ نہ کچھ شہری اور مذہبی مراعات حاصل کرلی ہیں (یعنی امان) یہ سچ ہے کہ ان کو وہ حیثیت نہیں ملی جو اسلامی حکومت کے ماتحت حاصل تھی پھر بھی انہوں نے اپنے حقوق ضرور منوا لئے ہیں جو ان کے مال و جان اور مذہب کی حفاظت کے لئے کافی ہوں۔ ان کی نماز اور نماز باجماعت سے تعارض نہیں کیا جاتا۔ ان کی مذہبی عمارتوں اور مقامات کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اس شہری اور مذہبی آزادی (امان) کے بدلے وہ ہماری رعایا ہونے کا اقرار کرتے ہیں جیسا کہ ان کے آباؤ اجداد پچاس سال سے کرتے آئے ہیں۔ وہی مستند علما جو کبھی ان کو اس بات پر مجبور کرتے تھے کہ وہ دارالاسلام کے باشندے ہیں۔ اس لئے انہیں کافر حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اس بات پر مصر ہیں کہ دارالحرب کی رعایا کی حیثیت سے ان کو اپنے عہدوپیمان کا پاس اور کافر حکومت کے ماتحت امن و امان کی زندگی بسر کرنی چاہئے۔

بعینہ اب جہاد کا فرض بھی معطل ہو رہا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی موجودہ نسل اپنے ہی قوانین کی رو سے مجبور ہے کہ موجودہ حالت پر راضی ہو جائے وہ اس صورت حالات کی ذمہ دار نہیں۔ حکمت خداوندی کی بناء پر اور اس خیال سے کہ بغاوت دین اسلام کو کن کن خطرات میں مبتلا کر دے گی۔ ان کو جنگ و جدل برپا کرنے سے روک دیتی ہے۔ لہٰذا وہ مجبور ہیں کہ ان تعلقات کو جو فاتح اور مفتوح کے درمیان پیدا ہو چکے ہیں قائم رکھیں۔ بحیثیت رعایا انہیں اپنے فرائض اس وقت تک پوری طرح ادا کرنے چاہئیں جب تک کہ ہم ان کی (امان) حیثیت کو اس حد تک برقرار رکھیں کہ ان کے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔

لیکن اگر ان کے انگریز حکام ان کے خاموش معاہدے کو توڑ ڈالیں۔ یعنی ان کی نماز باجماعت یا جائز شرعی رسوم یا مسجدوں کی تعمیر یا ادائے حج یا علماء اور پیروں کی تعظیم و تکریم یا اسلامی شخصی قوانین میں دخل انداز ہوں تو پھر ان پر جہاد فرض ہو جائے گا۔ اگر ان حالات میں جہاد فرض ہو جائے لیکن ناقابل عمل ہو تو پھر ہر دیندار مسلمان پر ہجرت لازم آتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان تمام حالات کو تحریر فرما دیا ہے جن میں ہجرت کرنا ضروری ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی یہ سب باتیں درج ہیں۔

آئندہ باب میں میں یہ ثابت کروں گا کہ ہم کن خطرناک حالات سے گزر رہے ہیں اس کتاب کا مقصد صرف یہ نہیں کہ مسلمان رعایا کو وہ فرائض یاد دلائے جائیں جو حکام کی طرف سے ان پر عائد ہوتے ہیں بلکہ حکام پر بھی یہ امر اچھی طرح واضح کردے کہ محکوموں کی طرف سے ان کے ذمے کیا فرائض ہیں۔ شمالی ہندوستان کے علماء کا فتویٰ جس کے تاریخی حالات میں گزشتہ صفحات پر وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں ان جماعتوں پر گہرا اثر رکھتا ہے جن کی خیر خواہی کی ہم کو اشد ضرورت ہے مگر اس میں وزن پیدا ہو گا تو اسی وقت جب ہم ان کے حقوق اور مذہبی مراسم میں دخل انداز نہ ہوں۔ ہندوستان کے تمام وہابی اور دیندار مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس ملک کو دارالحرب قرار دیتی ہے۔ گو مسلمانوں کی وہ اکثریت جو زیادہ ہوشمند ہے تبدیلی حالات پر آنسو بہاتی ہے لیکن اس کے باوجود ان فرائض کی انجام دہی پر آمادہ ہے جو فی زمانہ ان پر عائد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمان ایک فاتح قوم ہے۔ نہ کہ مفتوح۔ جیسا کہ اس سے پہلے واضح کر دیا گیا تھا۔ قرآن مجید کو عرصے سے سیاست اور تمدن کے لئے ناکافی سمجھا جا رہا ہے۔ اور اس لئے مسلمان اقوام کی ضروریات کے مطابق شریعت اسلامی اور قوانین عامہ میں مزید اضافے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے ہمارے لئے اگرچہ اپنی مسلمان رعایا سے پرجوش وفاداری کی توقع رکھنا عبث ہو گا۔ لیکن ان سے یہ امید رکھنا بھی غیر معقول نہیں کہ جب تک ہم پابندی کے ساتھ ان کے حقوق پورے کرتے رہیں گے وہ بھی ایمانداری کے ساتھ اس صورت حال میں اپنے فرائض سرانجام دیتے رہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے زیر نگیں کر دیا ہے۔

علماء میں سے جو لوگ زیادہ زیرک تھے انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت میں آنے والے تغیر کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ یہ تغیر اب ایک حقیقت بن چکا ہے۔ وقتاً" فوقتاً" شائع ہونے والے فتووں سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مال اندیشانہ رویہ کے باوجود حکومت کا انقلاب ایک نامعلوم طریقہ پر جاری نہ تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک فتوے میں صاف صاف اعلان کیا گیا ہے کہ ہندوستان اس وقت تک دارالاسلام رہ سکتا ہے جب تک مسلمان مفتی جن کو آگے چل کر ہم نے برطرف کر دیا تھا قانونی فیصلے کرتے رہیں۔ ان میں سے دو فتوے یعنی ایک تو شمس الہند مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب اور دوسرا ان کے بھتیجے مولوی عبدالحی صاحب کا سب سے زیادہ اہم ہیں جب ہم نے نظام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کو بتدریج اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو اس وقت دیندار مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا کہ ہمارے ساتھ ان کے تعلقات کیا ہونے چاہئیں۔ لہٰذا انہوں نے ہندوستان کے سب سے زیادہ مستند علماء سے رجوع کیا اور اوپر کے دونوں مشہور و معروف علماء نے ان کے جواب میں فتوے صادر فرمائے جو حرف بحرف درج ذیل ہیں۔

شاہ عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں کہ جب کافر کسی اسلامی ملک پر قابض ہو جائیں اور اس ملک اور ملحقہ اضلاع کے مسلمانوں کے لئے یہ ناممکن ہو کہ وہ ان کو اس سے باہر نکال سکیں یا ان کو باہر نکالنے کی کوئی امید باقی نہ رہے اور کافروں کی طاقت میں یہاں تک اضافہ ہو جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اسلامی قوانین کو جائز یا ناجائز قرار دیں۔ اور کوئی انسان اتنا طاقتور نہ ہو جو کافروں کی مرضی کے بغیر ملک کی مالگزاری پر قبضہ کر سکے اور مسلمان باشندے اس امن و امان سے زندگی بسر نہ کر سکیں جیسا کہ وہ پہلے کرتے تھے۔ تو یہ ملک سیاسی اعتبار سے دارالحرب ہو جائے گا۔ جوں جوں ہماری طاقت مضبوط ہوتی گئی علماء کے فتووں میں ہندوستان کا دارالحرب ہونا زیادہ نمایاں ہوتا گیا۔ مولوی عبدالحی صاحب جو مولانا عبدالعزیز صاحب کے بعد ہوئے ہیں صاف طور پر حکم لگاتے ہیں "عیسائیوں کی پوری سلطنت کلکتہ سے لے کر دہلی اور ہندوستان خاص سے ملحقہ ممالک (یعنی شمال مغربی سرحدی صوبے) تک سب کی سب دارالحرب ہے۔ کیونکہ کفر اور شرک ہر جگہ رواج پا چکا ہے اور ہمارے شرعی قوانین کی کوئی پروا نہیں کی جاتی جس ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں وہ "دارالحرب" ہے یہاں ان تمام شرائط کا بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا جن کے ماتحت جملہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کلکتہ اور اس کے ملحقات دارالحرب ہیں۔

ان فتووں سے عملی نتائج بھی مرتب ہوئے۔ وہابیوں نے جن کا جوش ان کے علم کی نسبت بہت زیادہ ہے اس اصول سے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کے حاکموں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔ زیادہ روشن خیال مسلمان گو اس حقیقت پر بہت غمگین ہیں۔ مگر اس کو بغاوت کی وجہ قرار نہیں دیتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان کی روحانی مراعات میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر دارالاسلام میں جہاں مسلمانوں کی مذہبی حیثیت تمام و کمال قائم ہوتی ہے۔ نماز جمعہ فرض ہے۔ لیکن ہندوستان میں صرف دیندار مسلمان ہی اس نماز کی شرکت سے گریز نہیں کرتے بلکہ چند ایک مساجد میں اس کی ممانعت بھی کر دی گئی ہے۔ چنانچہ کلکتہ کے دو مسلمان جو اپنی طرف زندگی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں خاص شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ ہمارے یعنی محمڈن کالج کے سابق ہیڈ پروفیسر[1] اور سابق قاضی القضاۃ[2] جمعہ کی نماز سے احتراز فرماتے رہے۔ وہ ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے ہوئے اس بات کے قائل تھے کہ اس طرح ہماری روحانی مراعات میں کمی واقع ہو گئی ہے لیکن ان کی زندگی وفادار رعایا اور باوقار ملازموں کی تھی بہت سے مسلمان جو ہندوستان کی بدلی ہوئی حالت کا اقرار کرتے ہیں اس حد تک نہیں بڑھتے کہ نماز جمعہ کی روحانی تسکین سے بھی احتراز کریں۔

لہٰذا عام مسلمانوں کو اگر یہ پتہ چل جائے کہ وہ اپنی روح کو اذیت پہنچائے بغیر نماز جمعہ میں شریک ہو سکتے ہیں تو یقین ہے کہ وہابیوں سے اپنا تعلق منقطع کر لیں گے۔ علماء نے شمالی ہند کا باقاعدہ فتویٰ جس کو شائع ہوئے کچھ عرصہ ہوا اور جس کے تاریخی حالات میں نے بیان کر دیئے ہیں ہزاروں مسلمانوں کی تسکین و تسلی کا باعث ہو گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہماری حکومت پر یہ خاموش رضامندی انہی بحثوں کا معمولی سا نتیجہ ہے جو مسلمانوں کو بے چین کر رہی ہیں۔ مگر اسلام کا متعصبانہ جذبہ اپنے پیروؤں کو اس رضامندی سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مسلمانوں میں بھی عیسائیوں کی طرح وہ لوگ اقلیت میں ہیں جو واقعی باغیرت اور خوددار ہوں۔ دنیا دار لوگ ہمیشہ حکومت کا ساتھ دیتے ہیں۔ ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے کوئی نوجوان خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے انکار کرنا نہ جانتا ہو۔ ایشیا کے پھلنے پھولنے والے مذاہب جب مغربی سائنس کے یک بستہ حقائق کے مقابلے میں آتے ہیں تو سوکھ کر لکڑی ہو جاتے ہیں۔ ان بے دینوں کی بڑھتی ہوئی نسل کے علاوہ ہم کو عافیت پسند طبقہ کی امداد حاصل ہے۔ یہ لوگ جو کچھ بے ضرر اعتقادات اور تھوڑی بہت جائیداد کے مالک ہیں اپنی نمازیں ادا کرتے اور بڑے اہتمام سے مسجدوں میں جاتے ہیں لیکن ضروری اور اہم مسائل پر سوچنے کی قطعاً" پروا نہیں کرتے۔

مسلمانوں کی یہ دو جماعتیں سیاسی طور پر کتنی ہی اہم کیوں نہ ہوں۔ مجھے ہندوستان میں اس بات کو دیکھ کر بہت ہی رنج ہوتا ہے کہ اس ملک کے بہترین آدمی ابھی ہمارے طرفدار نہیں۔ وہ اب تک ہماری مخالفت کرتے چلے آتے ہیں اور یہ بات کہ انہوں

---

[1] مولوی محمد وجیع صاحب [2] قاضی القضاۃ مولوی فضل الرحمٰن صاحب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کچھ دنوں سے اس پرانی دشمنی کو ضروری فرائض سے خارج کر دیا ہے کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہم ان سے آج بھی زیادہ سے زیادہ جو توقع کر سکتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہماری مخالفت نہ کریں لیکن اگر کوئی حکومت صحیح معنوں میں حکومت ہے تو وہ اس خاموش رضامندی پر جو مذہبی فرائض کی بنا پر قائم ہو زیادہ اعتبار کر سکتی ہے بہ نسبت اس وفاداری کے جس کی بنا ناپائیدار خودغرضی پر ہو۔[1]

---

[1] اگر حکومت یہ مناسب خیال کرے تو اس کو علمائے اسلام کے سامنے یہ سوال قطعی شکل میں پیش کرنا چاہئے تاکہ وہ ایک فیصلہ کر سکیں۔ خوش قسمتی سے سردست اس قسم کے طرز عمل کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر کبھی اس کی ضرورت ہوئی تو یہی سوال عوام کی وفاداری کو آزمانے کی بہترین شکل ہوگی۔

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان اس صورت میں جب کہ ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہے حملہ آور ہو تو کیا اس وقت مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ انگریزوں کی امان کو خیرباد کہہ دیں اور حملہ آور کی امداد کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب چہارم

انگریزی حکومت کے ماتحت مسلمانوں سے ناانصافیاں

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ مسلمان خود اپنے قوانین ہی کے رو سے مجبور ہیں کہ ہماری حکومت کے ماتحت پرامن زندگی بسر کریں لیکن یہ مجبوری صرف اسوقت تک باقی رہتی ہے جب تک ہم بھی معاہدے کے ساتھ اس حصے کو پورا کرتے رہیں۔ جس کا تعلق ہمارے ساتھ ہے ہمارے لئے ان کے حقوق اور روحانی مراسم کا احترام ضروری ہے۔ جب کبھی ہم ان کے شہری اور مذہبی حقوق (یعنی امان) میں دخل دیں گے جس کی بنا پر وہ اپنے مذہبی احکام کو پورا نہ کر سکیں تو اس وقت وہ فرائض بھی جو ہمارے متعلق ان پر عائد ہوتے ہیں ختم ہو جائیں گے ہم ان کو زبردستی اپنا مطیع بنا سکتے ہیں مگر ان سے اطاعت کی توقع نہیں رکھ سکتے ہندوستان کی انگریزی حکومت کا یہ طرز عمل نہایت درجہ قابل تعریف ہے کہ اس نے گزشتہ فاتحوں کی طرح فوجی حکومت قائم نہیں کی بلکہ ایک آئینی حکومت کی بنیاد رکھی ہے جو لوگوں کی ضروریات کے عین مطابق اور ان کی خیر خواہی کے لئے قائم ہے۔ اگر مسلمانوں پر ناواجب سختیاں کی گئیں تو وہ اس حکومت کے قیام کو ناممکن کر دیں گی۔ ان کے معاملہ میں تو معمولی سے معمولی شکایتیں بھی عظیم الشان سیاسی غلطیوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ ایسی فاش غلطیوں کا مجموعی اثر اسلامی قوانین کے رو سے یہ ہوگا کہ حکومت اور مسلمانوں کے تعلقات یکسر بدل جائیں گے اور وہ ان فرائض کی بجاآوری سے جو بحیثیت رعایا ان پر عائد ہوتے ہیں اپنے آپ کو بری الذمہ تصور کریں گے لہٰذا یہ امر ان کو سازش اور بغاوت پر مجبور کر دے گا۔

میری ناقص رائے یہ ہے کہ حکومت ہند اس قسم کی فاش غلطیوں کا ایک سے زیادہ مرتبہ ارتکاب کر چکی ہے۔ البتہ ان کوتاہیوں کو بیان کرنے سے پہلے یہ واضح کر دوں کہ میرے بیانات کا تعلق ان مسلمانوں سے بھی ہے جو انگریزی حکومت کے ماتحت پرامن رہنے کا اقرار کر چکے ہیں پچھلے ابواب میں دو حقیقتیں ثابت کی گئی تھیں۔ اول یہ کہ ہماری سرحد پر ایک باغی کیمپ بدستور قائم ہے اور ثانیاً" یہ کہ ہماری سلطنت کی حدود کے اندر بھی ایک دیرینہ سازش کام کر رہی ہے انگریزی حکومت مسلح غداروں کے ساتھ کسی قسم کی گفت و شنید کرنے کے لئے تیار نہیں جن لوگوں کا ہاتھ قبضہ شمشیر پر ہے ان کو تلوار کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھاٹ ہی اتار دینا چاہئے ہرٹوافلس ڈروک[1] کی تمثیل جو کوہ ایلپس کی چوٹی سے متعلق ہے۔ ہندوستانی سلطنت پر ٹھیک ٹھیک چسپاں ہوتی ہے اور وہ یہ کہ امن صرف طاقت کے سہارے قائم ہو سکتا ہے۔ جب انگریز اس قابل نہیں رہیں گے کہ اس ملک میں اپنی مالی حالت یا بعض دوسرے وجوہ کی بنا پر حق کے لئے تلوار اٹھا سکیں تو ان کے لئے یہی بہتر ہوگا کہ قریب ترین بندرگاہ سے اپنے ملک کو واپس لوٹ جائیں۔

رہا ان غداروں کا معاملہ جو ہماری حدود سلطنت کے اندر رہ کر مصروف سازش ہیں تو ان کے لئے بھی انصاف کی تمام راہیں کھلی رہنی چاہئیں۔ پھر انصاف بھی ایسا ہونا چاہئے جس میں رحم کا امتزاج ہو جو اس علم کی بدولت نرمی اختیار کر سکے کہ یہ لوگ اپنے عقیدے کے مطابق بڑے ہی پاک طینت تھے اور انہوں نے بغاوت میں حصہ لیا تو کسی ادنیٰ مقصد کے لئے نہیں مجلس قوانین ساز نے گرفتاری کا حق محکمہ منتظمہ کو دے رکھا ہے۔ اس سے بیشک حکومت اس قابل ہو گئی ہے کہ اس شر کا مقابلہ کر سکے۔ وہ سرغنوں کو صرف نظربند کر دیتی ہے اور انہیں یہ عزت نہیں دیتی کہ مذہب کی خاطر قید و بند کی سختیاں برداشت کریں۔ حکومت ان لوگوں کے ساتھ بھی جن کو عدالت نے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی ہو حقارت آمیز ملاطفت کا برتاؤ کرتی ہے۔ جس سے یہ مجرم چند سال بعد ہی مسلمانوں میں وہابی مذہب کے منکرین کی حیثیت سے واپس آجاتے ہیں۔ اگر اس کوشش کو تباہ کرنے کی سازش دھڑا دھڑ گرفتاریوں سے کی جاتی تو متعصب لوگوں کے جوش و خروش کی آگ اور بھی بھڑک اٹھتی اور تمام دیندار مسلمانوں کی ہمدری ان کے ساتھ ہو جاتی۔ لہٰذا اس شورش پسند جماعت کو کسی قسم کی نفرت پیدا کئے بغیر نہایت نرمی لیکن پوری قوت کے ساتھ دوسروں سے الگ کر دینا چاہئے۔

جب ہم غداری کے خلاف اس قدر سختی سے کام لے رہے ہیں تو ہمیں خیال رکھنا چاہئے کہ بے اطمینانی کی کوئی وجہ باقی نہ رہے۔ اس قسم کی تحقیقات کی ابتدا کسی بیرونی دباؤ سے پہلے ہی ایک باعزت طریق پر عمل میں لانی چاہئے جب ایک بہت بڑی سازش کی روک تھام مراعات سے کی جائے تو ان کو شرافت اور سخاوت سے تعبیر کرنا غلطی ہوگی۔ اگر ہم نے مسلمانوں سے کسی معاملہ میں ناانصافی کی ہے تو اب اس کی تلافی کے لئے

---

[1] Herteupels Droct

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی بے جا خودپسندی کو ہمارا سدراہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو بہت کافی طاقت حاصل ہے۔ اور اسے اس بات سے نہیں ڈرنا چاہئے کہ اس کا یہ طرز عمل کمزوری پر محمول کیا جائے گا۔ وہ چاہتی تو سب غداروں کو جیل میں بند کر سکتی تھی۔ لیکن اس کے پاس ان کو بے یارومددگار چھوڑ دینے کا زیادہ بہتر طریقہ موجود ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی ہمدردی کا سلسلہ ان سے منقطع کر دے۔ مگر یہ جب ہی ممکن ہے کہ ہم ان متواتر اور مسلسل ناانصافیوں کے احساس کو دور کریں جو انگریزی حکومت کے ماتحت مسلمانوں کے اندر پیدا ہو گیا ہے۔

اس حقیقت سے چشم پوشی بے سود ہے کہ مسلمان ہم پر کیسے کیسے شدید الزام عائد کرتے ہیں۔ ایسے الزام جو شاید ہی کسی حکومت پر عائد کئے گئے ہوں۔ وہ ہمیں اس بات کا ملزم ٹھہراتے ہیں کہ ہم نے ان پر ہر قسم کی باعزت زندگی کا دروازہ بند کر دیا ہے وہ ہمیں اس بات کا ملزم ٹھہراتے ہیں کہ ہم نے ایک ایسا طریقہ تعلیم رائج کر دیا ہے جس سے ان کی قوم بہرہ ور نہیں ہو سکتی۔ اور جو ان کی ذلت و خواری کا سبب بن گیا ہے۔ وہ ہمیں یہ بھی الزام دیتے ہیں کہ ہم نے مسلمان قاضیوں کی برطرفی سے ہزارہا خاندانوں کو مبتلائے آفات کر دیا ہے۔ یہ قاضی نکاح کے لئے مذہبی اجازت دیتے تھے اور ان کا کام زمانہ قدیم ہی سے اسلام کے متبرک قوانین کی نگہداشت اور نفاذ عمل میں لانا تھا۔ ان کو شکایت ہے کہ ہم نے مسلمانوں سے مذہبی فرائض کو پورا کرنے کے ذرائع چھین لئے۔ اور اس طرح روحانی اعتبار سے ان کے ایمان کو خطرے میں ڈال دیا۔ ہمارا بڑا جرم ان کے نزدیک یہ ہے کہ ہم نے مسلمانوں کے مذہبی اوقاف میں بددیانتی سے کام لیتے ہوئے اُن کے سب سے بڑے تعلیمی سرمائے کا غلط استعمال کیا۔ ان مخصوص الزامات کے علاوہ جن کے متعلق ان کو یقین ہے کہ باسانی ثابت کئے جا سکتے ہیں اور بھی بہت سی شکایات ہیں جو جذبات پر مبنی ہیں اور شاید انگریزوں کے تصور سے قاصر دماغ پر کوئی اثر نہ ڈال سکیں۔ مگر آئرلینڈ کی طرح ہندوستان میں بھی یہ شکایتیں مسلمانوں کو حاکموں سے بدظن رکھتی ہیں وہ علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہم نے بنگال میں قدم رکھا تو مسلمانوں کے ملازمین کی حیثیت سے۔ لیکن اپنی فتح و نصرت کے وقت ان کی مطلق پروا نہیں کی۔ اور نودولت طبقہ کی گستاخانہ ذہنیت کے ساتھ اپنے سابق آقاؤں کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ مختصر یہ کہ ہندوستانی مسلمان برطانوی حکومت کو غفلت اور بے اعتنائی کا مجرم جذبات شجاعت سے معرا اور سرمایہ میں کمینوں کی طرح بددیانتی سے۔ کام لینے والے اور دیگر بڑی بڑی ناانصافیوں کا جن کا سلسلہ سو سال تک پھیلا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہے مرتکب ٹھہراتے ہیں۔

یہ الزامات کہاں تک صحیح ہیں اور ہم ان میں کہاں تک مجبور ہیں اس امر کو ذرا وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت ہے لیکن اول قارئین سے استدعا کروں گا کہ مسلمانوں کے متعلق ہمارے رویہ کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے دل سے اس غم و غصہ کو دور کریں جو ایک جماعت کی فروگزاشتوں نے جس کا ذکر گزشتہ ابواب میں آچکا ہے پیدا کر دیا تھا۔ بغاوت اور متعصبانہ جوش غیر ملکی حکومت کے لازمی نتائج ہیں۔ جب تک انگریزوں میں یہ صلاحیت رہے گی کہ ہندوستان پر حکومت کر سکیں وہ اندرونی غداروں اور سرحدی باغیوں دونوں سے بخوبی نپٹ سکیں گے۔ لہٰذا جہاں تک میرا تعلق ہے' مسلمانوں کی شکایت کرتے ہوئے گم کردہ راہ وہابیوں کا کوئی ذکر نہ کروں گا اور پھر چونکہ آگے چل کر بھی ان کا تذکرہ نہیں کیا جائے گا اس لئے یہاں ان دو انگریزوں کی رائیں نقل کرنا بہتر ہوگا جو اس امر پر کہ مسلمانوں کی بغاوت کو ان کی شکایات سے کیا تعلق ہے بہترین رائے دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں خاموش احتجاج اور پرجوش بے چینی میں بہت کم فرق کیا جا سکتا ہے ہم نے پرامن مسلمانوں کی ضروریات سے غفلت برت کر ان کی ہمدردی کو ایک ایسی جماعت سے وابستہ کر دیا ہے جس کی آتش بیانی اور باغیانہ جذبات سے وہ بصورت دیگر پرہیز کرتے تھے۔

وہابی مقدمات کے ایک ذمہ دار افسر[1] نے پچھلے دنوں لکھا تھا "میرے خیال میں مسلمان کاشتکاروں کے دلوں پر وہابی اصولوں کا بہت زیادہ اثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان کی تعلیم سے بالکل غافل ہیں۔ اس کے بعد وہ ثابت کرتا ہے کہ ہمارے طور طریقوں کے ماتحت چونکہ زندگی کے بہتر ہونے کی کوئی صورت نہیں اس لئے وہ اعلیٰ جماعتیں بھی جن کی تعلیم کے لئے ہم نے کچھ نہ کچھ انتظام کر رکھا ہے ان سے متاثر ہو جاتی ہیں۔ مقدمہ انبالہ میں اس قسم کے ایک واقعہ کا انکشاف ہو چکا ہے جس سے یہ قیاس پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے میں عثمان علی کو بذات خود جانتا ہوں۔ اس کا بیان تھا کہ تین سال کا عرصہ ہوا مجھے جیسور جانے کا اتفاق ہوا جہاں میری ملاقات ناظر عدالت سے ہوئی۔ اس نے میرا حال احوال پوچھا۔ میں نے جواب دیا کہ میں بڑا بدقسمت انسان ہوں۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ تم پڑھے لکھے آدمی ہو تم کو اس مصیبت میں پڑے رہنے کی ضرورت۔ میری بات سنو۔

---

[1] مسٹر جیمز اوک نیلے (I-C-S)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر پسند آجائے تو تمہاری حالت سدھر جائے گی۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا۔ قرآن مجید کو ہاتھ میں لو اور ساتھ کے ضلع میں چلے جاؤ اور لوگوں میں اپنے دین کی تبلیغ کرو۔ پھر ان میں سے جن لوگوں کو حسب منشا دیکھو ان کو جہاد پر آمادہ کرو۔ چنانچہ میں نے اس ضلع میں تبلیغ کی اور بہت سے آدمیوں سے روپیہ بھی حاصل کیا"۔ یہ ہے وہ شخص جس کے متعلق میں اپنی دانست کے مطابق یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے مذہب کی تبلیغ شروع کی تو کچھ اپنے عقائد کے زیر اثر اور کچھ روپے کے لالچ میں آکر۔ اور اس قسم کے آدمی تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ کاشتکاروں کو اکساتے ہیں اور ذرہ لمبیلا کی لڑائی میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی تھی کہ ان اشخاص کو حقارت اور بے پروائی کی نظر سے دیکھنا ایک غلطی ہے۔ مزید براں بعض حالات کے ماتحت ایک بنگالی بھی اس بے جگری سے لڑ سکتا ہے جس طرح ایک افغان"۔

ایک اور انگریز جس کا بیان اس سے بھی زیادہ قابل وثوق ہے لکھتا ہے[1] یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ اس طریقہ تعلیم سے پرہیز کرتے ہیں جو فی نفسہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو ان کے ملی رجحانات کو قطعاً" خاطر میں نہیں لاتا۔ حقیقت میں ان کی ضروری سے ضروری احتیاجات بھی پوری نہیں ہوتیں۔ یہ طرز تعلیم لازماً" ان کے مفاد کے خلاف اور ان کی مدنی روایات کے منافی ہے۔

تعلیم یافتہ مسلمان جن کو پرانے طریقہ تعلیم پر ناز ہے حکومت کے ان عہدوں پر اور ملازمتوں میں کوئی جگہ نہیں پاتے جن پر اس سے پیشتر ان کی اجارہ داری قائم تھی۔ وہ حیران ہیں کہ یہ سب کچھ اور دیگر ذرائع زندگی قابل نفرت ہندوؤں کے ہاتھ میں چلے گئے یا چلے جا رہے ہیں۔ جن مسلمانوں کی تعلیم ذرا بہتر ہوتی ہے وہ بھی نالاں ہیں۔ گو ان کا یہ احساس مذہبی ایذا رسانی کی حد تک نہیں پہنچتا۔ اگرچہ ان کے مذہبی خیالات کے مطابق لاپروائی کی حد تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ ان کے تعصب کو جس کا جواز قرآن مجید سے ہر وقت ثابت کیا جا سکتا ہے یہاں تک برانگیختہ کیا گیا ہے کہ ڈر ہے کہ کہیں ساری مسلمان قوم بے وفا' جاہل اور متعصب گروہ کی شکل اختیار نہ کر لے۔ دوسری طرف صرف چند تعلیم یافتہ لوگ ایسے ہوں گے جو کسی متعصبانہ اور ناواجب رنگ میں مضطرب نہیں اور جو اپنی قوم میں بہت کچھ اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔

---

[1] مسٹر بے لے۔ حکومت ہند کے محکمہ داخلیہ کا سیکرٹری جن کی ہمدردی کے مسلمان بہت ہی شکرگزار ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑے افسروں سے لے کر چھوٹے افسروں تک (موجودہ وائسرائے سے زیادہ کسی نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ناانصافیوں پر زیادہ غور نہیں کیا) ہر شخص کو یقین ہو گیا ہے کہ ہم نے ملکہ کی مسلمان رعایا کے حقوق پورے نہیں کئے اور ہندوستان کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ جس کی تعداد تین کروڑ کے لگ بھگ ہے اپنے آپ کو برطانوی حکومت کے ماتحت تباہ و برباد ہوتا دیکھ رہا ہے۔ اس کو شکایت ہے کہ جو لوگ کل تک اس ملک کے فاتح اور حکمران تھے۔ آج نان جویں کے روکھے سوکھے ٹکڑوں کو بھی ترس رہے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ یہ سب کچھ نتیجہ ہے ان کے اپنے انحطاط کا۔ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہوگا۔ کیونکہ ان کا انحطاط بھی تو ہماری ہی سیاسی غفلت اور لاپروائی سے مترتب ہوا۔ جب تک اس ملک کی عنان حکومت ہمارے ہاتھ نہیں آئی تھی تب بھی مسلمانوں کا یہی مذہب تھا۔ وہ ایسا ہی کھانا کھاتے اور جملہ ضروریات زندگی میں ویسا ہی بودوماند رکھتے تھے جیسا کہ اس زمانے میں۔ وہ اب بھی وقتاً فوقتاً اپنے احساس قومیت اور جنگی اولوالعزمیوں کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ بایں ہمہ یہ وہ قوم ہے جسے برطانوی حکومت کے ماتحت تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ہندوؤں کے حقوق سے بے پروا ہو کر حکومت کی ملازمتوں میں اپنی گزشتہ اجارہ داری قائم نہیں رکھ سکتے۔ دولت و ثروت کا یہ پرانا چشمہ اب خشک ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کے لاپروا اور پرجوش فاتحوں کے نظام حکومت میں ماتحت عملہ تو ہندو تھا۔ لیکن بڑے بڑے عہدہ داروں کی تقسیم یوں تھی۔

سب سے اعلیٰ بارہ عہدوں سے جن کا منصب پانچ ہزاری سے زیادہ[1] تھا۔ ایک بھی ہندو کو نہیں ملا[2]۔ اس سے نیچے کے عہدے کی منصب داری پانچ ہزار سے لے کر پانچ سو تک تھی کل 1252 افسر تھے جن میں 31 ہندو تھے۔ یہ اکبر کے زمانے کا حال ہے۔ بعد کے زمانے میں اس درجہ کی منصب داری پر کل 609 افسر فائز ہوئے جن میں ایک سو دس ہندو تھے۔ اعلیٰ ملازمتوں کے آخری درجہ یعنی پانچسو سے دو سو کی منصب داری میں بھی کل 163 منصب دار تھے اور ان میں ہندو صرف 26۔

---

[1] مغلوں کے ماتحت ہندو راجہ۔ یہ بہت ہی دلچسپ مگر چھوٹا سا رسالہ ہے جس کو پروفیسر لوک مین نے لکھا ہے اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے شائع کیا ہے۔

[2] شاہجہان کے وقت۔ یاد رہے کہ یہ فوجی اعزاز سول افسروں کو بھی ملتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگریزی حکومت کے ماتحت اگرچہ مسلمانوں کے لئے اس قسم کی اجارہ داری کی توقع رکھنا لایعنی سی بات ہے مگر نہ انہوں نے اس کی درخواست کی اور نہ اس پر کوئی اظہار شکایت۔ انہیں یہ رنج نہیں کہ حکومت کی نوازشوں سے حسب دستور سابق انہیں کوئی حصہ نہیں ملتا۔ بلکہ یہ کہ وہ اس سے بتدریج خارج کئے جا رہے ہیں۔ وہ اس بات کا گلہ نہیں کرتے کہ اب زندگی کی دوڑ میں انہیں ہندوؤں کا مقابلہ درپیش ہے۔ انہیں گلہ ہے تو یہ کہ اور کہیں نہیں تو کم از کم بنگال میں ان کے لئے عرصہ حیات تنگ ہو چکا ہے۔ مختصراً" یوں کہئے کہ یہ قوم وہ ہے جس کی روایات بہت شاندار ہیں مگر جس کا اس کے باوجود کوئی مستقبل نہیں اگر اس قوم کی تعداد تین کروڑ ہے تو یہ محض اس قوم کے لیے ہی نہیں بلکہ اس کے حاکموں کے لئے بھی ایک بہت ہی اہم سوال ہے۔

مشرقی بنگال میں کاشتکاروں کی بہت زیادہ تعداد مسلمان ہے۔ ان اضلاع میں جہاں دریاؤں اور دلدلوں کی کثرت ہے۔ اچھوتوں کو کبھی ہندو ایسی معزز قوم میں شامل نہیں کیا گیا۔ آریہ قبائل نے جنوب کی طرف نہ تو ساحل بحر کے ساتھ اور نہ ہی دہانہ گنگا کے علاقہ میں اتنی تعداد میں ہجرت کی تھی کہ وہاں کی قدیم آدمی کو برہمنی روپ دے سکے۔ یہ لوگ چنڈال ذات پات کے دائرے سے بالکل باہر ہے۔ چنڈال دور دراز کی دلدلوں میں مچھلیاں پکڑتے اور اپنے سیلاب زدہ علاقوں میں کہیں کہیں چاولوں کی فصل بھی تیار کر لیتے تھے۔ مگر ان کی ناپاکی کا یہ عالم ہے[1] کہ اعلیٰ ذات کا کوئی برہمن اپنے آپ کو بھرشٹ کئے بغیر ان میں بود و باش اختیار نہیں کر سکتا[2]۔ اور اگر کہیں ایسا کر لے تو چند نسلوں کے بعد اس کی اولاد کا دوسرے برہمنوں سے کوئی تعلق نہ رہے گا۔ جن کی حقیقتاً" وہ اولاد ہے اور چند دنوں کی مسافت پر شمال کی طرف رہتے ہیں[3]۔ مسلمان اس قسم کے نسلی امتیازات نہیں رکھتے۔ وہ ان اضلاع میں داخل ہوئے تو فوجی نو آبادکاریوں یا ان مہموں کے سرکردہ افسروں کی حیثیت سے جو زمین کی بازیافت کے لئے اس طرف بھیجی گئیں۔ زمانہ قدیم کے آباد اضلاع مثلاً" جیسور وغیرہ کی قدیم ترین روایات بھی اس قسم کی مہمات سے شروع ہوتی ہیں جس طرح اندرون ہند میں قدیم سورماؤں نے بڑے بڑے ہیبت ناک جانوروں کو ٹھکانے لگایا۔ شیطانی اقوام کو مطیع کیا اور بڑے بڑے جنگلوں کو کاٹا تھا۔ بعینہ زمانہ

---

[1] میرا روئے سخن ان اضلاع کی طرف ہے جو ڈھاکہ اور وکرم پور جو برہمنوں کی ڈلٹا میں اخیری آبادی ہے کے جنوب میں واقع ہے۔ [2] یہ معلومات میں نے فرید پور، بکر گنج اور سندربن کے اضلاع میں حاصل کیں۔ [3] اس وجہ سے کہ وہ چنڈالوں میں رہتے یا ان کے پروہت ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

از قبل تاریخ کے افق پر سب سے نمایاں حیثیت اس انسان کو حاصل ہے جس نے ان علاقوں میں جو کبھی سمندر کی دست برد کا شکار تھے ہل چلایا۔

مسلمانوں نے جنوب کی طرف اس قسم کی بہت سی بازیافتہ زمینوں میں نو آبادیاں قائم کر رکھی تھیں اور مشرقی بنگال میں بھی اول اول سمندر کو خشکی سے علیحدہ کیا تو انہوں نے۔ اگر کوئی سیاح اس علاقہ کی سیر کرے گا تو اسے آج بھی دور دور کے بے آباد جنگلوں میں ان کے تعمیر کردہ زرعی تالاب' مساجد' گزرگاہیں' حوض اور خانقاہیں نظر آئیں گی۔ مسلمان جہاں بھی گئے۔ اپنے مذہب کی اشاعت کرتے رہے۔ کچھ تو بذریعہ تلوار لیکن زیادہ تر انسانی فطرت کے دو نہایت ہی اہم احساسات کو ابھارنے سے۔ ہندوؤں نے دہانہ گنگا کی قدیم اقوام کو بھی اپنی برادری میں شامل نہیں کیا تھا۔ مسلمانوں نے جملہ انسانی مراعات کو برہمنوں اور اچھوتوں دونوں کے سامنے یکساں طور پر پیش کیا۔ ان پرجوش مبلغوں نے ہر جگہ یہ پیغام سنایا کہ ہر شخص کو خدائے بزرگ وبرتر کی بارگاہ میں جھک جانا چاہئے۔ خدائے واحد کے سامنے تمام انسان برابر ہیں اور مٹی کے ذروں کی طرح ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ فتح کے بعد فاتح کا نعرہ جنگ ایک الہامی اور متبرک حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

دہانہ گنگا کے کاشتکار آج بھی مسلمان ہیں۔ اسلام جنوبی بنگال میں اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ وہاں ایک خاص مذہبی ادب اور خاص زبان پیدا ہو گئی ہے۔ "پتوس" یعنی اسلامی بنگالی۔ بنگالی شمالی ہند کی اردو سے ایسی ہی علیحدہ ہے جیسے اردو ہرات کی فارسی سے۔ ان کاشتکاروں کے درمیان پرانے زمیندار گھرانے آباد ہیں اور ان میں بڑا اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔ حقیقت میں سارا صوبہ مسلمان امراء سے جو کبھی طاقتور اور برسراقتدار تھے بھرا پڑا ہے۔ وہ گزشتہ عظمت کی نشانیاں ہیں۔ اس وقت بھی مرشد آباد میں ایک اسلامی ریاست ایک نقلی سلطنت کا کھیل کھیل رہی ہے۔ ہر ضلع میں کسی نہ کسی شہزادہ کی اولاد بے بام محلات اور پرازخار تالابوں کے درمیان نہایت تکبر اور ترش روئی سے خون جگر پیتی نظر آتی ہے۔ اس قسم کے بہت سے خاندانوں کو میں بذات خود جانتا ہوں۔ ان کے گھروں میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی کمی نہیں۔ ان کے پوتے پوتیاں بھی ہیں اور ان کے نواسے نواسیاں بھی۔ لیکن اس فاقہ مست گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جسے اپنے ہی لئے زندگی میں کام کرنے کا کوئی موقع حاصل ہو۔ وہ غلیظ برآمدوں اور ساتھ کے ٹپکتے ہوئے مکانوں میں اداس زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ اور دن بدن قرض کے تباہ کن گڑھوں میں گرتے چلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتے ہیں تا آنکہ پاس ہی کا ہندو مہاجن ایک دن ان سے جھگڑا مول لے لے گا اور چند لمحوں میں قرضخواہوں کا یک جم غفیر عدالت کے حکم سے بیع قطعی کا حق حاصل کر کے قدیم مسلمانوں کے اس خاندان کو دیکھتے دیکھتے ہڑپ کر لے گا۔ یہاں تک کہ صفحہ ہستی سے اس کا نشان تک مٹ جائے گا۔

اگر کسی خاص مثال کی ضرورت ہو تو میں ناگر کے راجاؤں کی مثال پیش کر سکتا ہوں۔ پہلے پہل جب انگریزوں کو ان سے واسطہ پڑا تو انکی سالانہ آمدنی دو صدیوں کی غلطیوں اور فضول خرچیوں کے باوجود پچاس ہزار پونڈ تھی۔ یہ راجہ اپنے ستونی شامیانے میں بیٹھ کر اپنی اس ریاست کا نظارہ کیا کرتے تھے۔ جو آج کل دو انگریزی اضلاع پر منقسم ہے۔ ان کی مسجدیں اور لاتعداد بارہ دریاں ایک مصنوعی جھیل کے کنارے چاروں طرف چلی گئی تھیں۔ اور صاف شفاف پانی جس کے اندر ایک بھی خودرو پودا نظر نہیں آتا تھا منعکس ہوتی تھیں۔ راجہ کی خانگی سیڑھیوں سے ہر روز ایک سنہری بجرا مستانہ وار اس جزیرہ کا رخ کرتا تھا۔ محل کے دروازہ پر سپاہی پیرا بدلتے رہتے تھے اور جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوا تھا تو شہزادیوں کے باغات سے بچوں کے کھل کھلانے اور خواتین کی شیریں آوازیں سننے میں آتی تھیں۔ مگر اب سوائے فلک نما ڈیوڑھی کے اس محل کا کوئی نشان باقی نہیں۔ مسجد کی بے بام درودیواروں سے استرکاری کی تمام زیبائشیں مٹ چکی ہیں۔ وسیع و عریض باغ اور ان کی صاف ستھری نہریں ویرانہ ہیں۔ اب ان میں چاولوں کی کاشت ہوتی ہے اور ان کے رنگا رنگ مچھلیوں والے تالاب گندے اور سڑے ہوئے گڑھوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ بارہ دریوں کی جگہ اب صرف اینٹوں کا ملبہ ہے۔ کہیں کہیں اگر کسی دیوار کا کوئی حصہ نظر آجاتا ہے تو عربی وضع کی کسی کھڑکی سے اس نظارے پر اور بھی حسرت برسنے لگ جاتی ہے۔

مگر ان میں سب سے زیادہ حسرت ناک منظر شاہی جھیل کا ہے۔ جس کے کنارے محل اب بھی استادہ ہے جو پرانے زمانہ کا خوبصورت اور ستونوں والا محل نہیں بلکہ ایک ویران کھنڈر ہے اس کی خراب و خستہ دیواروں کو سطح آب پر جمی ہوئی کائی سے بڑی ہی مناسبت معلوم ہوتی ہے[1] وہ بدنصیب خواتین جو کبھی رانی کہلاتی تھیں۔ اب کبھی بھی شام کی

---

[1] میں عمارت اور تالاب کا وہ نقشہ بیان کر رہا ہوں جو میں نے 1864ء میں دیکھا تھا میں نے سنا ہے کہ تالاب کو صاف کیا گیا ہے اور محل اور بھی خستہ ہو گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیر کو پردہ دار بجروں میں نہیں نکلتیں۔ ان کے زنان خانوں پر چھت تک باقی نہیں۔ ان کے مکین اب ان معمولی مکانوں میں چلے گئے ہیں جو تباہ شدہ اصطبل کے پاس واقع ہیں۔ ناگر خاندان کی گزشتہ عظمتوں کی یاد صرف ایک نہر سے باقی ہے جو اب بھی دلدلوں کے بیچ میں اسی راستے سے بہتی ہے۔ جیسے کبھی محلوں کے درمیان سے گزرتی تھی اور جسے دیکھ کر قدیم الایام روما کی خاموش یادگاروں کی ایک ہلکی سی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

دریائے ٹائبر کے سوا روما کا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ دنیا کی بے ثباتی بھی کیا چیز ہے کہ جو شے مضبوطی سے قائم کی جائے وہی تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور جو نقل مکانی کرتی رہے اس کو ثبات و دوام حاصل ہے۔

اس خاندان کے نمائندے خستہ محل کے ایک کونے میں دبکے ہوئے اپنی عسرت زدہ زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ وہ نشہ آمیز مٹھائیوں کو چوستے اور خودرو پودوں سے اٹی ہوئی جھیل پر حسرت بھری نگاہوں سے تکتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی سیاست دان ایوان عام میں سنسنی پیدا کرنی چاہتا ہو تو اس کے لئے یہ کافی ہے کہ مسلمان امراء کے گھرانے کی سچی داستان بیان کر دے۔ وہ اپنی کہانی اس طرح شروع کرے گا۔ ایک قابل عزت شہزادہ بہت بڑے علاقہ پر حکمرانی کر رہا ہے وہ اپنی فوج کا سپہ سالار ہے۔ اس کے بیمار خدمت گار ہیں۔ وہ مشرقی شاہانہ دربار کی تمام روایات کو برقرار رکھتا ہے اور بستر مرگ پر مسجدوں کی تعمیر اور مذہبی اوقاف کا حکم دے کر اپنی روح کو تسکین دیتا ہے۔ اسکے بعد وہ اس کے موجودہ بے عقل جانشین کی تصویر کھینچے گا۔ وہ ان جنگلوں میں جب انگریز شکاریوں کی آمد کی خبر سنتا ہے تو اپنے آپ کو چھپا لیتا ہے اور اگر اس کے خادم مجبور بھی کریں کہ اجنبیوں کی عزت افزائی کرنا ضروری ہے تو وہ ان سے ملاقات پر ہمیشہ ایک ہی بات دوہراتا ہے اور وہ یہ کہ فلاں تاجر نے ابھی ابھی اس کے محل کو چند سو روپوں کے عوض قرق کرا لیا ہے۔

میں نے بنگال کے مسلمان نوابوں اور کاشتکاروں کے حالات ذرا وضاحت سے بیان کئے ہیں تاکہ انگریزوں کے سامنے ان لوگوں کا نقشہ کھینچ دوں جن کی شکایات کا بیان اس باب میں بیان کیا جائے گا۔ میں یہ بھی بتلا دوں کہ میرے بیانات کا تعلق جنوبی بنگال سے ہے کیونکہ یہ وہ صوبہ ہے جسے میں اچھی طرح سے جانتا ہوں اور جہاں تک مجھے علم ہے مسلمانوں نے برطانوی حکومت کے ماتحت سب سے زیادہ یہیں نقصان اٹھایا ہے پھر اگر میں دوسروں کو یہ یقین دلاؤں اور خود میرا بھی خیال ہو کہ یہ بیانات تمام مسلمانان ہند پر راست آتے ہیں تو مجھے اس پر معاف فرمایا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میری رائے میں اگر کسی قوم کو درست کرنے کی ضرورت کبھی محسوس ہوگی تو وہ جنوبی بنگال کے مسلمان نواب ہیں۔ ان کی دولت و ثروت کے پرانے ذرائع ختم ہو چکے ہیں۔ اب وہ اپنے ہمسایہ ہندو راجاؤں کے علاقوں کو تاخت و تاراج نہیں کر سکتے۔ نہ بیشمار سپاہیوں کو اس غرض سے بھیج سکتے ہیں کہ کاشتکاروں کو لوٹیں۔ وہ تجارت کے قافلوں پر بھی محصول عائد نہیں کر سکتے۔ نہ عدالت سے اپنے دوستوں کے ذریعے مالگزاری سے معافی حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ مقامی طور پر شادی' پیدائش اور فصل جمع کرنے کے موقعوں پر اسی قسم کی دوسری دیہاتی تقریبات پر ٹیکس لگا سکتے ہیں۔ انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ محصول و آبکاری جمع کریں یا رمضان شریف کے متبرک مہینے میں ممنوعات کی فروخت میں اغماض برتنے کے لئے رشوت قبول کر سکیں۔ بنگال میں آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ دیوانی کا محکمہ ہے جس پر مسلمانوں کی اجارہ داری قائم تھی۔ محکمہ پولیس بھی آمدنی کا اچھا خاصہ بڑا ذریعہ تھا اور اس کے تمام افسر بھی مسلمان تھے۔ آمدنی کا تیسرا بڑا ذریعہ قانونی عدالتیں ہیں اور یہاں بھی مسلمان چھائے ہوئے تھے اور ان سب سے بڑھ کر فوج' اس کے عہدیداروں میں وہ لوگ نہیں آسکتے تھے جو اپنے فرائض کو معمولی منافع پر بجا لاتے۔ بلکہ فاتحوں کی ایک جماعت ہوتی تھی جو اپنے کاشتکاروں کا نام فوج میں درج کراتے اور ان کی تنخواہیں شاہی خزانے سے خود اپنے لئے وصول کرتے گویا آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے بنگال کے خاندانی مسلمانوں کے لئے ناممکن تھا کہ وہ غریب ہوں لیکن آج کل یہ ناممکن ہے کہ وہ بدستور امیر رہیں۔

مختصراً" یہ کہ مسلمان نواب فاتح تھے اور اسی حیثیت سے حکومت پر چھائے ہوئے تھے کبھی کبھی ہندو ماہر اقتصادیات یا کوئی ہندو جرنیل بھی نمایاں حیثیت اختیار کر لیتا تھا۔ ان مثالوں کی موجودگی ہی اس امر کا بہترین ثبوت ہے کہ ایسا شاذونادر[1] ہی ہوتا تھا۔ ایک نواب کے خزانے میں ہر سال تین ذرائع سے دولت جمع ہوا کرتی تھی۔ فوج کی افسری'

---

[1] جب کبھی ایسا ہوتا تھا تو مسلمان ناراض ہو جاتے تھے۔ سب سے نمایاں دو مثالیں ہیں راجہ ٹوڈرمل کے وزیر مالیات اور جرنیل مان سنگھ کے جرنیل ہوتے وقت دربار میں احتجاجی وفود بھیجے گئے۔ رانا پرتاب کے خلاف مہم میں جرنیل مان سنگھ کے ماتحت بہت سے مسلمان افسروں نے خدمات انجام دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس سے پہلے ہندوؤں کے اعداد و شمار بیان کر چکا ہوں جو سب سے کم متعصب بادشاہوں کے زمانے میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال جمع کرنے کی خدمت اور سیاسی و قانونی خدمات کی انجام دہی سے یہ اس کی عظمت کے جائز ذرائع تھے لیکن اس کے علاوہ عدالتی خدمات اور سینکڑوں اور ذرائع بھی تھے جو فراہمی دولت میں کام آتے اور جن کا ذکر میں پچھلے باب کے شروع میں کر آیا ہوں۔ لہٰذا اب ان کا اعادہ غیر ضروری ہے۔ بایں ہمہ سرکاری زندگی کی ان تین جائز اور نمایاں اجارہ داریوں تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہوئے بھی یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ جنوبی بنگال کے مسلمان نوابوں کے پاس برطانوی حکومت کے ماتحت کیا کچھ باقی رہ گیا ہے۔

سب سے پہلے جنگی خدمات کو لیجئے جن کا دروازہ ان پر تمام و کمال بند ہے۔ اچھے گھرانے کا کوئی مسلمان فرد ہماری فوج میں داخل نہیں ہو سکتا اور اگر وہ ہو بھی جائے تو وہ اس کے لئے دولت پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتی[1]۔ ذاتی طور پر میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستانی امراء کو جلد یا بدیر بعض شرائط کے ماتحت انگریزی فوج میں کمیشن کے درجہ پر داخل کر لینا چاہیئے۔ آج کل کوئی کمیشن افسر ملکہ کی فوج میں ملازمت سے مال و دولت حاصل نہیں کر سکتا اور اس بات کو مسلمان بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ مگر وہ ابھی فوجی زندگی کے اعزازات اور معقول تنخواہ کے خواہشمند ہیں اور اس بات کو سختی سے محسوس کر رہے ہیں کہ ان کا آبائی پیشہ ہمیشہ کے لئے ان سے چھن گیا ہے۔

مسلمان امراء کا دوسرا ذریعہ آمدنی تھا مالگزاری کا جمع کرنا۔ اس اجارہ داری کی بنیاد اسلامی قوانین پر قائم کی گئی تھی۔ ٹیکس کی ادائیگی مغلوبیت کی نشانی ہے۔ فاتح صرف ٹیکس ہی وصول نہیں کرتا تھا بلکہ ٹیکس وصول کرنے کا پر نفع کام بھی انہیں کے سپرد ہوتا تھا۔ اس بات کے بار بار دہرانے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہندوستان میں فاتح اور مفتوح کے تعلقات اسلامی قوانین کے اس قدر ماتحت نہ تھے جتنے سیاسی اغراض کے۔ اس کے

---

[1] بہت ہی کم مسلمانوں کے پاس گورنر جنرل کی کمیشن ہے اور جہاں تک مجھے علم ہے ملکہ کی کمیشن کسی کے پاس بھی نہیں۔ ہندوستانی صرف سپاہی کی حیثیت سے فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں اور شاذونادر اگر کوئی افسری کے درجہ تک پہنچ بھی گیا تو اس نے بھی درجہ بدرجہ ہی ترقی کی ہے اور اس قاعدے سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔ صرف ایک مسلمان آنریری کپتان کے درجے تک پہنچا ہے اور وہ کپتان حیات علی ہے جس کی سفارش کرنل روٹری نے غدر کے زمانہ میں کی تھی۔ یہ مسلمان ملکہ کی کمیشن لینے کا ہر طرح حق دار ہے کیونکہ میں ذاتی طور پر اس سے اور اس کے کارناموں سے واقف ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرجوش اور غیر ملکی فاتحوں کو دیوانی کی تفصیلات میں الجھنا ناپسند تھا۔ وہ کاشت کاروں سے براہ راست معاملہ کرنے کی ذمہ داری اپنے ہندو پیادوں پر چھوڑ دیتے۔ اور یہ طریقہ اس قدر عام تھا کہ اکبر نے جب ایک ہندو کو وزیر مالیات کے عہدے پر فائز کیا اور اسی عذر کے ماتحت ٹوڈرمل نے مالیات کا قلمدان ہاتھ میں سنبھالا تو مسلمان شہزادوں نے احتجاج کے طور پر ایک وفد دربار شاہی میں بھیجا لیکن شہنشاہ نے جواب دیا کہ تمہاری جائیدادوں اور معافی کی زمینوں کا انتظام کن کے ذمے ہے؟ انہوں نے جواب دیا "ہمارے ہندو دلالوں کے ہاتھ میں" بہت اچھا تو مجھے بھی اپنی ریاست کے انتظام پر ایک ہندو مقرر کرنے کی اجازت دیجئے"۔

مالیات کے بڑے بڑے عہدے تو مسلمانوں ہی کے پاس رہے لیکن کاشت کاروں کے ساتھ براہ راست معاملہ کرنے کا دستور ہندو پیادوں کے ہاتھ میں رہا۔ حقیقت میں یہ ہندو ملازمین محکمہ مالیات کے ماتحت تھے جو مالگزاری کو مسلمان افسروں تک پہنچاتے۔ مگر ادا کرنے سے پہلے منافع کی رقم سے خود اپنا حصہ وضع کر لیتے۔ محکمہ مالیات شہنشاہ اکبر کے سامنے جوابدہ تھا اور اسلامی نظام مالیات کی ایک بہت ہی اہم کڑی یہ ہے کہ وہ مالگزاری کے قوانین نافذ کرتا۔ لیکن یہ نفاذ عدالتوں کے ذریعے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے ہوتا۔ اگر مالیہ وصول نہ ہوتا تو سپاہیوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنی غارت گری سے دیہاتیوں کی زندگیوں کو اس وقت تک اجیرن بنائے رکھیں جب تک ان سے آخری پائی تک وصول نہ ہو جائے کاشت کار اور ہندو پیادے دونوں کا وطیرہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح مقررہ رقم پر چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ اس کے برعکس اعلیٰ مسلمان عہدے داروں کی کوشش یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہو مقررہ رقم سے زیادہ وصول ہو[2]۔

بنگال کو انگریزوں نے حاصل کیا تو شہنشاہ دہلی کے دیوان ہونے کی حیثیت سے پھر یہ عہدہ کسی بہت بڑی رشوت سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے لیا گیا۔ قانوناً" ہم صرف شہنشاہ دہلی کے دیوان تھے یعنی چیف ریونیو افسر[3]۔ اسی بنا پر مسلمانوں کا دعویٰ کہ ہم کو اسی اسلامی طریقہ پر کاربند رہنا چاہئے جس کے انتظام کا ہم نے اس وقت ذمہ لیا تھا۔

ا؎ اس خیال کی تائید کرنے والوں میں بنگال کیولری کے کیپٹن اوسبورن کو پیش کرتا ہوں جنہوں نے حال ہی میں ایک بہت اچھا مضمون کلکتہ آبزرور میں لکھا ہے۔ 2؎ اس عجیب کش مکش کی مثال مسٹر ویسٹ لینڈ کی جیسور پر موجودہ رپورٹ میں ملے گی اور بنگال کے ہر ضلع کی رپورٹ میں ایسی مثالیں مل سکتی ہیں۔ 2؎ مسٹر اپجی سن کی دستاویزات میں 12 اگست 1765ء کا فرمان یا ایسٹ انڈیا کمپنی کی سہ ماہی رپورٹ 1812ء کو دیکھئے نمبر 14 سے لے کر نمبر 20 تک۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک میرا خیال ہے اس میں طرفین کا باہمی سمجھوتہ فی الواقع یہی تھا۔[1] انگریزوں نے چند ایک سال تو مسلمان عہدے داروں کو بحال رکھا لیکن جب اصلاح کا وقت آیا تو اس قدر احتیاط سے قدم اٹھائے کہ اس پر بزدلی کا گمان ہونے لگتا ہے۔ بایں ہمہ سب سے کاری ضرب جو ہم نے پرانے طریق پر لگائی وہ اس قدر پر فریب تھی کہ اس کا پیش از وقت اندازہ نہ مسلمانوں کو ہو سکا۔ نہ انگریزوں کو۔ میرا مطلب ان تبدیلوں سے ہے جو لارڈ کارنوالس نے رائج کیں۔ اور جن سے 1763ء کا دوامی بندوبست مترتب ہوا۔ اس بندوبست سے ان مسلمان افسروں کا کاروبار زبردستی ہمارے ہاتھ آگیا جو حکومت اور ٹیکس جمع کرنے والوں کے درمیان واسطے کا کام دیتے تھے اور جن کے سپاہیوں کو مالگزاری جمع کرنے کا جائز حق پہنچتا تھا۔

مسلمان تعلق داروں اور ان کے سپاہیوں اور شمشیرزنوں کی بجائے اب ہم نے ہر ضلع میں ایک انگریز کلکٹر مقرر کر دیا ہے اور اس کے ساتھ غیر مسلح خاصہ دار بھی جیسا کہ اس سے پہلے عام طور پر عدالتوں کے پیادے کام کرتے تھے مسلمان امراء کا یا تو مالگزاری سے کوئی تعلق نہیں رہا یا وہ محض زمیندار ہیں جن کو زمین کی آمدنی سے مقررہ حصہ مل جاتا ہے۔

بہرحال ان تبدیلیوں کو دوامی بندوبست نے رائج نہیں کیا۔ بلکہ اس نے صرف ان کی تکمیل کی تھی۔ البتہ اس نے مسلمان گھرانوں کو سخت نقصان پہنچایا مگر ایک دوسرے رنگ میں۔ اس بندوبست کا عام رجحان اس طرف تھا کہ ان ماتحت ہندو افسروں ہی کو زمین کا مالک قرار دیا جائے جو براہ راست کاشتکاروں سے مالگزاری وصول کرتے تھے۔ میں نے 1788-90ء کے بندوبست کے مسودات کا مطالعہ بڑی احتیاط سے کیا ہے اور میں بخوبی سمجھتا ہوں کہ ان دفعات کے باوجود جو 1793ء کے قانون میں دلالوں کے بارے میں درج ہیں اس وقت کے افسران مال کی نظروں میں پچھلے نظام مالگزاری کی صرف تین ہی کڑیاں تھیں یعنی مقامی حکومت، مقامی ایجنٹ یا زمیندار جو کاشت کاروں سے براہ راست مالگزاری جمع کرتے اور کاشتکار جو زمین میں ہل چلاتے اور انہی تین کڑیوں کو ہم نے نظام میں داخل کیا۔ مسلمانوں کے نظام دیوانی کی دوسری کڑیوں کو ہم نے بالکل نظر انداز کر دیا اور

---

[1] وہابی مقدمات کا انچارج افسر لکھتا ہے "ہم نے دیوانی اس وعدے کے ساتھ لی تھی کہ ہم اسلامی حکومت کو جیسی کہ اس وقت قائم ہے برقرار رکھیں گے اور ہم نے ایسا ہی کیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود بخود مفقود ہو گئیں۔ مثلاً" خود مختار تعلق داروں کی علیحدگی ہی سے مسلمان خاندانوں کی عظمت خاک میں مل گئی۔ یہ خاندان اپنی ریاست کے کچھ حصے کی کاشت کا دوامی پٹہ دوسروں کے نام لکھ دینے کے باوجود اپنے ماتحت زمینداروں پر ایک قسم کا قانونی حصہ رکھتے تھے اور پھر جب کبھی موقع ہوتا ان سے نذرانہ کے طور پر نقدی یا جنس ہتھیا لیتے تھے ایک افسر جس نے مسلمانوں کی موجودہ بے چینی اور دوامی بندوبست سے ان کے تعلق کا مطالعہ بڑی دقیق نظر سے کیا ہے لکھتا ہے "اس بندوبست نے ہندو کلکٹروں کو جو اس سے پہلے معمولی عہدوں پر مامور تھے ترقی دے کر زمیندار بنا دیا ہے۔ ان کو زمین کی ملکیت کا حق حاصل ہو گیا ہے اور اب وہ اس دولت کو سمیٹ رہے ہیں جو مسلمانوں کی حکومت کے ماتحت مسلمانوں کا حق تھا۔

سو یہ سب سے بڑی ناانصافی ہے جس کا مسلمان امراء انگریزی حکومت کو مجرم ٹھہراتے ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے مسلمان شہنشاہ سے بنگال کی دیوانی اس شرط پر لی تھی کہ ہم اسلامی نظام کو برقرار رکھ لیں گے لیکن جونہی ہمنے اپنے آپ کو طاقتور پایا۔ اس وعدے کو فراموش کر دیا ہمارا جواب یہ ہے کہ جب ہم نے بنگال میں مسلمانوں کے نظام دیوانی کا مطالعہ کیا تو اس کو اس قدر یک طرفہ اس قدر ناکارہ اور اصول انسانیت کے خلاف پایا کہ اگر ہم اس کو برقرار رکھتے تو تہذیب کے لئے باعث ننگ ہوتے ہم اضلاع کے اندراج سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلامی حکومت کا مقصد محض روپیہ جمع کرنا تھا۔ چنانچہ مالگزاری جمع کرنے والوں کے ذمے نظام حکومت کے تمام فرائض کر دیئے گئے تھے۔ ان کو اس بات کی اجازت تھی کہ جو جی میں آئے کریں۔ بشرطیکہ مالگزاری کا روپیہ باقاعدہ جمع کرتے رہیں۔ عوام کو اس لئے ستایا جاتا تھا کہ زمینداروں کو لگان وصول ہوتا رہے۔ ان کو اس لئے لوٹا جاتا تھا کہ زمینداروں کے ملازمین دولتمند ہو جائیں۔ اس ظلم و ستم کے خلاف شکایت بے سود تھی کیونکہ یہ زمیندار اور اس کے افسر کی مرضی پر منحصر تھا کہ وہ ان کی شکایات سنے یا نہ سنے۔ ان کی شکایات کے ازالہ کا امکان بہت کم تھا۔ کیونکہ ظالم بالعموم زمیندار ہی کا ملازم ہوتا۔ پھر اگر ڈاکوؤں کو کوشش کر کے گرفتار بھی کر لیا جاتا تو ان کے لئے مشکل نہ تھا کہ قید کرنے والوں سے یارانہ گانٹھ لیں[1]۔

---

[1] مسٹر ویسٹ لینڈ کی کتاب ضلع جیسور صفحہ 67 میں اپنی کتاب (Anhals of Rual Bnegal) کا حوالہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتا اور صرف یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ جب تک اضلاع کے ریکارڈ کو واضح طور پر ترتیب دے کر یورپین اقوام کے سامنے پیش کرنے کا انتظام نہ کیا جائے گا اس وقت تک ہندوستانی حکومت انگریزی قوم کے ساتھ تاریخی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے ماتحت حکومت کی حیثیت ایسی مشین کی سی تھی جس سے تھوڑے سے آدمی دولت مند ہو جائیں۔ یہ نہیں کہ بہتوں کی حفاظت ہو سکے۔ معلوم ہوتا ہے اس پر نہ کبھی حاکموں کے دل پر رحم پیدا ہوا نہ ان کے ضمیر نے کبھی سرزنش کی کہ غریب کاشت کاروں کی بہت بڑی تعداد موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ اور موسم خزاں کی بارشوں میں اپنے تن کو اچھی طرح ڈھانپے بغیر زمین میں صرف اس لئے ہل چلاتی ہے کہ ضلع کے چند گھرانے عیش و عشرت کی زندگی بسر کر سکیں۔ جب ہم نے اس نظام کو توڑنا شروع کیا جس کو برقرار رکھنے کا ہم نے وعدہ کیا تھا تو ان بیچاروں کی جان میں جان آگئی[1]۔ سب سے بڑی ناانصافی جو ہم نے مسلمان امراء سے کی وہ یہ تھی کہ ہم نے ان کے حقوق معین کر دیئے۔ اس سے پہلے نہ ان کے حقوق کوئی مستقل حیثیت رکھتے تھے اور نہ متعین تھے۔ حکومت وقت کے بہت سے تسلیم شدہ حقوق کی بیش بہا قربانی کے بعد ہم نے ملکیت زمین کو موروثی کر دیا گویا اب وہ مستقلاً" اس کے مالک تھے۔ مگر جو قوم صدیوں سے قابل نفرت لوٹ مار کی عادی ہو چکی ہو محض گورنر جنرل کے لکھ دینے سے اپنی جاگیروں کے انتظام کا پرامن مشغلہ اختیار نہیں کر سکتی۔ دیہاتیوں پر مسلمانوں کے ظلم ختم ہو گئے اور تیس سال بعد واگزاری کے قانون نے ان کی قسمتوں پر آخری مہر لگا دی۔ ان قوانین کی مزید وضاحت آگے چل کر کی جائے گی۔ یہاں صرف اتنا بتلا دینا کافی ہوگا کہ پٹوں کے باقاعدہ لکھے جانے سے حکومت کی آمدنی میں اتنا اضافہ ہو گیا تھا جتنا کہ مسلمان اپنے شہنشاہوں کے ماتحت گمان بھی نہ کر سکتے تھے۔ گزشتہ پچھتر سال سے بنگال کے گھرانے یا تو صفحہ ہستی سے بالکل نابود ہو گئے یا ان لوگوں کے مقابلہ میں حقیر اور پست ہیں جن کو ہماری حکومت نے سربلند کیا ہے لیکن پھر بھی انکی سرکشی، گستاخی اور کاہلی میں کوئی فرق نہیں آیا اور ایسا کیوں نہ ہو آخر وہ نوابوں اور فاتحوں کی اولاد ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) ناانصافیاں کرنے کی مجرم ٹھہرے گی مگر شاید وہ حکومت جس نے ایسی وسیع حکومت کو تہ و بالا کیا ہے جس سے کم درجہ کی حکومت کے مقابلہ میں جولیس جیسا بہادر ناکام رہا تھا اور جس نے ہندوستان کے مظلوم باشندوں اور تباہ شدہ مذاہب کی ایک خوشحال سلطنت قائم کر دی ہے۔ اپنی شاندار خدمات کی تحریری تاریخ سے اغماض کرے تو وہ قابل معافی ہے۔

[1] کیونکہ انگریزوں نے صرف یہ کیا کہ ہندوستان کی دولت سمیٹ سمیٹ کر انگلستان بھیجتے رہے اور مسلمانوں کو عسرت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا۔ (مترجم)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کی دولت کے دو بڑے ذرائع یعنی فوج اور محکمہ دیوانی کے متعلق ہم نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس کے جواز میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔ گو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرز عمل سے مسلمان گھرانے بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔ ہم نے مسلمان امراء کو فوج میں داخل نہیں کیا۔ کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ ہماری عافیت ان کو بے دخل کر دینے ہی میں ہے۔ ہم نے ان کو دیوانی کے منفعت بخش محکمہ سے اس لئے خارج کر دیا کیونکہ ایسا کرنا حکومت اور عوام کی بہتری کے لئے ازحد ضروری تھا۔ مگر یہ دلائل کتنے ہی وزنی کیوں نہ ہوں ان پرانے نوابوں کو مطمئن نہیں کر سکتے جو برطانوی حکومت کی بے راہ روی کی وجہ سے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ فوج سے بے دخلی مسلمانوں کے نزدیک سب سے بڑی قومی ناانصافی ہے اور ان کے پرانے نظام مالیات سے ہمارا انحراف صریحاً" وعدہ خلافی ہے۔

ان کی عظمت کا تیسرا بڑا ذریعہ قانونی اور سیاسی یعنی دیوانی ملازمتوں کی اجارہ داری تھی۔ حالات و واقعات پر زور دینا ناواجب ہے لیکن پھر بھی سوچنا چاہیے کہ جتنے ہندوستانی سول سروس میں داخل ہوتے ہیں یا ہائیکورٹ کے جج بنتے ہیں ان میں ایک بھی مسلمان نہیں حالانکہ جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو اس کے کچھ عرصہ بعد تک بھی حکومت کے تمام کام مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سرانجام پاتے تھے جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں مسلمان کلکٹر ہی مالگزاری جمع کرتے تھے مسلمان فوجدار اور کوتوال ہی پولیس کے افسر تھے۔ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا محکمہ جس کا صدر مقام نظام کے محل واقع مرشد آباد میں تھا اور صوبے کے تمام اضلاع میں اس کے افسروں کا جال بچھا ہوا تھا فوجداری قوانین نافذ کرتا تھا مسلمان جیلر بنگال کے تمام قیدیوں سے رشوت لیتے تھے یا اپنی مرضی سے بھوکوں مرتے تھے۔ قاضی یعنی اسلامی قوانین کے ماہر دیوانی اور خانگی عدالتیں قائم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب ہم نے تربیت یافتہ انگریز افسروں کے ذریعے انصاف کرانا چاہا تو یہی قاضی قانونی نکات پر مشورہ دینے کے لئے ان کے ساتھ بیٹھتے۔ اسلامی شریعت ہی ملک کا قانون تھا اور حکومت کے تمام کارپرداز اور ماتحت افسر دستور مسلمان ہی تھے۔ وہ سرکاری زبان بول سکتے تھے۔ اور وہی سرکاری دستاویزات پڑھ سکتے تھے جو فارسی کے شکستہ خط میں لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ کارنوالس کے مجموعہ قوانین نے اس اجارہ داری کو محکمہ قانون میں اس قوت کے ساتھ نہیں توڑا تھا جس قوت کے ساتھ اس نے دیوانی محکمہ میں توڑا تھا لیکن پھر بھی کمپنی کے پہلے پچاس سالہ دور حکومت میں حکومت کی ملازمتوں میں سب سے بڑا حصہ مسلمانوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی کا تھا۔ لیکن دوسری نصف صدی میں ہوا کا رخ بدل گیا۔ پہلے تو اس کی رفتار کمزور تھی لیکن جوں جوں کاروبار سلطنت کو دیسی زبان میں نہ کہ "پتوس" میں جو مسلمان فاتحوں کی غیر ملکی زبان تھی چلانے کی ضرورت کا احساس بڑھتا گیا۔ یہ رفتار بھی بتدریج تیز ہوتی گئی۔ اب ہندوؤں نے ملازمتوں میں داخل ہونا شروع کیا اور رفتہ رفتہ سرکاری زندگی کے تمام شعبوں پر چھا گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ڈسٹرکٹ کلکٹری میں بھی جہاں اب بھی پرانے طریقہ کے مطابق دوستی کی بنا پر ملازمت مل جانے کا امکان ہے بہت کم مسلمان افسر ہیں[1]۔ جو مسلمان ابھی اس محکمہ میں باقی ہیں وہ بہت بوڑھے ہیں ان کا کوئی جانشین مسلمان نہیں۔ ابھی دس سال ہوئے۔ ناظر یا مالگزاری کے افسر کی اسامیاں مسلمانوں کے بعد مسلمانوں ہی کو ملا کرتی تھیں مگر اب جیل کی ایک دو غیر معتمد اسامیوں کے سوائے ہندوستان کے یہ سابق فاتح اور کسی ملازمت کی امید نہیں رکھ سکتے۔ مختلف دفاتر میں کلرکوں کا عملہ عدالت کی ذمہ دار اسامیاں اور تو اور پولیس کی اعلیٰ ملازمتیں بھی سرکاری سکول کے چالاک ہندو لڑکوں سے پر کی جاتی ہیں[2]۔

اگر غیر مشہور گزٹیڈ افسروں کی جم غفیر سے لے کر اعلیٰ ہندوؤں تک کا مطالعہ کیا جائے تو یہ سوال شخصی آرا کی حدود سے نکل کر یقینی طور پر اعداد و شمار کی حد میں پہنچ جاتا ہے۔ دو سال کا عرصہ ہوا میں نے ایک سلسلہ مضامین میں ثابت کیا تھا کہ بنگال کے قانونی اور مالگزاری کے محکمے میں جہاں کی ملازمت کی بڑی خواہش کی جاتی ہے اور جہاں تناسب کا بہت خیال رکھا جاتا ہے مسلمانوں سے بالکل خالی ہو رہے ہیں۔ ان مضامین کا ترجمہ بہت جلد فارسی میں ہوگیا اور بہت سے دیسی اور اینگلوانڈین اخبارات نے ان کو نقل کیا تھا اور اس پر بحث کی[3]۔ حکومت بنگال نے مسلمانان کلکتہ کی تعلیم کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا تھا اس کے باوجود حکومت کی ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب بدستور کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔

---

[1] عملہ [2] یہ تمام بیانات ہمارے صوبہ میں عموماً لیکن بھاگلپور اور پٹنہ کے ڈویژن کو چھوڑ کر باقی تمام اضلاع پر خصوصاً راست آتے ہیں۔ [3] شمال مغربی سرحدی صوبے کے بہترین اخبار پائنیر میں اس باب میں میں نے ان مضامین سے مدد لی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بیان کے ساتھ ذیل کے اعداد و شمار زیر نظر رکھئے۔ سب سے اعلیٰ عہدوں کی جو آسامیاں پچھلی نسل سے پر کی گئی تھیں۔ان میں مسلمانوں کو زیادہ شکایت کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اپریل 1869ء میں ہر دو ہندوؤں کے مقابلہ میں ایک مسلمان تھا اور اب ہر تین ہندوؤں کے مقابلہ میں ایک مسلمان ہے۔ دوسرے درجے میں اس وقت تناسب دو مسلمان اور نو ہندوؤں کا تھا اور اب ایک مسلمان اور دس ہندوؤں کا ہے۔ تیسرے درجہ میں اس وقت چار مسلمان اور باقی ستائیس ہندو اور انگریز تھے۔ اور اب تین مسلمان اور باقی چوبیس ہندو اور انگریز ہیں۔ جب ہم چھوٹے درجوں میں جاتے ہیں تو 1869ء میں تمام اقوام کے لوگوں کی کل تعداد تیس تھی جن میں چار مسلمان تھے اور اب انتالیس کی کل تعداد میں صرف چار ہیں امیدواروں میں جن سے اسامیاں پر کی جاتی ہیں کل دو مسلمان تھے اور ان کی کل تعداد اٹھائیس تھی لیکن اب ان میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

بہرحال غیر مشہور محکموں میں جہاں بنگال کی جماعتیں تناسب کا بہت زیادہ خیال نہیں کرتیں مسلمانوں کی حالت اور بھی بدتر ہے۔ 1869ء میں ان محکموں میں تناسب یہ تھا۔ اسسٹنٹ گورنمنٹ انجینرز کے تین درجوں میں چودہ ہندو تھے اور مسلمان ایک بھی نہ تھا۔ نو آموز طبقہ میں چار ہندو' دو انگریز' مسلمان ایک بھی نہیں۔ محکمہ پبلک ورکس کے سب انجینروں اور اوور سیروں میں چوبیس ہندوؤں کے مقابلہ میں صرف ایک مسلمان تھا اوور سیروں میں تریسٹھ ہندو تھے اور دو مسلمان تھے۔ اکونٹنٹ آفس میں پچاس نام ہندوؤں کے تھے اور مسلمان کا صفر۔ اپرسبارڈینیٹ محکمہ میں بائیس ہندو تھے اور مسلمان ایک بھی نہیں۔

لیکن اس تسلیم شدہ حقیقت کی اور مثالیں پیش کرنا جو سول لسٹ کے ہر صفحہ سے عیاں ہیں غیر ضروری ہے۔ میں نے ان گزٹیڈ ملازمتوں کی ایک فہرست تیار کی ہے جن پر ہندو' مسلمان اور انگریز سب فائز ہو سکتے ہیں۔

بنگال میں سرکاری ملازمتوں کی تقسیم اپریل 1871ء میں	یورپین	ہندو	مسلم	کل تعداد
اکونٹنٹ سول سروس جن کا تقرر انگلستان میں بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے	260	"	"	260
عدالتہائے دیوانی کے افسر (غیر منظور شدہ)	47	"	"	47
اضلاع میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر	26	7	"	33

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈپٹی مجسٹریٹ و ڈپٹی کلکٹر	53	113	30	196
انکم ٹیکس اسیسر	11	43	6	60
رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ	33	25	2	60
عدالت خفیہ کے جج اور سب جج	14	25	8	47
مصنف	1	178	37	216
محکمہ پولیس۔ تمام گریڈ کے افسر	106	3	0	109
پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ انجنیئر	154	19	"	173
پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کا ماتحتی عملہ	72	125	4	201
پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ اکوشنٹ	22	54	"	76
میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کالج، جیل خیراتی ڈسپنسری، حفظان صحت	89	65	4	158
چیچک کا ٹیکہ اور اضلاع کے میڈیکل افسر	38	14	1	53
محکمہ تعلیم و دیگر محکمہ جات مثلاً" بحری، جنگی، بحری افسر، افیون، سروے	412	10	0	422
کل میزان	1338	681	92	2111

ایک صدی قبل حکومت کے تمام ذمہ دار عہدوں پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ تھا۔ ہندو محض شکریہ کے ساتھ ان چند ٹکڑوں کو قبول کر لیتے جو ان کے سابق فاتح اپنے دسترخوان سے ان کی طرف پھینک دیتے تھے اور انگریزوں کی حیثیت چند ایک گماشتوں اور کلرکوں کی تھی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کا تناسب جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اب ایک اور سات کا ہے۔ ہندوؤں اور یورپینوں کا تناسب ایک دو کا۔ مسلمان اور یورپینوں کا تناسب ایک اور چودہ کا۔ تمام نظام حکومت میں اس قوم کا تناسب جو آج سے ایک صدی پہلے ساری حکومت کی اجارہ داری تھی کم ہوتے ہوتے ایک اور تئیس رہ گیا ہے اور وہ بھی ان گزٹیڈ ملازمتوں میں ہے جہاں خاص طور پر تناسب کا خیال رکھا جاتا ہے۔ پریزیڈنسی شہر کے دفتر کی معمولی ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً" معدوم ہو چکا ہے۔ ابھی پچھلے ہی دنوں ایک بہت بڑے محکمہ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مسلمانوں کی زبان پڑھ سکے۔ دراصل کلکتہ کے سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھ کر اور کوئی امید بھی نہیں رکھ سکتے کہ قلی اور چپڑاسی، دواتوں میں سیاہی ڈالنے والا یا قلموں کو ٹھیک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے سوائے کوئی اور ملازمت حاصل کر سکیں۔

کیا ہندو ہمیشہ مسلمان سے بہتر ثابت ہوتے ہیں۔ کیا ان کو صرف ایک ایسے غیر جانبدار ماحول کی تلاش تھی جس میں رہ کر مسلمانوں کو اس دوڑ میں پیچھے چھوڑ جائیں؟ کیا مسلمانوں کے پاس سرکاری ملازمتوں کے علاوہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے دوسرے ذرائع بکثرت موجود ہیں اس لئے وہ سرکاری ملازمتوں سے بے اعتنائی برتتے اور ہندوؤں کے لئے اس میدان کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں؟۔

بیشک ہندو مسلمانوں سے زیادہ ذہین ہیں۔ مگر ابھی تک انہوں نے اس عام اور نمایاں فوقیت کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ جو گورنمنٹ کی ملازمتوں میں اجارہ داری کے لئے ضروری ہے اور ایسا کرنا ان کی گزشتہ تاریخ کے بالکل خلاف بھی ہے حقیقت یہ ہے کہ جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو مسلمان ہی سب سے اعلیٰ قوم تھی۔ وہ دل کی مضبوطی اور بازوؤں کی توانائی ہی میں برتر نہ تھے بلکہ سیاسیات اور حکمت عملی کے علم میں بھی سب سے افضل تھے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں پر حکومت کی ملازمتوں کا دروازہ بالکل بند ہے۔ غیر سرکاری ذرائع زندگی میں بھی انہیں کوئی نمایاں جگہ حاصل نہیں۔

اعلیٰ خاندان مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی پیشہ باقی رہ گیا ہے اور وہ پیشہ وکالت کا ہے۔ طبابت کا پیشہ جیسا کہ میں ابھی بیان کروں گا' بالکل الگ حیثیت رکھتا ہے لیکن اب یہ حال ہے کہ سرکاری ملازمتوں سے کہیں زیادہ سختی کے ساتھ مسلمانوں پر قانون کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ بنگال میں ہز میجسٹی کے ہائیکورٹ آف جوڈیکچر میں دو ہندو جج ہیں اور مسلمان ایک بھی نہیں ہے۔ اس زمانہ میں اینگلو انڈین اور ہندو اس بات کا گمان بھی نہیں کر سکتے کہ ہائیکورٹ کے جج اس قوم سے مقرر نہیں کئے جائیں گے جو تمام عدالتی محکموں پر قابض تھے۔ پچھلی دفعہ جب میں نے 1869ء میں اعداد و شمار جمع کئے تھے تو ان کا تناسب حسب ذیل تھا۔

سرکاری قانونی افسر کل چھ تھے جن میں چار انگریز تھے اور دو ہندو اور مسلمان ایک بھی نہیں۔ ہائیکورٹ کے ملازمین جن کا عہدہ اتنا وقیع تھا کہ ان کا نام شائع کیا جائے۔ کل اکیس کی تعداد میں تھے۔ ان میں سات ہندو تھے مسلمان کوئی نہ تھا۔ بیرسٹروں میں سے تین ہندو تھے جن کی تعداد اب یقیناً" اور زیادہ بڑھ گئی ہو گی لیکن مسلمان ایک بھی نہیں۔

اگر ہائیکورٹ کے وکلاء کی فہرست دیکھی جائے جن کا درجہ بیرسٹروں سے ذرا کم ہے تو یہ داستان اور بھی عبرتناک ہو جائے گی یہ اس پیشہ کا ایک شعبہ ہے جو تمام کا تمام مسلمانوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہاتھ میں تھا اور اس زمانہ کے کئی ایک آدمی بقید حیات موجود ہیں۔ ذیل کی فہرست 1834ء سے شروع ہوتی ہے۔ اور 1868ء کے وکلاء میں ایک انگریز ایک ہندو اور دو مسلمان ابھی تک زندہ ہیں۔ 1838ء تک مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں اور انگریزوں کی مجموعی تعداد کے برابر تھی اور ان کا تناسب تھا چھ مسلمان اور سات ہندو اور ایک انگریز جتنے وکلاء 1845ء اور 1850ء کے درمیان ان دونوں سالوں کو شامل کرتے ہوئے) داخل فہرست کئے گئے ہیں۔ ان میں 1869ء کے زندہ وکلاء میں سے سب کے سب مسلمان ہیں۔ 1851ء تک بھی مسلمان اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے اور حقیقت میں ہندوؤں اور انگریزوں کی مجموعی تعداد کے برابر تھے۔ لیکن 1851ء سے یہ صورت حال بدلنا شروع ہوتی ہے اب نئے نئے آدمیوں نے میدان میں آنا شروع کیا۔ قابلیت کے معیار قائم ہوئے۔ چنانچہ اب فہرست کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ 1853ء سے 1868ء تک کل دو سو چالیس ہندوستانی داخل کئے گئے ہیں جن میں دو سو انتالیس ہندو تھے اور صرف ایک مسلمان۔

اب ہم اس قانونی پیشہ کے دوسرے شعبوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ 1968ء میں ہائیکورٹ کے اٹورنی پروکٹر اور سالسٹرز میں سے ستائیس ہندو تھے اور مسلمان ایک بھی نہ تھا۔ آئندہ قانون دان بننے والوں میں سے چھبیس ہندو ہیں۔ مسلمان کوئی نہیں غرضیکہ اس پیشے کے کسی شعبے کا ذکر کیا جائے۔ نتیجہ ہر سال میں یکساں ہوگا۔ 1868ء میں رجسٹرار ہائیکورٹ کے دفتر میں سترہ ملازمین کی یہ حیثیت تھی کہ اگر ان کے نام شائع کر دیئے جائیں تو ان میں چھ انگریز یا ایسٹ انڈین ہوں گے گیارہ ہندو اور مسلمان صفر۔ ریسیور کے دفتر سے چار نام ملے ہیں جن میں دو انگریز' دو ہندو اور مسلمان کوئی نہیں۔ کلرک آف دی کراؤن اور ٹیکس افسر کے دفتر میں انگریزوں کی تعداد چار تھی۔ ہندوؤں کی پانچ لیکن مسلمان مفقود محکمہ قانون کے کونے کونے سے اکونٹس' شرف' کورو اور مترجمین کے دفاتر سے بیس نام بھیجے گئے۔ ان میں آٹھ انگریز گیارہ ہندو اور صرف ایک مسلمان اس فہرست میں اپنی قوم کی نمائندگی کر رہا تھا۔ لیکن یہ بیچارہ ایک ملا تھا جسے ہفتہ میں صرف چھ شلنگ تنخواہ ملتی[1]۔

---

[1] تقریباً" چھ روپے ماہانہ (مترجم)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب طبابت کی باری آتی ہے۔ بدقسمتی سے یہ پیشہ جیسا کہ ہندوستانی اطبا میں رائج ہے اعلیٰ خاندان کے مسلمانوں کے نزدیک پیشہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ ایک معزز مسلمان کے ہمیشہ دو طبی مشیر ہوں گے ایک تو وہ جسے انگریزی میں عام طور پر معالج کہتے ہیں اور جسے اپنے آقا کی نظر میں بڑی عزت اور وقعت حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا جراح جس کو عرف عام میں حجام کہتے ہیں۔ وہ داڑھی مونڈنے سے لے کر عضو کاٹنے تک تمام اعمال جراحی بھی کرتا ہے۔ پھر طب و جراحت کے درمیان اس قدر تفاوت ہے کہ جس طبیب کی حالت ذرا بھی اچھی ہے وہ زخموں کی مرہم پٹی کرنے سے صاف انکار کر دیتا ہے۔ البتہ حجام جراح اس قسم کی حدود کا پابند نہیں۔ عملی طور پر ہر قسم کی طب اس کی حدود میں داخل ہے۔ حقیقی مسلمان اطبا بہت ہی کم ہیں اور روز بروز کم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ شمالی ہندوستان کے شہروں میں گو ابھی تک ان کا چرچا ہے مگر بنگال کے اضلاع میں وہ بالکل معدوم ہیں۔ طبابت کا پیشہ اب ان پڑھ حجاموں کے ہاتھ میں ہے یا ہندو ڈاکٹروں کے[1]۔

دراصل پرانے مسلمان طبیب جو اب تک شمالی ہندوستان میں موجود ہیں عالم اور گوشہ نشین ہیں اور اس پیشے میں سرگرمی سے حصہ نہیں لیتے وہ اس فن کو عربی اور فارسی کتابوں سے حاصل کرتے ہیں۔ انگریزی فن طبابت کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اس کو حجام جراحوں کا پیشہ سمجھتے ہیں بنگال میں تو یہ حال ہے کہ جہاں کہیں بھی حکومت نے طب کی تعلیم کا کوئی بہتر انتظام کیا وہاں اس فن کو سیکھنے کے لئے اعلیٰ خاندان کے مسلمان داخل ہی نہیں ہوتے۔ ادنیٰ طبقہ بلکہ رذیل زندگی بسر کرنے والے غریب اور نادار لوگوں کا ایک جم غفیر اس غرض کے لئے جمع ہو جاتا ہے کہ انہیں صرف اس قدر مفت تعلیم دی جائے جس سے وہ فوجیوں میں دوا فروشی کرنے کے قابل ہو جائیں۔ مختصراً" یہ کہ وہ پہلے زمانہ ہی کے حجام جراح ہیں جن کو مسلمانوں کا اعلیٰ طبقہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور جن کی حیثیت مسلمان طبیب تسلیم نہیں کرتے۔ یہ لوگ بڑے ناشکرگزار ہیں۔ اور اگر ان کو فوجی پابندیوں کے ماتحت نہ رکھا جائے تو اپنے استادوں کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئیں گے۔ خوش قسمتی سے مجھے بہت سے ہندو ڈاکٹروں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے ان کے علم اور اخلاق نے ان کو اس عزت کا مستحق بنا دیا ہے جو ان کے شریف پیشہ کے شایان شان ہے لیکن اس قسم کے کسی مسلمان ڈاکٹر سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ دراصل مسلمان

---

[1] ہندو ڈاکٹر بھی دو قسم کے ہیں۔ کوی راج جو دیسی طریق علاج پر قائم ہیں اور دوسرے انگریزی کالجوں کے مستند ڈاکٹر۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فن طب کے کسی اعلیٰ عہدے پر پہنچنے کے متمنی معلوم نہیں ہوتے[1]۔ بہرحال 1869ء کے اعداد و شمار حسب ذیل تھے۔

کلکتہ یونیورسٹی سے طبی سند حاصل کرنے والوں میں چار ڈاکٹر تھے تین ہندو اور ایک انگریز لیکن مسلمان سرے سے ندارد۔ ایم۔ بی کی سند حاصل کرنے والوں کی کل تعداد گیارہ تھی یعنی دس ہندو اور ایک انگریز۔ ایل۔ ایم کی سند ایک سو چار نے حاصل کی۔ ان میں سے پانچ یورپین اور اٹھانوے ہندو اور صرف ایک مسلمان۔ حال ہی میں حکومت نے دو ملکی ڈاکٹروں کو جن کا تعلق کلکتہ یونیورسٹی سے ہے رائے بہادر کے دو خطاب عطا کئے ہیں۔ سیاسی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ضروری تھا کہ ایک خطاب کسی ہندو کو دیا جاتا اور دوسرا کسی مسلمان کو اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ مسلمان خطابات کو کس قدر و منزلت سے دیکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود سننے میں آیا ہے کہ جس مسلمان کو یہ خطاب دیا گیا ہے وہ اس خطاب اور ذاتی قابلیت کے باوجود برادران وطن کی اعلیٰ سوسائٹی میں کوئی وقعت حاصل نہیں کر سکتا۔ حقیقت میں مسلمان اس طب کو جو ہمارے سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے شرفاء کا پیشہ تصور نہیں کرتے۔ یہ قومی تعصب اعلیٰ خاندان کے مسلمان لڑکوں کو اس فن کے سیکھنے سے اس طرح باز رکھتا ہے جس طرح کہ دوسرے پیشوں اور سرکاری ملازمتوں سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی کثیر تعداد ان کو باز رکھتی ہے۔

مسلمانان بنگال کے پرائیویٹ خطوط اور اخباری مضامین سے زیادہ کوئی شے قابل رحم میری نظر سے نہیں گزری۔ کچھ مدت ہوئی کلکتہ کے ایک فارسی اخبار نے لکھا تھا[2]۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں سے ہر قسم کی ملازمت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی چھنی جا رہی ہے اور دوسری قوموں کو دی جا رہی ہے۔ لیکن وقت ایسا آگیا ہے کہ وہ اپنے گزٹ میں اس بات کا خاص طور پر اعلان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو سرکاری نوکری نہیں دی جائے گی۔ ابھی ابھی سندربن کے دفتر میں چند اسامیاں خالی ہوئی تھیں۔ اس افسر نے سرکاری گزٹ میں اشتہار دیتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ یہ ملازمتیں سوائے ہندوؤں کے اور کسی کو نہیں ملیں گی[3]۔

---

[1] حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی مالی حالت اس قدر خراب کر دی گئی تھی جس سے وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے قابل ہی نہ رہے تھے۔ (مترجم) [2] اخبار دوربین جولائی 16 1869ء [3] فارسی اخبار کے اس بیان کی تصدیق کرنے کے لئے میرے پاس اس وقت سرکاری ذرائع موجود نہیں اس بیان پر اس وقت ضروری کچھ نہ کچھ توجہ کی گئی تھی اور اب تک اس کی تردید نہیں کی گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الغرض مسلمان یہاں تک اب قعرِ ذلت میں گر چکے ہیں کہ وہ سرکاری ملازمتوں کے قابل ہوں۔ تب بھی ان کو سرکاری اعلانات کے ذریعہ ملازمت سے باز رکھا جاتا ہے۔ ان کی قابل رحم حالت پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ اعلیٰ حکام تو ان کی ہستی کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔

ذیل کے فقرات اس درخواست سے لئے گئے ہیں جو کچھ عرصہ ہوا۔ مسلمانان اڑیسہ نے کمشنر کے سامنے پیش کی۔ ان پر تکلف فقروں پر ممکن ہے بعض لوگوں کو ہنسی آجائے مگر اس صوبے کے سابق فاتحین کی حالت زار جس سے مجبور ہو کر انہوں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں محض روٹی کے لئے التجا کی ہے بڑی ہی افسوسناک ہے اور ہمیشہ انسان کو متاثر کرتی رہے گی۔

"ہز میجسٹی ملکہ معظمہ کی وفادار رعایا ہونے کی حیثیت سے ہم یقین رکھتے ہیں کہ حکومت کی ملازمتوں میں ہمارا بھی مساویانہ حق ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو اڑیسہ کے مسلمانوں کو روز بروز تباہ کیا جا رہا ہے اور ان کے سربلند ہونے کی کوئی امید نہیں۔ مسلمان اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اب بالکل نادار ہیں اور ہمارا بھی کوئی پرسان حال نہیں۔ اب ہماری حالت ماہی بے آب کی طرح ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کی اس ابتر حالت کو ہم جناب عالی کے حضور پیش کرنے کی جرات کر رہے ہیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ جناب عالی ہی اڑیسہ کے ڈویژن میں ہز میجسٹی ملکہ معظمہ کے واحد نمائندہ ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ نسل و رنگ کے امتیاز سے بالا ہو کر ہر قوم کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا۔ اپنی سابقہ سرکاری ملازمتوں کے چھن جانے سے ہم اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ صمیم قلب سے دنیا کے دور دراز گوشوں کا رخ کرنے کے لئے تیار ہیں ہم ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھنے کے لئے مستعد ہیں۔ ہم سائبیریا کے بے آب و گیاہ حصوں میں مارے مارے پھرنے کے لئے آمادہ ہیں بشرطیکہ ہمیں یقین دلا دیا جائے کہ ایسا کرنے سے ہمیں 10 شلنگ (ساڑھے سات روپے) ہفتہ کی ملازمت سے سرفراز کیا جائے گا"۔

آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ مسلمانوں پر اس طرح سرکاری ملازمتوں اور تسلیم شدہ پیشوں کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے؟ بنگال کے مسلمانوں میں ذہانت کی کمی نہیں اور غربت کی خلش ہر وقت ان کو اس بات پر اکساتی رہتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کریں۔ حکومت نے تمام بنگال میں سکولوں کا جال پھیلایا ہوا ہے اور اس کے بہت سے اضلاع میں مسلمان آباد ہیں۔ اس کے باوجود یہ سکول ایسی مسلمان جماعت پیدا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے میں بالکل ناکام ثابت ہوئے جو یونیورسٹی کے امتحان مقابلہ میں کامیاب یا کسی پیشہ ہی میں داخل ہو سکے۔ انہی سکولوں سے ہر سال اچھے لکھے پڑھے بلند ہمت اور ذہین ہندو نوجوانوں کی کثیر تعداد یونیورسٹی میں داخل ہوتی ہے اور اس کے بعد زندگی میں دولت و عزت کے ہر شعبہ پر قابض ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا طریقہ تعلیم جس نے ہندوؤں کو ان کی صدیوں کی نیند سے جگایا اور ان کے کاہل عوام میں قومیت کے شریفانہ جذبات پیدا کر دیئے ہیں مسلمانوں کی روایات کے بالکل خلاف اور انکی ضروریات کے بالکل غیر مطابق ہے بلکہ ان کے مذہب کی تحقیر کرتا ہے ہندو اسلامی حکومت کے ماتحت بھی اپنی قسمت پر ایسے ہی مطمئن تھے جیسے کہ اب ہماری حکومت میں۔ آج کل ترجیح صرف اس شخص کو دی جاتی ہے جو انگریزی زبان جانتا ہو اور ہندو انگریزی خوب سیکھتے ہیں۔ اس سے پہلے ترجیح اس شخص کو دی جاتی تھی جو فارسی زبان جانتا تھا لہٰذا ہندو اس وقت فارسی بھی خوب سیکھ لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ 1500ء ہی میں انہوں نے اس زبان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس زمانہ کے ہندو مصنفین کے اشعار اب بھی ملتے ہیں۔ ہندو اگرچہ کافر تھا لیکن ایک مسلمان کا اتالیق ہونے کی حیثیت سے سرکاری عہدہ دار بنتا اور پھر مسلمانوں ہی کے علوم کا درس بھی دیتا۔ اکبر کے عہد میں ہندوؤں نے اپنے روشن ضمیر بادشاہ سے پورا پورا تعاون کیا اور بعض اعلیٰ پائے کے فارسی شاعر بھی پیدا کئے۔ البتہ عوام میں فارسی کا چرچا اس وقت ہوا جب ان کو معلوم ہو گیا کہ فارسی پڑھنا نفع بخش ہے۔ سولہویں صدی کے اخیر میں حکومت کے وزیر مالیات نے جو خود بھی ہندو تھا حکم جاری کیا کہ اب سے تمام حسابات فارسی زبان میں رکھے جائیں گے چنانچہ محکمہ مالیات کے ہندو ملازموں نے فارسی زبان سیکھ لی۔ بعینہ جب ہم نے سرکاری دفاتر میں انگریزی زبان رائج کی تو ابن الوقت ہندوؤں نے فوراً اس زبان کو اس حد تک سیکھ لیا جہاں تک زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے اس کا سیکھنا ضروری تھا۔ ہم سے پہلے مسلمانوں کی حکومت میں جو زبان سرکاری طور پر رائج تھی اور اب ہماری حکومت میں جو زبان سرکاری ہے ان کے لئے دونوں کی حیثیت اجنبی ہے اور وہ ان سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے مگر یہ کہ وہ ان کے لئے ترجیح حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ پھر جب سرکاری سکول انہیں کامیابی کا یہ طلسم اس خرچ کے نصف سے بھی کم پر دے دیتے ہیں جو حکومت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے ہمارے طریقہ تعلیم کو پچھلے طریقہ تعلیم پر ترجیح دے رکھی ہے لیکن مسلمانوں کی حالت اس کے برعکس ہے۔ انگریزوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان پر قابض ہونے سے پہلے وہ ملک کی سیاسی ہی نہیں بلکہ دماغی قوت بھی تسلیم کئے جاتے تھے۔ پھر اس ہندوستانی مدبر کے الفاظ میں جو ان سے بخوبی واقف تھا "ان کا تعلیمی نظام اگرچہ اس نظام تعلیم سے کم درجہ پر ہے جسے ہم نے رائج کیا ہے لیکن پھر بھی اس کو حقارت کی نظر سے دیکھنا غلطی ہے کیونکہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغی تعلیم و تربیت کا اہل تھا۔ اس کی بنیادیں بالکل ہی ناقص اصولوں پر نہ تھیں۔ گو ان کے پڑھانے کا طریقہ بہت پرانا تھا لیکن یقینی طور پر وہ ہر اس طریقہ سے برتر تھا جو اس وقت ہندوستان میں رائج تھا"۔ مسلمان اس طریقہ تعلیم سے اعلیٰ قابلیت اور دنیاوی برتری حاصل کرتے۔ پھر یہی اور صرف یہی ایک واسطہ تھا جس کے ذریعہ ہندو اپنے ملک کی حکومت مین کم سے کم صلاحیت پیدا کر سکتے تھے۔ ہم[1] اپنے دور حکومت کے پچھلے پچھتر سالوں میں انتظام ملک کی خاطر اسی طریقہ تعلیم سے متواتر فائدہ اٹھاتے رہے۔ گو اس دوران میں ہم نے اپنا طریقہ تعلیم بھی رائج کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جونہی ایک نسل اس نئے طریقہ کے ماتحت پیدا ہو گئی ہم نے مسلمانوں کے پرانے طریقے کو خیرباد کہہ دیا جس سے مسلمان نوجوانوں پر ہر قسم کی سرکاری زندگی کا دروازہ بند ہو گیا۔ اگر مسلمان ذرا بھی عقلمند ہوتے تو وہ اس تبدیلی کو بھانپ جاتے اور اپنی قسمت پر قناعت کرتے۔ مگر ایک پرانی فاتح قوم اپنے شاندار ماضی کی روایات کو جلد فراموش نہیں کر سکتی۔ مسلمانان بنگال نے اس نظام کو ٹھکرا دیا۔ جس سے وہ ان لوگوں پر کوئی فضیلت نہیں رکھ سکے۔ جو صدیوں سے ان کے محکوم تھے اور جن کو بت پرست سمجھ کر حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا یا غلام قوم سمجھ کر نفرت کا اظہار ہوتا تھا۔

مزید برآں مذہب نے بھی اس جدید نظام کے خلاف جلتی آگ پر تیل کا کام دیا۔ مدت تک تو اس بات کا فیصلہ ہی نہ ہو سکا کہ ایک مسلمان اپنی روح کو اذیت پہنچائے بغیر سرکاری اسکولوں میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ جدید نظام انگریز استادوں کے ماتحت رائج کیا جاتا' یا زیادہ جرات سے کام لے کر اپنی زبان کو سرکاری زبان قرار دیتے تو مسلمانوں کی مذہبی دشواریاں کم از کم ایک لحاظ سے آسان ہو جاتیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ عیسائی مذہب اگرچہ صداقت پر نہیں جیسا کہ پیغمبر اسلام واضح فرما چکے ہیں بہرکیف ایک الہامی مذہب ہے جسے انسان کے لئے نازل کیا گیا۔ البتہ ہندو دھرم ان کے نزدیک ایک قابل نفرت چیستان ہے۔ بھوتوں اور بتوں کی پرستش کا ایک نظام جس میں خدائے واحد

---

[1] مسٹری ای۔ سی۔ بے کلے سی۔ ایس۔ آئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی پہچان کے لئے روشنی کی ایک شعاع بھی نہیں ملے گی[1]۔ جنوبی بنگال میں ہمارے سرکاری کورٹ کی زبان ہندو ہے اور معلم بھی ہندو۔ لیکن مسلمانوں نے بت پرستوں کی تعلیم کو بت پرستوں ہی کی زبان میں حاصل کرنے کو بحقارت ٹھکرا دیا۔

لیکن اس نفرت نے رفتہ رفتہ زندگی کی بدلی ہوئی ضروریات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ مذہب نے جب شروع شروع میں ہمارے سکولوں کے خلاف عوام کے جذبہ نفرت و حقارت کو دو چند کر دیا۔ تو مسلمان متذبذب ہو گیا اور وقت کے سب سے بڑے عالم دین شمس الہند کے فتووں کی تاویل جن کا ذکر اس کتاب میں کئی بار آچکا ہے اس طرح کی جانے لگی کہ وہ انگریزی تعلیم کے حق میں ہیں۔ اس مشہور و معروف عالم دین نے ایک فتویٰ انگریزوں کی ملازمت کے متعلق اس سے پہلے بھی دیا تھا۔ ان کا فیصلہ تھا کہ بعض سرکاری ملازمتوں میں کوئی عیب نہیں بعض ایسی ہیں جو نہ اچھی ہیں نہ بری۔ لیکن بعض بالکل ممنوع۔ اگر انگریز مسلمانوں کو قابل تعریف کاموں کے لئے ملازم رکھیں مثلاً" شرع محمدی کے مطابق مفتی' سڑکوں اور غریبوں کے لئے مسافر خانوں کے اوورسیر یا جائیداد کی حفاظت اور چوروں کا قلع قمع کرنے کی خدمت تو یہ ملازمتیں جائز ہیں کیونکہ حضرت یوسفؑ مصر کے کافر بادشاہ کے خزانچی اور پولیس کے افسر اعلیٰ تھے اور اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے حضرت موسیٰؑ کو دودھ پلانے کے لئے فرعون کی ملازمت کی تھی۔ لیکن اگر کوئی ملازمت انسانوں کو بے دینی کی طرف لے جائے تو جو مسلمان اسے اختیار کرے گا وہ گنہگار ہو گا۔

ایسے ہی جب ان کے مریدوں نے سوال کیا کہ کیا منطق یا انگریزی کا پڑھنا جائز ہے تو انہوں نے کہا منطق اگرچہ نجات کے لئے ضروری ہے مگر صرف و نحو کی طرح اس سے علم حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اگر کوئی شخص منطق کو اس لئے پڑھتا ہے کہ دین پر اعتراضات کرے تو گنہگار ہے اور اگر محض علم کی حیثیت سے پڑھے تو پھر اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ انگریزی کو اس لئے پڑھنا کہ انسان کتابیں پڑھ سکے۔ خط لکھ اور الفاظ کے مخفی معنوں کو معلوم کر سکے۔ جائز ہے کیونکہ زید ابن ثابت نے رسول کریمؐ کے حکم سے یہود و نصاریٰ کی زبان اور لغت پڑھی تھی تاکہ وہ ان خطوط کا جواب لکھ سکیں

---

[1] مجھے یہاں یہ واضح کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں اس بیان کے بالکل مخالف ہوں۔ میرے خیال میں اب تک غیر تربیت یافتہ عیسائیوں کا بھی یہی حال ہے مسلمانوں کو ان لوگوں کے مذہب سے جس پر وہ حکومت کرتے تھے۔ بے خبری کی قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو رسول کریمؐ کو یہود و نصاریٰ کی طرف سے آتے تھے لیکن اگر کوئی شخص انگریزی زبان کو اس لئے پڑھتا ہے کہ اس سے عیش و عشرت حاصل ہو یا اس لئے کہ انگریزوں سے اتحاد پیدا ہو جائے تو وہ گنہگار ہے اور قانون کی حد کو توڑتا ہے جیسا کہ لوہے کے ہتھیار کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ اگر اس لئے بنایا جائے کہ اس سے چوروں کو نکالا یا گرفتار کیا جائے تو کار ثواب ہے لیکن اگر اس لئے بنایا گیا ہے کہ ان کی مدد کی جائے تو یہ معصیت اور گناہ میں داخل ہے۔

مگر زیادہ پرجوش مسلمانوں نے سرکاری تعلیم کو کبھی جائز نہیں سمجھا۔ جہاں دیندار مسلمانوں نے ہمارے سلسلہ تعلیم سے کچھ رعائتیں کیں وہاں زیادہ متعصب لوگ اس سے اور بھی دور بھاگنے لگے۔ گزشتہ چالیس سال میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوؤں سے بالکل علیحدہ کر لیا ہے مثلاً" ان کا لباس الگ۔ سلام کرنے کا طریقہ الگ' علیٰ ہذا بعض دوسرے بیرونی امتیازات جن کی اپنی عظمت کے ایام میں انہوں نے کبھی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ 1860-62ء میں ہمارے سکولوں میں ایک مسلمان کے مقابلے میں دس ہندو تھے۔ اور یہ نسبت اب پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے لیکن اس زیادتی کی وجہ ہمارے ضلع کے سرکاری اسکول نہیں بلکہ دیگر امدادی ادارے ہیں۔ انگریزی سکولوں میں طلباء کی مجموعی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اور وہ افسر جو وہابی مقدمات کا انچارج تھا اور جس کی سند میں یہ بیان لکھ رہا ہوں کہتا ہے کہ مسلمان طالب علموں کی تعداد کو ان کی مجموعی آبادی سے کوئی معقول نسبت نہیں۔

بات یہ ہے کہ ہمارا طریقہ تعلیم مسلمانوں کے تین ایسے رجحانات کو جو سراسر طبعی ہیں بالکل نظر انداز کر دیتا ہے۔ اول یہ کہ ذریعہ تعلیم بنگال کی دیسی زبان ہے۔ جس سے تعلیم یافتہ مسلمان نفرت کرتے ہیں اور ماسٹر ہندو جن کو ساری مسلمان قوم حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ بنگالی سکول ماسٹر جب اپنی دیسی زبان اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں گفتگو کرتا ہے تو وہ مسلمانوں کے لئے بھی ایسی ہی اجنبی ہے جیسی ہمارے لئے۔ پھر اس کے عاجزانہ اور بزدلانہ طور طریق اس قابل نہیں کہ مسلمان بچوں میں ضابطہ قائم رکھ سکے۔ ابھی چند دن ہوئے ایک مسلمان زمیندار نے ایک انگریزی افسر سے کہا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے اس بات پر مجبور نہیں کر سکتی کہ اپنے بچوں کو بنگالی اسکول ماسٹر کے پاس بھیجے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے دیہاتی سکول اس قابل نہیں کہ یہاں مسلمان ان زبانوں کو حاصل کر سکیں جو زندگی میں قابل عزت جگہ کے حصول اور مذہبی فرائض کی بجا آوری کے لئے ضروری ہیں۔ ہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریف مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تھوڑی بہت فارسی جانتا ہو لیکن فارسی وہ زبان ہے جو ہمارے اضلاع کے اعلیٰ سکولوں میں بھی پڑھائی نہیں جاتی مسلمان خواہ دیہاتی ہو' خواہ شہزادہ اس بات پر مجبور ہے کہ اپنی نماز کسی متبرک زبان یعنی فارسی[1] یا عربی میں ادا کرے۔ مگر ان زبانوں کو ہمارے اسکولوں نے تسلیم ہی نہیں کیا۔

کچھ عرصہ ہوا ایک فتویٰ شائع ہوا تھا کہ مسلمانوں کی نماز اس وقت تک خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوگی جب تک کہ اس کو خاص زبان میں ادا نہ کیا جائے۔ تیسرے ہمارے طریقہ تعلیم میں نوجوان مسلمانوں کے لئے مذہبی تعلیم کا کوئی خاص انتظام نہیں۔ ہم اس بات کو نظرانداز کر دیتے ہیں کہ ہندوؤں میں زمانہ قدیم سے ایک بہت بڑی اور طاقتور ذات چلی آتی ہے جو بچوں کی تعلیم کے اس حصے کو پورا کر دیتی ہے لیکن مسلمانوں میں اس قسم کی کوئی مذہبی جماعت نہیں۔ ہر مسلمان کے گھر کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ اس میں جو شخص سب سے زیادہ بزرگ ہے وہ مذہبی فرائض کو کماحقہ جانتا ہے بلکہ مذہبا" پورے خاندان کی رہنمائی کرتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز باجماعت مسجدوں ہی میں ادا کی جاتی ہے۔ مگر یہ صرف اسلام ہی کی شان ہے کہ اس میں مساجد کی تعمیر ضروری نہیں کیونکہ نماز خدا کی زمین اور اس کے آسمان کے نیچے ہر جگہ پڑھی جا سکتی ہے۔ ایسی تعلیم کا طریقہ جو سراسر دنیاوی ہو بہت ہی تھوڑی قوموں کے مزاج کے مطابق ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے قابل مدبروں کے نزدیک ایسے طریقہ تعلیم کو آئرلینڈ میں بالکل ناکامی ہوئی پھر اسلامی بنگال کے متعلق تو یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس جاہل اور متعصب کاشتکاروں کی افتاد طبیعت کے سراسر منافی ہے۔

ایک اعلیٰ افسر لکھتا ہے "کیا اس کے بعد بھی یہ کوئی تعجب کی بات ہے کہ مسلمان اس طریقہ تعلیم سے پرہیز کر رہے ہیں جو ان کے طبعی رجحانات کے لئے کوئی رعایت نہیں رکھتا نہ اس تعلیم کا کوئی انتظام کرتا ہے جس کو وہ اپنے لئے ازحد ضروری سمجھتے ہوں بلکہ جو قطعی طور پر ان کے مفاد کے خلاف ہے اور ان کی جماعتی روایات کے بالکل برعکس ہے۔

لیکن اس کے باوجود اکثر انگریزوں کی یہ عادت ہے کہ دوران ملازمت میں مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ کے لئے غم و غصہ کے جذبات پیدا کر لیتے ہیں کیونکہ وہ اس تعلیم کو

---

[1] بنگالی مسلمانوں کے نزدیک فارسی بھی بہت حد تک متبرک ہے کیونکہ اس زبان کے ذریعے ان میں اسلام کے قوانین اور احکام پہنچے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹھکرا رہے ہیں۔ جسے ہم ایک ایک شخص تک پہنچا دینے کی کوشش کر رہے ہیں پھر جس آسانی سے ملک کی دوسری قوموں نے اس تعلیم کو حاصل کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ان کا یہ انکار اور بھی زیادہ مکروہ ہو جاتا ہے چونکہ ابن الوقت ہندو کسی قسم کے شک و شبہ میں مبتلا نہیں لہٰذا سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان خواہ مخواہ کیوں اپنے لئے تکلیف کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔ دراصل ہم نے اس امتیاز کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے جو بذات خود اتنا ہی پرانا ہے۔ جتنا انسان کا مذہبی رجحان طبیعت۔ یعنی وہ امتیاز جس سے ہر زمانہ اور ہر قوم میں خدائے واحد کی پرستش کرنے والوں کو مشرکین سے جدا رکھا۔ مشرک اپنی پرستش کے لئے بہت سے خدا رکھتے ہیں اور اس بنا پر ان کے اعتقادات کے بھی کئی حصے ہو جاتے ہیں۔ گبن نے یونانیوں کے متعلق جو آخری فیصلہ کیا تھا وہ اس وقت ہندوؤں پر کہیں زیادہ ٹھیک عائد ہوتا ہے "ناقابل تقسیم اور باضابطہ اعتقاد کی بجائے جو معتقدین کے اعتقاد پسند دل و دماغ پر کلیتہ" حاوی ہو جائے۔ یونانی علم الاصنام کی بناوٹ ہزارہا قسم کے آزاد اور لچکدار حصوں کا ایک مجموعہ ہے لہٰذا ان معبودوں کی پرستش کرنے والوں کو بھی اپنے مذہبی اعتقاد کی گہرائی اور درجے مقرر کرنے کی پوری پوری آزادی حاصل ہے"۔ لیکن مسلمانوں کے لئے اس قسم کی آزادی ناممکن ہے' مذہب ان سے غیر مشروط سرگرم حتیٰ کہ پرتعصب اعتقاد کا خواہاں ہے لہٰذا جو طریقہ تعلیم ان کے مذہبی اصولوں کو نظرانداز کرے کسی سچے مسلمان کو مطمئن نہیں کر سکتا۔

حکومت کی مذہبی حیثیت کو صدمہ پہنچائے بغیر ہم مسلمانوں سے اس معاملہ میں کہاں تک انصاف کر سکتے ہیں۔ اس کے متعلق بعد میں بحث کی جائے گی لیکن سردست مسلمانوں کی یہ شکایت بالکل بجا ہے کہ حکومت جو روپیہ تعلیم کے لئے سرکاری آبادی سے بغیر کسی امتیاز کے حاصل کرتی ہے وہ صرف ایسے طریقہ پر خرچ کیا جاتا ہے جس کا فائدہ ہندوؤں کو پہنچتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے خلاف یہی ایک الزام نہیں جو سب سے زیادہ سنگین ہو۔ ہم نے صرف ایک ایسا طریقہ تعلیم ہی رائج نہیں کیا جو مسلمانوں کی ضروریات کے بالکل غیر مطابق ہے۔ بلکہ ہم نے ان کے طریقہ تعلیم کو اس سرمایہ سے بھی محروم کر دیا جس پر اس کی بقا کا دارومدر تھا۔ مسلمانان بنگال کا ہر اعلیٰ خاندان ایسے سکول کا خرچ بھی برداشت کرتا تھا جس میں خود اس کے اور غریب ہمسایوں کے بچے مفت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ جوں جوں صوبہ کے مسلمان خاندانوں پر ادبار چھاتا گیا۔ یہ خاندانی سکول کم ہوتے گئے اور ان کے اثرات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی بتدریج مٹتے گئے۔ یہ ہمارے عہد حکومت کی دوسری نصف صدی تھی جب ہم نے انگریزی قانون کی ناقابل مدافعت قوت کو ان کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا۔ زمانہ قدیم سے ہندوستانی شہزادوں کا دستور چلا آتا تھا کہ وہ نوجوانوں کی تعلیم اور خدا کی رضاجوئی کے لئے زمین کے قطعات وقف کرتے اور حکومت وقت ان معاملات پر ہمیشہ ناقابل سوال اور غیر مشروط اقتدار رکھتی۔ مغلوں کی بے پروا حکومت کے ماتحت اور اس بدامنی کے دوران میں جس میں اس سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ یہ قوت کسی حد تک بہ رضا و رغبت اور بڑی حد تک زبردستی حاکمان صوبہ اور ان کے ماتحتوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ دہلی کے دور دراز دربار نے اس بات کو معلوم کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی کہ جنوبی بنگال میں کیا ہو رہا ہے۔ اس کو غرض تھی تو صرف خراج کی وصولی سے۔ ڈھاکہ اور مرشد آباد کے گورنر بھی ویسے ہی سست اور عیاش تھے۔ اور ضلع کے انتظام کی تفصیلات سے بالکل بے پروا۔ مالگزاری جمع کرنے والے زمیندار یا مقامی مالک زمین کو اجازت تھی کہ ماتحت زمینوں پر جو چاہے کرے بشرطیکہ مالگزاری کی مقررہ مقدار ادا کرتا رہے۔ وہ اپنے مذہب کے مطابق مندر یا مسجد کے ساتھ کچھ علاقہ معافی کا وقف کر دیتا اور کوشش کرتا کہ ساری عمر کے ظلم و تعدی کا کفارہ بستر مرگ پر مختلف قسم کے نیک کاموں سے ادا ہو جائے۔

جب ہم نے صوبہ بنگال پر قبضہ کیا تو اس وقت کے قابل ترین افسر مال[1] کا تخمینہ تھا کہ صوبے کا تقریباً" ایک چوتھائی حصہ حکومت کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ 1772ء میں وارن ہیسٹنگز کو اس انتہائی بے ایمانی کا حال معلوم ہوا تو ان علاقوں کی واپسی کے خلاف عوام کا جذبہ اس قدر سخت تھا کہ کسی کو کاروائی کرنے کی جرات نہ ہو سکی۔ 1793ء میں لارڈ کارنوالس نے پھر اس معاملہ کو بڑی شدومد سے اٹھایا کہ جس معافی کے علاقہ کے متعلق حکومت سے منظوری نہ لی گئی ہو اس پر حکومت کا قبضہ ہونا چاہئے۔ مگر اس وقت کی طاقتور حکومت بھی اس اصول پر کاربند ہونے کا حوصلہ نہ کر سکی۔ پھر یہ معاملہ پچیس سال تک یونہی کھٹائی میں پڑا رہا اور 1815ء میں حکومت نے ایک بار پھر اپنے اس حق پر اصرار کیا لیکن اس کے باوجود عمل کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ آخرکار 1823ء میں مجلس قانون ساز اور محکمہ منتظمہ نے مل کر ایک بہت بڑی کوشش کا آغاز کیا جس کے ماتحت خاص عدالتیں مقرر کی گئیں اور آئندہ اٹھارہ سال تک تمام صوبے میں مخبر، جھوٹے گواہ اور خاموش مگر مستقل مزاج افسران واگزاری گشت کرتے رہے۔

---

[1] مسٹر جیمز گرانٹ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واگزاری کے مقدمات پر 8 لاکھ پونڈ خرچ کرنے کے بعد حکومت کی مالگزاری میں تین لاکھ پونڈ سالانہ کا مستقل اضافہ ہو گیا۔ یعنی ساٹھ لاکھ پونڈ کا سوا پانچ فی صد سالانہ کے حساب سے۔ اس رقم کا بہت بڑا حصہ ان زمینوں سے حاصل ہوتا ہے جو مسلمانوں یا اسلامی اوقاف کے پاس معافی کی حیثیت سے ہیں۔ اس سے جو ابتری اور نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہوئے وہ ہمیشہ کے لئے دیہاتی دستاویزات میں ثبت ہو چکے ہیں سینکڑوں پرانے خاندان تباہ ہو گئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دارومدار انہی معافیوں پر تھا بالکل تہ و بالا ہو گیا۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اٹھارہ سال کی اس مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے لہٰذا جو شخص غیر جانب داری سے اس کی تحقیق کرے گا اس نتیجے پر پہنچے گا کہ جب واگزاری کے قوانین کا مقصد محض ایسے حق کے نافذ کرنے کا تھا جس کو ہم نے بار بار پرزور طریقہ سے اپنے لئے محفوظ رکھا تو واگزاری کے مقدمات میں انتہائی سختی کیوں برتی گئی در آنحالیکہ وہ ہندوستانیوں کی عام رائے کے بالکل خلاف تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کے صاف اور صریح قوانین کی موجودگی میں مروجہ رسم و رواج کا حق ایک غلط سی بات ہے۔ لیکن پچھتر سال کا مسلسل قبضہ اس امر کا پرزور حق پیدا کر دیتا ہے کہ حکومت نرمی کا برتاؤ کرے۔ ہمارے واگزاری کے افسر جنہوں نے قانون نافذ کیا تھا رحم کرنا جانتے ہی نہیں تھے۔ ان دنوں کا خوف و ہراس اب تک بہت سے لوگوں کو یاد ہے اس سے ہمارے خلاف نفرت و حقارت کی ایک شدید وجہ پیدا ہو گئی۔ اس وقت سے کسی شخص کا عالم دین ہونا جو ہندوستانی نوابوں کی نظر میں بڑا قابل عزت اور منفعت بخش پیشہ تھا۔ بنگال میں ہمیشہ کے لئے بند ہے۔ سب سے زیادہ نقصان اسلامی اوقاف کو پہنچا کیونکہ ہندوستان کے سابق فرمانرواؤں نے اپنے قبالوں سے ایسے ہی بے پروائی کی تھی جیسا کہ دوسرے معاملات میں لیکن جس کا چالاک اور عاقبت اندیش ہندوؤں کے ہاں کوئی امکان نہیں تھا۔ ہم نے ان کی معافیوں کے جو ثبوت طلب کئے ان کو پیش ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ قانون ملکیت غیر یقینی تھا اور ان کی تسلیم شدہ ذاتی جائیدادوں کے معاملے میں بالکل ناکارہ پچھتر سال تک ہم نے اس انتہائی بے ایمانی کو جس کے خلاف ہم احتجاج کرتے رہے جاری رہنے دیا لیکن اس کی مجموعی سزا ایک ہی نسل کو بھگتنا پڑی۔ اس دوران میں بنگال کی آب و ہوا اور بنگال کی دیمک ان کی سندوں اور قبالوں کا ستیاناس کرتی رہی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ واگزاری میں ہمیں اس سے بہت کم ملا جتنا ہم سے چرایا گیا تھا لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کے تعلیمی نظام کی تباہی واگزاری سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی شروع ہوتی ہے۔ وہابی مقدمات کے ذمے دار افسر کی رائے میں یہ مسلمانوں کی تباہی کا دوسرا سبب تھا۔

بہرحال مقدمات کو تو حق بجانب ٹھہرایا جا سکتا ہے لیکن مسلمانوں کے اس الزام کا جواب نہیں دیا جا سکتا کہ ہم نے ان کے تعلیمی اوقاف کا ناجائز استعمال کیا۔ اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ کہ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم اس جائیداد کو جو اس مصرف کے لئے ہمارے قبضہ میں دی گئی تھی ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں ان کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود ہوتے۔ 1806ء میں ہگلی کا ایک دولتمند مسلمان فوت ہو گیا۔ اس نے اپنی جائیداد کا بہت بڑا حصہ مصرف خیر کے لئے چھوڑا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصے میں اس کے وہ امانتداروں نے آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ اور یہ جھگڑا 1810ء میں بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ ایک دوسرے کے خلاف بددیانتی کے مقدمات دائر ہو گئے۔ اس پر ضلع کے انگریز کلکٹر نے عدالت کے فیصلہ تک اس جائیداد کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ یہ مقدمات 1816ء تک چلتے رہے۔ آخر کار گورنمنٹ نے ان دونوں امانت داروں کو بے دخل کر دیا اور جائیداد کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ایک امانتدار تو خود گورنمنٹ بن بیٹھی اور دوسرا امانتدار وہ جسے حکومت اپنی مرضی سے نامزد کرے۔ اگلے ہی سال اس ساری جائیداد کا دوامی پٹہ لکھا گیا اور ہر دوامی پٹہ دار سے ایک معقول رقم حاصل کر لی گئی ان ادا شدہ رقوم کی میزان معہ اس آمدنی کے جو دوران مقدمہ میں جمع ہوتی رہی ایک لاکھ ستاون ہزار پونڈ ہے (تقریباً" اکیس لاکھ روپیہ) مزید براں 12 ہزار پونڈ (تقریباً" ڈیڑھ لاکھ روپیہ) سے کچھ اوپر کی رقم وہ ہے جو اس وقت تک جائیداد مذکورہ کی سالانہ آمدنی سے بچائی گئی۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ یہ وقف مصرف خیر کے لئے کیا گیا تھا اور اس کے مصارف وصیت نامہ میں درج بھی تھے۔ مثلاً" بعض مذہبی فرائض اور رسوم کی ادائیگی۔ امام باڑہ یعنی ہگلی کی عظیم الشان مسجد کی مرمت۔ ایک قبرستان بعض وظائف اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی ادارے وغیرہ وغیرہ۔ ایک تعلیمی ادارہ بھی اس وصیت کے مقاصد کے تحت میں آتا تھا۔ مگر وہ تعلیمی ادارہ ایسا ہونا چاہئے تھا جو مسلمانوں کے خیال کے مطابق ہو جیسا کہ وصیت کرنے والے نے خود منظور کیا تھا۔ اسلامی ممالک میں غریب و نادار لڑکوں کے لئے کالج قائم کرنا ہمیشہ ایک نیک کام سمجھا جاتا ہے مگر اس سرمایہ سے ایک غیر مسلم کالج بنانے کی ہر کوشش وصیت کنندہ کی منشاء کے مطابق ایک الحادی کام تھا اور اس سے امانت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داروں کی سخت بددیانتی کے سوا اور کچھ متصور نہیں ہوتا۔ دراصل اسلامی اوقاف سے مذہب اس قدر لازم و ملزوم ہے کہ حکومت کو ایک معزز شیعہ کے قایم کردہ وقف سے سنیوں کی تعلیم پر خرچ کرنا بھی ہو تو پوری چھان بین کے بعد کرنا چاہئے۔

کیا ہم اس غم و غصہ کا اندازہ کر سکتے ہیں جو مسلمانوں کے اندر اس بات سے پیدا ہو کہ انگریزی حکومت ایک انگریزی کالج کی تعمیر سے اس سرمایہ کا غلط استعمال کرنے والی ہے۔ بہرحال اس نے ایسا ہی کیا اور اس جائیداد کا جو اسلامی نقطہ نگاہ سے مصرف خیر پر خرچ کرنے کے لئے وقف کی گئی تھی ایسے ادارے پر صرف کر دیا جو اپنی ساخت ہی میں اسلامی اصولوں کے خلاف تھا اور جس سے مسلمان عملاً" مکمل طور پر خارج کر دیئے گئے تھے۔ اس وقت اس کالج کا پرنسپل ایک معزز انگریز ہے جو عربی اور فارسی کا ایک حرف بھی نہیں جانتا۔ وہ ایک خالص اسلامی وقف کو ایسی تعلیم میں صرف کر رہا ہے جس کو ہر مسلمان نفرت سے دیکھتا ہے اس کی تنخواہ پندرہ سو پونڈ سالانہ ہے مگر یہ اس کی غلطی نہیں اگر یہ غلطی ہے تو اس حکومت کی جس نے اس کو اس عہدے پر مقرر کیا ہے اور جو پینتیس سال سے متواتر اس بہت بڑے تعلیمی فنڈ کا جان بوجھ کر غلط استعمال کر رہی ہے۔ انگریزی کالج کے ساتھ ایک چھوٹے سے اسلامیہ سکول کا قائم کر دینا اس انتہائی بددیانتی کو چھپانے کی ایک فضول سی کوشش ہے۔ کالج کی عمارت میں جمع شدہ سرمایہ کے غلط استعمال کے علاوہ اس میں سے ہر سال پانچ ہزار پونڈ کالج پر خرچ کر دیتی ہے۔ گویا پانچ ہزار دو سو ساٹھ پونڈ کی سالانہ آمدنی میں سے صرف تین سو پچاس پونڈ اس اسلامیہ سکول پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ جو اس وقف کے اصلی مصرف کی واحد یادگار ہے۔

اس بددیانتی کے الزام پر زیادہ کچھ لکھنا تکلیف دہ ہے کیونکہ اس کی تردید کی کوئی صورت نہیں۔ مسلمان علانیہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے انگریزوں ہی نے مسلمان امانتداروں کی بدعنوانیوں سے فائدہ اٹھایا۔ اور ان کے بڑے بڑے مذہبی اوقاف کو کافر حکومت کے ہاتھ میں دے دیا۔ جو اس وقت سے مصرف خیر کی بجائے جیسا کہ مسلمان وصیت کنندوں کا اصلی مقصد تھا۔ ایسے اداروں پر خرچ ہو رہے ہیں جن سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یوں ان کی ابتدائی غلطی اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چند سال ہوئے اس انگریزی کالج کے تین سو طلباء میں سے ایک فی صدی بھی مسلمان نہ تھے۔ اور گو یہ شرمناک تناسب اس وقت سے بتدریج کم ہو رہا ہے لیکن مسلمانوں کے دلوں میں اس بے انصافی کا خیال بدستور باقی ہے ایک سول افسر جس نے اس معاملہ کا بغور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطالعہ کیا ہے لکھتا ہے "مجھے یقین ہے کہ اس حقارت اور بے عزتی میں مبالغہ سے کام لینا بہت ہی مشکل ہے جو برٹش حکومت نے خود اپنے طرز عمل سے پیدا کر رکھی ہے"۔ اس فقرے کی زبان کو شاید بہت سخت کہا جائے لیکن مجھے خود بھی اس حقیقت کا اعلان کرنا ہے کہ اپنے اٹھائیس سالہ قیام ہندوستان میں میں نے اس سوال کو حل کرنے کی بار بار کوشش کی (ہندوستان آنے کے بعد میں چند ہفتوں ہی میں ہگلی گیا تھا) اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے ہندوستانیوں اور انگریزوں سے ان حالات کے ماسوا اور کچھ نہیں سنا۔ یہ بات صحیح ہو یا غلط مگر مسلمانوں کو بہرحال یقین ہے کہ حکومت نے اس معاملہ میں ان سے ایک بہت بڑی ناانصافی ہی نہیں بلکہ کمینگی کا ثبوت دیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے جذبات افسوس اور شکایت اسی طرح قائم ہیں۔

لیکن ان بے انصافیوں کی فہرست ابھی مکمل نہیں ہوئی جن کا مسلمان اپنے انگریز حاکموں کو ملزم ٹھہراتے ہیں۔ وہ ہمیں صرف اس بات کا ملزم قرار نہیں دیتے کہ ہم نے کامیاب زندگی کی تمام راہیں ان پر مسدود کر دی ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ ہم نے ان کی عاقبت کو بھی خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ دنیا کے ہر اچھے مذہب نے روحانی فرائض کی انجام دہی کے خاص دن مقرر کر رکھے ہیں۔

ہم اس غم و غصہ کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں جو انگریزوں کو اس وقت ہو گا جب کوئی غیر ملکی فاتح خود بخود اپنی مرضی سے اس بات کا اعلان کر دے کہ آئندہ اتوار کو چھٹی نہیں ہوا کرے گی۔ ہندو اور مسلمان یکساں طور پر اپنے مذہبی تہواروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے متعلق بڑے نازک جذبات رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے بہت سے حصوں میں ہم نے ان جذبات کا احترام کیا ہے لیکن معلوم نہیں جنوبی بنگال کے مسلمانوں کو کچھ عرصے سے کیوں نظر انداز کر دیا ہے ہم نے اول تو ان کی مذہبی ضرورت سے تدریجاً" اغماض کیا۔ پھر ان کو بالکل بھلا دیا اور آخر کار ان سے قطعی منکر ہو گئے۔ پچھلے سال کلکتہ ہائی کورٹ کے مسلمان وکلاء نے اس بارے میں دو عرضداشتیں بھیجی تھیں۔ انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ جب عیسائیوں کو سال میں باسٹھ چھٹیاں دی جاتی ہیں اور ہندوؤں کو باون تو پھر مسلمانوں کو بارہ کیوں ملتی ہیں؟ اس سے پہلے مسلمانوں کے لئے منظور شدہ چھٹیاں اکیس تھیں اس کے باوجود عرضی گزاروں کی التجا صرف یہ تھی کہ ان تعطیلوں کی کم سے کم تعداد کو جو اب گیارہ تک پہنچ چکی ہے اور کم نہ کر دیا جائے۔ اس میموریل کا اثر یہ ہوا کہ گورنمنٹ نے ایک حکم نامہ جاری کیا کہ آئندہ ہائی کورٹ میں بھی اتنی ہی چھٹیاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونی چاہئیں جتنی گورنمنٹ کے دفاتر میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ اب گورنمنٹ دفاتر میں کسی اسلامی تہوار پر چھٹی کی اجازت نہیں۔ البتہ ہر محکمہ کے افسر کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے ماتحت مسلمانوں کو ان کے چھ بڑے تہواروں پر غیر حاضر ہونے کی اجازت دے دے۔ لیکن اس طرح کہ سال میں کل بارہ چھٹیاں ہو جائیں۔ مگر دفتر بدستور کھلے اور روزانہ کام حسب دستور جاری رہے۔

لیکن مسلمان وکلاء نے اس کا جواب یہ دیا کہ اس قسم کی اجازت سے ہائی کورٹ کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ عدالتوں کو صرف اپنے افسروں اور وکیلوں کا خیال نہیں کرنا چاہئے بلکہ عوام الناس کا بھی جن کی سہولت کے لئے ان کا وجود قائم ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ گو مسلمان وکیلوں کی تعداد میں بہت زیادہ کمی آگئی ہے لیکن مقدمہ باز مسلمانوں کی تعداد اس تناسب سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ریل کے جاری ہونے سے وہ اپنے مقدمات کی نگرانی کے لئے بہ آسانی آجا سکتے ہیں اس کے باوجود اگر مسلمان پلیڈروں کو اسلامی تہواروں پر حاضری سے معاف کر دیا جائے تب بھی وہ اپنی توجہ ان مقدمات کی طرف سے نہیں ہٹا سکتے جو اس دوران میں جاری رہیں گے کیونکہ ان کے ساتھ ہندو اور انگریز پلیڈر بھی مقدمے میں پیش ہوتے ہیں۔ مختصراً" یہ کہ اس حکم سے ان کے مذہبی تہواروں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ ممانعت اس حکم کی بہتر سالہ روایات کے بالکل خلاف ہے اور ان کو مذہبی فرائض کی بجا آوری سے باز رکھتی ہے۔ اگر ہندوؤں اور عیسائیوں کو ان کے مذہب کے مطابق چھٹیاں دی جا سکتی ہیں تو آپ کے سائل عرض پرداز ہیں۔ کہ مسلمانوں کو بھی مذہبی فرائض کی بجا آوری اور تہواروں کو منانے کی چھٹیاں کیوں نہیں مل سکتی[1]۔

گویا وہ قوم جو کبھی ہندوستان کے تمام عدالتی عہدوں پر فائز تھی اب اس حد تک ذلیل ہو چکی ہے بہرحال یہ جاننا تسلی بخش ہے کہ اور نہیں تو اس بے انصافی پر عمل درآمد ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ حکومت اعلیٰ نے مداخلت کی اور حاکمانہ طور پر اسلامی تعطیلات کے چند دن مقرر کر دیئے۔ یقیناً" وہ اتنے نہ تھے جتنے مسلمان چاہتے تھے مگر اتنے ضرور تھے جو ان کے مذہبی تہواروں کے لئے کافی ہوں اور سرکاری کام کی ضروریات بھی ان کی اجازت دے سکیں۔

---

[1] ہائی کورٹ کے مسلمان پلیڈروں کا میموریل جو انہوں نے چیف جسٹس اور اس کے ہمراہی ججوں کے سامنے پیش کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک الزام ابھی باقی ہے مسلمانوں کو شکایت ہے کہ ہم نے ان کو قانونی پیشہ ہی سے خارج نہیں کر دیا بلکہ مجلس قانون ساز کے ایک ایکٹ کے رو سے ان کے مذہبی اور شخصی قوانین کو پورا کرنے والے ضروری مناصب سے بھی محروم کر دیا ہے۔ اسلامی حکومت میں قاضی کے فرائض منصبی میں فوجداری' دیوانی اور شرعی عدالت کے فرائض داخل تھے۔ پہلے پہل جب ہم نے ملک پر قبضہ کیا تو عدالتی نظام کو جاری رکھنے کے لئے بڑی حد تک انہی پر بھروسہ کیا تھا۔ ہمارے سب سے پرانے قوانین میں ان کی اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے ہم نے قاضی کے عہدے کو برقرار رکھا تھا۔ اس کے فرائض کے متعلق پچیس واقعات کی طویل فہرست ہندوستان کی قانونی کتابوں میں اب بھی مل سکتی ہے[1]۔ حقیقتاً" قاضی کی حیثیت مسلمانوں کے شخصی اور مذہبی قوانین میں اس قدر ضروری ہے کہ اس بات کا فیصلہ ہو گیا تھا کہ جب تک قاضی برقرار رہیں گے ہندوستان دارالاسلام کہلاتا رہے گا لیکن جب ان کو علیحدہ کر دیا گیا تو یہ ملک دارالحرب بن جائے گا مسلمانوں کی بے اطمینانی سے ہم اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں کہ عام مسلمانون کے جذبات کی تحقیقات کریں۔ بدقسمتی سے اس تحقیقات کی ابتدا بہت تھوڑے دنوں سے ہوئی ہے۔ 1863ء میں صوبجات کے گورنروں میں سے ایک نے اعتراض کیا تھا کہ قاضیوں کا تقرر گویا اس بات کا اقرار ہے کہ حکومت ان کی مقدس حیثیت کو تسلیم کرتی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم مسلمانوں کو اس امر کا حق دیتے ہیں کہ وہ ان کا تقرر بطور خود کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بہت کچھ بحث و تمحیص اور حکومت بمبئی کی طرف سے پرزور احتجاج کے بعد اس مضمون پر تمام سابقہ قوانین منسوخ کر دیئے گئے اور حکومت نے قاضیوں کا باقاعدہ تقرر بند کر دیا[2]۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے سات سال سے مسلمانوں کا بہت بڑا اور ہمیشہ بڑھتا ہوا حصہ ایک ایسے عہدے دار سے محروم ہو گیا جس کا وجود شادی بیاہ اور دوسری خاندانی رسم و رواج کو منانے کے لئے بے حد ضروری ہے۔ شروع شروع میں اس مصیبت کا احساس زیادہ نہیں ہوا تھا کیونکہ پرانے قاضی ابھی موجود تھے۔ اور قانون مذکور کا اطلاق صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قاضی مرجاتا یا پنشن پالیتا اور پھر اس کی جگہ ازروئے قانون پر

---

[1] بنگال کوڈ آرڈر نمبر 4 1793ء و آر XII 1793ء وغیرہ۔

[2] ایکٹ نمبر XI 1864ء جو بعد میں 1868ء کے ایکٹ نمبر VIII کے ضمیمہ کی رو سے منسوخ کر دیا گیا تھا مگر اس نے ان قوانین کو زندہ نہ کیا جس کی رو سے پہلے تقرر کیا جاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کی جا سکتی تھی۔ اول اول موجودہ وائسرائے نے اس معاملہ پر غور کرنا شروع کیا تھا۔ مگر کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔ پھر 1870ء میں مدراس ہائی کورٹ نے اس مسئلہ پر بحث کی اور اس کا فیصلہ کر دیا۔ مسٹر جسٹس کوبٹ[1] کے فیصلہ کے بعد شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کہ صرف حکومت وقت ہی قاضیوں کو مقرر کر سکتی ہے اگر قاضی کا تقرر نہ ہو تو مسلمان اس بات کے مجاز نہیں کہ از خود کسی کو قاضی منتخب کر لیں۔ گویا 1864ء کے ایکٹ نے اس قوم سے ان کے قوانین کا ایک اور اہم عہدیدار چھین لیا۔ جس کے فرائض تھے انتقال ناموں کی تسوید و تعریف عقد نکاح اور دوسرے مذہبی فرائض اور مراسم کی بجا آوری۔ اب صورت حال یہ ہے کہ جنوبی بنگال میں سب سے بڑی مصیبت جو ایک مجسٹریٹ پر آسکتی ہے اور جس سے چھٹکارا پانے کا اسے کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ وہ مسلمانوں کے ازدواجی مقدمات ہیں بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر مسلمانوں کے ازدواجی تعلقات کچھ عرصے سے بہت ہی نازک ہو گئے ہیں۔ زناکاری اور اغوا کے مقدمات (یہ دونوں تعزیرات ہند کے ماتحت آجاتے ہیں) اضلاع دہانہ کی عدالتوں میں دھڑا دھڑ آرہے ہیں ان دس مقدمات میں سے نو ایسے ہوتے ہیں جن میں نکاح کو قانونی طور پر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مشرقی بنگال کے دو حلقوں میں 62-1861ء کے اندر یعنی جب سے حکومت نے قاضیوں کا تقرر بند کر دیا ہے اس سے دو سال پہلے کل مقدمات کی تعداد 56 تھی۔ 1866ء میں یعنی قاضیوں کا تقرر بند ہو جانے کے دو سال بعد یہ تعداد بڑھتے بڑھتے 1984 تک پہنچ گئی لیکن اس وقت سے فوجداری اور اعداد و شمار میں ان کی تعداد کم ہوتی گئی ہے۔ واقعتہ" نہیں بلکہ اس لئے کہ اب یہ دستور ہے کہ ایسے مقدمات کو دیوانی عدالت میں منتقل کر دیا جاتا ہے[2]۔

---

[1] اصل مقدمہ نمبر 530 محمد ابوبکر مخالف میر غلام حسن اور انور۔

[2] ازدواجی مقدمات کے بڑھ جانے کی وجہ کچھ یہ بھی ہے کہ اب لوگوں کو پتہ چل گیا ہے کہ تعزیرات ہند سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہم نے ازدواجی تعلقات میں رشتہ اندازی کو فوجداری گناہ قرار دے دیا ہے۔ اب یہ بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ازدواجی قوانین زیادہ وضاحت کے ساتھ بنائے جائیں۔ ہم نے مسلمانوں کے قاضیوں کو برطرف کرنے کے لئے ایسا برا وقت منتخب کیا ہے کہ اس سے برا وقت کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ اعداد و شمار وہابی مقدمات کے ذمہ دار افسر کی قیمتی دستاویزات سے لئے گئے ہیں۔ مزید برآں اس سے زیادہ قابل اعتماد اور تجربہ کار افسر نے قاضیوں کی اسامی سرکاری طور پر اڑا دیئے جانے سے جو سیاسی خطرات پیدا ہو گئے ہیں ان پر یوں رائے زنی کی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ ان کی برطرفی یقیناً" وہابی تحریک پر دو پہلوؤں سے اثر انداز ہوتی ہے اس سے ان پرجوش پڑھے لکھے اور قدرے تربیت یافتہ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے جو کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتے وہ موجودہ حالات سے نالاں ہو کر جاہل مسلمانوں میں بغاوت کی تعلیم دیتے پھرتے ہیں لیکن اس کا دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے ہم جانتے ہیں کہ باقاعدہ قاضیوں کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنی زندگی مذہبی قواعد کے مطابق کر سکیں ان کی اجازت بعض مذہبی مراسم ہی کے لئے ضروری نہیں بلکہ مسلمانوں کو روزمرہ زندگی میں بھی کئی ایک چھوٹے چھوٹے شرعی مسئلے ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا صحیح حل صرف قاضی ہی بتلا سکتا ہے اس قسم کے منصب کی غیر موجودگی میں ہر اس شخص کو جو حکومت کا وفادار نہیں مسلمانوں پر یہ واضح کرنے کا بہت کافی موقع مل جاتا ہے کہ موجودہ حکومت اس قابل ہی نہیں کہ ہم اس کے ماتحت اچھی زندگی بسر کر سکیں۔ برعکس اس کے حکومت کے مقرر کردہ قاضیوں کو ماننا اور ان سے کام لینا فی الحقیقت اس حکومت کے باختیار اور جائز ہونے کا اعتراف کرتا ہے"۔

یہ سوال ان تمام سوالوں سے اہم ہے جو اب تک مجلس وضع قوانین میں پیش ہو چکے ہیں لیکن اس کے متعلق کوئی صحیح نتیجہ اسی وقت اخذ کیا جا سکتا ہے جب اس سوال کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور و خوض کر لیا جائے پھر ان دس صوبجاتی حکومتوں سے بھی مشورہ لینا ضروری ہے جن میں ہندوستان تقسیم کر دیا گیا ہے۔ موجودہ وائسرائے کا دیانتدارانہ رویہ جس پر وہ سختی سے قائم ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گزشتہ غلطیوں کو تسلیم کرتے ہوئے حکومت کا مسلمانوں سے ہر قیمت پر انصاف کرنے کا عزم اس امر کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے کہ یہ الزام بھی انگریزی حکومت کے خلاف مسلمانوں کے عائد کردہ الزامات کی فہرست سے بہت جلد خارج ہو جائے گا۔

جنوبی بنگال کے مسلمانوں سے جس حقارت اور لاپروائی کا سلوک پچھلی نصف صدی سے ہو رہا ہے اس نے ہندوستان کی موجودہ ادبیات پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ مشرق کے سب فاتحین ہمارے مشرقی ماہانہ رسالوں اور کتب خانوں سے اس طرح خارج کر دیئے گئے ہیں جس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں سے۔ سابقہ کورٹ آف ڈائرکٹرز نے بڑی عقلمندی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہندو اور مسلمانوں کو اپنی عنایت سے یکساں طور پر نوازا تھا۔ ہندوستانی مخزن العلوم کے سلسلہ میں جس حیرت انگیز عربی اور فارسی دانی کا ثبوت دیا گیا تھا وہ اس وقت کی سیاسی غیر جانبداری کا ادنیٰ سا پہلو تھا مگر گزشتہ پچاس سال سے ہندو مسلمانوں کو حکومت کی ملازمتوں اور حکومت کے پیدا کردہ لٹریچر سے یکساں طور پر خارج کر رہے ہیں اور چھ سو پونڈ کی سالانہ رقم جو کورٹ آف ڈائرکٹرز ہندوستانی مخزن العلوم کے لئے دیا کرتے تھے۔ بنگال کی حاکمانہ نوازشات کی طرح یک طرفہ خرچ کر رہی ہے۔ 1847ء سے 1852ء تک ڈائرکٹر روئر (Roer) کے زمانے میں غیر آریائی علوم کے متعلق کوئی خاص کام نہیں ہوا تھا لیکن ڈاکٹر اسپرنگر (Sprenger) کے مختصر عہد میں اس کا رد عمل بھی شروع ہو گیا اور نہایت ہی اہم کتابیں شروع کی گئیں جو آج تک نامکمل پڑی ہیں۔

ڈاکٹر ہورسن ہیمن ولسن کی سنسکرت دانی کے ذوق و شوق نے اس امداد کا عربی ادبیات پر خرچ ہونا برداشت نہیں کیا۔ ان کے سمجھانے بجھانے پر کورٹ آف ڈائرکٹرز نے ایک فرمان جاری کیا کہ ہندوستانی مخزن العلوم کی تمام کوششیں ہندوستانی مباحث پر مذکورہ ہونی چاہئیں ورنہ 600 پونڈ کی سالانہ آمدنی بند کر دی جائے گی۔ اس وقت شاید یہی بہتر تھا کہ ایسے اخلاقی جرات رکھنے والے اور اپنے مضمون میں لائق ترین انسان کی بات عارضی طور پر مان لی جائے۔ کیونکہ ڈاکٹر ایچ۔ ایچ ولسن ہی نے موجودہ سنسکرت ادبیات کی بنیاد رکھی جس پر اب ماکس ملر (Max Muller) استادانہ کام کر رہا ہے اور ایسی شاندار اور ضیاپاش عمارت کے بلند سے بلند درجے تعمیر کر رہا ہے کہ اس سے پہلے کسی عالم نے ایسی کوشش نہیں کی تھی پھر گولڈ اسٹوئکر (Gold Stücler) اور اوفرسٹ (Awfrceet) فیرزوورڈہال (Word Hall Fetzed) اور میور (Muir) ایسے فضلا اس کی بنیادوں کو اور زیادہ مضبوط کر رہے ہیں اور اس کے پشتوں اور بازوؤں کو مستحکم سے مستحکم تر بنا رہے ہیں تاکہ یہ خوبصورت عمارت بقائے دوام حاصل کر لے۔

مگر عربی علوم کے ماہرین کا ایک چھوٹا سا گروہ ابھی تک اپنی جگہ پر قائم ہے اور اپنی حیثیت کے آخر دم تک مدافعت کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ کورٹ آف ڈائرکٹرز نے ہر اس کام کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا تھا جو خالص ہندوستانی نہ ہو عربی علوم کے ماہرین اس معاملہ میں زیادہ کامیابی کے ساتھ جھگڑ نہیں سکتے تھے اس لئے انہوں نے عربی مباحث کو بالکل چھوڑ دیا اور اسلامی سلطنت کی فارسی ادبیات میں پناہ لی۔ سرہنری ایلٹ (Hnery Elliot Sir) سب باتوں سے بے پرواہ ہو کر اپنے کام میں مشغول رہا۔ مسٹر تھومس (Thomes)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسٹر ہیمنڈ (Hamnond) سرولیم میور (Sir Willium Muir) اور کچھ سول افسروں سے مل کر ایک شاندار جماعت بنالی۔ اس طرح جو کچھ دور دراز کے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے ان سے چھینا تھا انہوں نے مقامی حکومت سے حاصل کر لیا۔ 1855ء میں شمال مغربی صوبجات کے لفٹننٹ گورنر نے حکومت کے خرچ پر فارسی مسودات کو جمع کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ ایک ہی کوشش میں سرہنری ایلٹ (Sir Hnery Elliot) کی تصانیف جو مسٹر تھامس اور پروفیسر ڈوسن (Dowson) اور مسٹر ہیمز کی قابل تعریف مگر ذرا بے پروا ادارات میں شائع ہوئیں وہ ترقی کی طرف بہت بڑا قدم سمجھی جاتی تھیں۔ پھر لکھنؤ کے اسلامی مطابع بھی ہر سال مختلف قسم کی کتابیں شائع کر رہے ہیں گو ان کی طباعت پر اچھی طرح غوروخوض نہیں کیا جاتا۔ کرنل ولیم نساولیز (Less William Nassau) نے اپنا تمام اثر و رسوخ اور علم اس تحریک کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اور انڈیا آفس کے نئے لائبریرین نے ڈاکٹر روسٹ (Rost) کی ذات میں مستشرقین کو ایک ایسا نایاب فاضل ہاتھ آگیا ہے جس میں بہت سی علوم و فنون کے ساتھ دقیق نظری اور کامل اعتمادی جمع ہو گئی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کا ردعمل نمایاں ہے اور مسٹر بلوک مین کی شخصیت میں ایک ایسا فاضل پیدا ہو گیا ہے جس کی محنت' ذہانت اور مشرقی علوم کی تحصیل کا شوق پرانے زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔

میں نے مسلمانوں کی عرضداشت اور حکومت برطانیہ کے خلاف ان کی شکایات کو بیان کر دیا ہے۔ بددیانتی اور مخصوص ناانصافیوں کے الزامات کے متعلق کاروائی کرنے کو بغیر کسی خدشہ کے حکومت پر چھوڑا جا سکتا ہے ایسی حکومت جو گزشتہ دو سال سے متواتر بداعتمادی اور اس کے اسباب کو دور کرنے کے لئے اپنے اخلاص کا اظہار کر رہی ہے مگر عام لاپروائی کے غیر معقول الزامات کے متعلق میں کچھ نہ کچھ ضرور کہوں گا اگر ہم ان الزامات کا تجزیہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارا طریقہ تعلیم ہی ان سب باتوں کی جڑ ہے۔ مسلمانان بنگال کامیاب زندگی بسر کرنے یا حکومت کی سرپرستی میں مناسب حصہ حاصل کرنے کی اس وقت تک کوئی امید نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہ کریں اور وہ اپنے آپ کو اس وقت تک اس قابل نہیں بنا سکتے جب تک ہمارے سکولوں میں ان کی تعلیم کا بہتر انتظام نہ کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے لئے جو تبدیلیاں درکار ہیں وہ بالکل آسان اور کم خرچ ہیں۔ ان کے متعلق کچھ کہنے سے پیشتر اس کوشش کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اب تک ہم نے اس سلسلہ میں کی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگریزوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے متعلق اپنے فرائض کی ادائیگی کامیابی سے نہیں کی اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تکالیف اور ناکامیوں کو بھی بیان کر دیا جائے جو ان کو اپنے فرائض کو پورا کرنے کی کوشش میں پیش آئیں۔ گزشتہ ڈیڑھ سال سے ہم کلکتہ میں ایک اسلامیہ کالج حکومت کے خرچ سے چلا رہے ہیں[1]۔ رفاہ عامہ کی دوسری کوششوں کی طرح جو انگریزوں نے کیں اس کی بنیاد بھی وارن ہیسٹنگز ہی نے رکھی 1781ء میں گورنر جنرل نے اس تبدیلی کو محسوس کرتے ہوئے جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے متعلق لامحالہ ہونے والی تھی یہ کوشش کی کہ ان کی پیش از وقت اس [illegible] جوں جوں بڑے بڑے مسلمان خاندانوں کی مالی حالت کمزور ہوتی گئی اسی تناسب سے ان کی طاقت بھی کم ہوتی گئی جس سے وہ اپنی اولاد کو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں کے لئے تعلیم دلا سکتے تھے۔ ان کو زیادہ مواقع بہم پہنچانے کے لئے وارن ہیسٹنگز نے دارالخلافہ میں ایک اسلامیہ کالج کی بنیاد رکھی اور مصارف کے لئے ایک جاگیر بھی ہمیشہ کے لئے وقف کر دی لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ اس کا انتظام مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ لہٰذا اس میں آج بھی فارسی اور عربی پڑھائی جاتی ہے حالانکہ بہت عرصہ ہوا فارسی و عربی کے ذریعے سرکاری ملازمت سے روٹی کمانا ناممکن ہو گیا ہے اس کالج میں ہر قسم کی بدعنوانیاں جاری ہیں۔ جن کو دیکھ کر 1819ء میں ایک اور کوشش کی گئی اور وہ یہ کہ اس ادارے کو وقت کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق بنا دیا جائے چنانچہ انگریزی تعلیم کے لئے ایک درجہ اور کھولا گیا مگر بدقسمتی سے پھر جلد ہی اسے توڑ بھی دیا گیا۔ تین سال بعد ایک اور زیادہ مستقل کوشش کی گئی مگر اس کے نتائج بھی غیر تسلی بخش رہے۔ اس کے بعد چوتھائی صدی تک اس کالج کی قسمت وہی رہی جو پوری مسلمان قوم کی ہے مطلب یہ ہے کہ اسے بالکل فراموش کر دیا گیا۔ پھر اگر مقامی حکومت کبھی اس کے متعلق لب کشائی کرتی بھی ہے تو اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اسے بند کر دینے کے لئے بے چین ہے۔

آخر 1851ء اور 1853ء کے درمیان حکومت اس ضرورت کی طرف متوجہ ہوئی کہ اس ادارے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیئے۔ جو اب عام بدنامی کا باعث ہو رہا

---

[1] جو بنگال میں مدرسہ کے نام سے مشہور ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اس وقت جو تجاویز پیش کی گئی تھیں[1] ان کا لب لباب یہ تھا کہ کالج کو دو شعبوں میں تقسیم کر دیا جائے اس کے نچلے درجے میں جس کا نام اینگلو پرشین برانچ تھا۔ اردو فارسی اور درمیانہ درجہ کی انگریزی تعلیم ہو[2]۔ اور اونچے درجہ میں صرف عربی کی۔ اس تجویز کے عیوب جلد ظاہر ہو گئے جس وقت نوجوان خالص عربی جماعت میں جاتے تھے تو جو کچھ انہوں نے نچلے درجے کی متفرق شعبے میں پڑھا ہوتا بالکل بھول جاتے۔ 1858ء میں اس سلسلہ کے نتائج کو اس طرح بیان کیا گیا "کالج نے بہت تھوڑے فاضل پیدا کئے ہیں اور اگرچہ وہ اپنے محدود دائرے میں اچھے ہیں مگر عام یا سرکاری ملازمتوں کے مقابلہ میں جگہ پانے کے ناقابل لہٰذا وہ ایک ایسی جماعت بن گئے جو متعصب' مغرور' مایوس اور غدار نہیں تو ناراض ضرور تھی[3]۔

اس کالج کی اصلاح کے لئے پھر ایک کوشش کی گئی تھی جس میں سال دو سال کے لئے تھوڑی بہت کامیابی ہوئی مگر تھوڑے ہی دنوں میں وہ پرانی حالت پر آگیا۔ 1869ء میں بنگال گورنمنٹ نے ایک کمیشن جو ابھی تک اپنے اجلاس منعقد کر رہا ہے اس غرض سے مقرر کیا کہ اس کی کمزوریوں کے اسباب کی تحقیقات کرے حقیقت یہ ہے کہ اسلامیہ کالج نے اپنے طلباء کو نہ تو یونیورسٹی کے لئے تیار کیا اور نہ زندگی میں سرگرم حصہ لینے کے لئے جیسا کہ موجودہ زمانہ کے مشہور مصلح نے کہا ہے اس تمام طریقہ نے ان کو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنائے رکھا ہے۔ صرف عربی کے طالب علم ہونے کی وجہ سے وہ اس انگریزی تعلیم کے فوائد سے بھی محروم ہو جاتے ہیں جو پہلے ان کو دی جاتی ہے۔ کیونکہ کالج میں انگریزی تعلیم کو جاری رکھنے کا کوئی انتظام نہیں۔ پھر جو تھوڑی بہت انگریزی انہوں نے پڑھی تھی وہ چند ہی دنوں میں ان کے دل سے محو ہو جاتی ہے۔

---

[1] مرتبہ مسٹر جے آر کولون۔ وہ شریف آدمی تھا جس کو مسلمان قوم کا اعتماد حاصل تھا اور وہ اپنی فارسی اور عربی دانی کی وجہ سے اس کا مستحق بھی تھا۔ مسٹر تھامسن کے مرنے کے بعد وہ شمال مغربی صوبجات کا لفٹننٹ گورنر بن گیا تھا اور غدر کے زمانہ میں آگرہ میں مر گیا۔

[2] کلکتہ یونیورسٹی کے معیار انٹرنس تک۔

[3] مسٹر ای سی بے جس کی تحریروں سے میں نے بہت سے خیالات اس باب میں نقل کئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب میں اس امر کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس قدر مخلصانہ کوشش سے اس قدر افسوسناک نتائج کیوں برآمد ہوئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ شروع ہی سے اس کالج کی نگرانی بالکل ناقص تھی حتیٰ کہ اس تھوڑے سے وقفہ میں بھی جب ایک انگریز پرنسپل کام کرتا تھا اس کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا کیونکہ اس کا تقرر اور اس کا اختیار محض نمائشی تھا۔ وہ اصل میں بعض دوسرے اہم محکموں کا انچارج تھا اور بنگال کے سب سے بڑے اسلامیہ کالج کے پرنسپل کا اعزازی عہدہ اس کے نام سے وابستہ کرتے ہوئے اس کی سابقہ تنخواہ میں معمولی سا اضافہ کر دیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر موجودہ پرنسپل کا اصلی عہدہ سیکرٹری بورڈ امتحانات کا ہے اس کو پریذیڈنسی کے تمام فوجی افسروں کا امتحان لینا پڑتا تھا جو اپنے عہدوں پر تقرر حاصل کرنے کی قابلیت کے لئے سول عہدہ داروں کے ساتھ جو اعزازاً[1] دیسی زبان سیکھتے ہیں تعلیم حاصل کرتے تھے وہ حکومت کے محکمہ داخلیہ کا قائم مقام اسسٹنٹ سیکرٹری اور مترجم بھی ہے اور اس کے علاوہ ایسے کام بھی کرتا ہے جو وقتی طور پر اس کے سپرد کر دیئے جائیں۔ مثلاً کسی کمیٹی یا حکومت کی طرف سے متفرق تحقیقات۔ مگر اس کے علاوہ وہ محمڈن کالج کا پرنسپل بھی ہے لیکن وہ اپنے فرائض کے اس حصے کو کتنے بھی انہماک سے کیوں نہ ادا کرے اس نظام سے کسی مستقل فائدے کی امید رکھنا عبث ہے۔

کالج کا اندرونی نظام اس سے بھی بدتر ہے۔ ایک قابل اور سرگرم فاضل ایک ادنیٰ شعبہ کا صدر ہے لیکن اس کا اختیار اس جگہ پر آکر ختم ہو جاتا ہے جہاں اس قسم کی نگرانی کی سخت ضرورت ہے یعنی اعلیٰ عربی محکمہ میں۔ یہ وہ محکمہ ہے جہاں پر تمام ادارے کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ اس کا انتظام ملک کے مولویوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ متذکرہ بالا حضرات میں سے ایک کو باقی تمام استادوں پر فوقیت حاصل ہے اور اس کو ہیڈ مولوی کہتے ہیں مگر اس کے بعد کوئی نظام قائم نہیں کیا گیا۔ نہ استاد اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اس ہیڈ مولوی کا سارا وقت اپنے درجے میں گزرتا ہے[1]۔ سکول میں کوئی ماہانہ یا سہ ماہی امتحان نہیں ہوتا۔ نہ کسی درجے کا روزانہ یا ہفتہ وار معائنہ۔ اندریں حالات صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کا انتظام کسی فائدے کا موجب نہیں ہو سکتا پرنسپل کو یہ فرصت نہیں کہ صحیح معنوں میں درس گاہ کی نگرانی کرے۔ کیونکہ اسے اور بھی بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں۔ اور ہیڈ مولوی نے بھی نگرانی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس روش کے عملی نتائج عیاں ہیں۔

---

[1] ممکن ہے کہ کمیشن کے تقرر نے ان حالات اور آئندہ بیان کردہ حالات کو بدل دیا ہو۔ مگر میں اپنے بیانات کی سچائی کی ضمانت دینے کے لئے تیار ہوں کمیشن کے تقرر سے پہلے کالج کی یہی حالت تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بے احتیاطی سے بنگال کے مسلمان نوجوانوں میں جو نقص پیدا ہو گئے ہیں ان میں مبالغہ کرنا ممکن ہے۔ ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک نسل گزری جب ہم نے ہگلی کے وقف میں بددیانتی کی تھی اور اب کلکتہ کالج ہی ایک ایسا ادارہ ہے جہاں وہ بہت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی امید رکھ سکتے ہیں ہم نوجوان مسلمانوں کی ایک جماعت کی جو تعداد میں سو سے کم نہیں ہوتی ایک عیاش مشرقی دارالخلافہ میں جمع کر دیتے اور اجازت دیتے ہیں کہ وہ سال تک برے سے برے اثرات قبول کر لے ان کے چال چلن کی نگرانی نہیں کی جاتی ان کے ماحول میں باعزت اثرات کی کوئی مثال نہیں ملے گی۔ آخرالامر زندگی کے کسی شعبہ میں عملاً حصہ لینے کے قابل بنائے بغیر انہیں گاؤں میں واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ ان طلباء میں سے اسی فیصدی متعصب اور وہابی اضلاع سے آتے ہیں[1] بنگال کے زیادہ وفادار حصوں کے نوجوان اس کالج میں اس لئے نہیں آتے کہ انگریزی تعلیم کے بغیر اچھی آمدنی کی ملازمت بہت مشکل ہے۔ یہ طالب علم اپنے لڑکپن کا زمانہ بے اطمینانی کے ماحول میں بسر کرتے ہیں ان میں سے بہت سے غریب ہوں گے اور جب کلکتہ آئیں گے تو انگریزوں کے خانساماؤں کے گھروں میں پڑے پڑے ان کی خیرات پر بسر اوقات کریں گے[2]۔ یہ خانساماں لوگ مسلمانوں میں کافی مال و دولت رکھتے ہیں۔ اور ادنیٰ ملازمین کی اس دبی ہوئی گستاخانہ ذہنیت کے ساتھ جو غلام قوم کا خاصہ ہے اپنے آقاؤں کی ان کی پیٹھ پیچھے تحقیر کرتے رہتے ہیں۔ پنجاب علم کی عمر بالعموم سولہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی گو بعض کی بیس سال سے اوپر ہے۔ لیکن مجھے بتلایا گیا ہے کہ ان میں تیس برس کے طالب علم بھی ہوں گے یہ طلباء جن خانساماں کے پاس رہتے ہیں وہ ان کی امداد سے مذہبی ثواب ہی حاصل نہیں کرتے بلکہ اکثر اپنی لڑکیوں کو بہت سا جہیز دے کر انہی مسلمان طلباء سے ان کا نکاح بھی کر دیتے ہیں۔ نوجوان طلباء معمولی زمیندار گھرانوں سے آتے ہیں۔ وہ انگریزی یا سائنس کی کچھ پروا نہیں کرتے انہیں فارسی کا بھی زیادہ خیال نہیں ہوتا وہ صرف عربی صرف و نحو اور قوانین کی اصطلاحات کو رٹتے رہتے ہیں۔ گھروں میں ان کے کام چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں ہل چلانا یا کشتی رانی کرنا ہے۔ وہ دہانہ گنگا کے زمینداروں کی اکثر زبان میں گفتگو کرتے ہیں جس کا سمجھنا کلکتہ کے مسلمان کے لئے ناممکن ہے۔

---

[1] اکثر نیت چٹاگانگ، ساندوپ اور شاہبازپور سے آتی ہے۔

[2] خانساماں غریب طالب علموں کو اپنے پاس رکھتے ہیں اور اس کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں اس طرح پر کھانے پینے اور رہنے سہنے کو جاگیر کہتے ہیں یہ وہ نام ہے جو اسلامی سلطنت کے فوجی تعلقے کو دیا جاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ اس مسلمان طالب علم کا نقشہ ہے جو ابھی ابھی کالج میں داخل ہوا تھا وہ چند سال میں اپنی وحشیانہ عادات کو چھوڑ دیتا ہے اور اپنی داڑھی ترشوا کر شریعت اسلامی کے عالم ہونے کی حیثیت سے جلوہ گر ہوتا ہے ہماری فیاض حکومت سو میں سے اٹھائیس کو وظیفہ دیتی ہے اس طرح ہر طالب علم کو جو تھوڑا بہت کام بھی کرے جلدی یا بدیر وظیفہ مل جاتا ہے۔ اس اثناء میں جو طالب علم زیادہ ہوشیار مگر کم محنتی ہوں گے وہ معمولی سا تجارتی کاروبار بھی شروع کر دیں گے۔ ان کا زیادہ بہتر حصہ بغلوں کے اندر کتابیں دبائے کلکتہ کے بازاروں میں پھرتا ہے وہ اپنی وظیفہ خوارانہ حیثیت اور ناداری کو بھولتے ہوئے انہی خانساماؤں سے جن کے طفیل ان کی زندگی بسر ہوتی ہے اسی تعظیم و تکریم کا مطالبہ کرتے ہیں جو ایک عالم دین کی ہونی چاہئے قانیوں کی تنگ نظرانہ برطرفی کی وجہ سے اسلام کے شخصی قوانین کا نفاذ غیر تربیت یافتہ کارکنوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ کالج کے طالب علم ادنیٰ طبقہ کے مسلمان گھرانوں میں نکاح خوانی کرتے اور وراثت کے قضیے حل کرتے پھرتے ہیں۔ وہ ہدایہ اور جامع العروض کے مطابق غلط سلط فتوے فروخت کرتے پھرتے ہیں۔

محمڈن کالج کے ان نادار طلباء سے بڑھ کر نوجوانوں کی کوئی جماعت صحیح رہنمائی کی محتاج نہیں۔ جس قسم کی راہنمائی ان کو میسر ہے اس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ ہماری تربیت کا یہ انداز ان کو ہر سال اپنے محدود طریقہ تعلیم پر اور زیادہ مطمئن ان کے اخلاق کو اور زیادہ معیوب اور زندگی کے کسی شعبے میں سرگرمی سے حصہ لینے کے اور زیادہ ناقابل اور ہماری حکومت کے خلاف اور زیادہ بیوفائی کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ انگریزوں کی صورت سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ جب یہ نقائص زبان زد خاص و عام ہوئے تو لامحالہ ایک مستقل انگریز پروفیسر کا تقرر ضروری ہو گیا جسے رات کی تاریکی میں نہایت خاموشی کے ساتھ کالج کے اندر لانا پڑا[1]۔ نوے سال سے زیادہ عرصہ ہوا۔ یہاں کافروں کے خلاف جہاد کی پسندیدہ تعلیم دی جا رہی تھی۔ 1868ء یا 1869ء تک (صحیح تاریخ کا مجھے علم نہیں) امتحان کے سوالات باقاعدگی سے اسی اصول جہاد پر آیا کرتے تھے ایک باغیانہ تعلیم دینے والی مسجد اسی کالج کے سایہ میں پرورش پا رہی ہے[2]۔ یہ طالب علم

---

[1] مسٹر بلوک مین۔ بدقسمتی سے انگریز پروفیسر جو وہاں رہتا ہے اس کو عربی کے اعلیٰ محکمہ پر کوئی اختیار نہیں۔
[2] فرازی مسجد۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلکتہ میں باغیوں کی تمام مساجد میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ موجودہ ہیڈ مولوی اس عالم دین کے صاحبزادے ہیں جن کو 1857ء کے غدر نے نمایاں کر دیا تھا اور جنہوں نے اپنے جرموں کا خمیازہ اس طرح بھگتنا تھا کہ بحر ہند کے ایک جزیرہ میں تمام عمر کے لئے جلاوطن کر دیئے جائیں اس غدار عالم دین کا کتب خانہ جس کو حکومت نے ضبط کر لیا تھا اب کلکتہ کالج میں موجود ہے۔ پچھلے چند مہینوں میں اس کالج کے ایک مقیم انگریز پروفیسر نے ایک عرب کو نکال دیا تھا کیونکہ وہ یہاں مذہب کی تبلیغ کرنے آیا تھا۔ بالفاظ دیگر ان اصولوں کی جن کی بدولت ہمیں تین سرحدی لڑائیاں لڑنی پڑیں اور ہماری سلطنت میں سازش کا جال پھیلا ہوا ہے۔

اس قسم کی ہفت سالہ تعلیم کے بعد ہم مسلمان نوجوانوں کو انہی مشرقی صوبجات میں بھیج دیتے ہیں جہاں سے وہ آئے تھے۔ بدقسمتی سے اس سے بھی زیادہ افسوس ناک صورت حال کا بیان کرنا ابھی باقی ہے میں پچھلے دو سال کا ذکر نہیں کروں گا۔ جب کہ خاص کمیشن اپنا کام کر رہا ہے۔ مگر صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ریکارڈ پر ایسی شہادتیں بھی موجود ہیں کہ کچھ عرصہ ہوا چند لڑکے فاحشہ عورتوں کو کالج میں لے آئے[1]۔ ان میں سے تقریباً" چھبیس کو باقاعدہ الگ الگ کمرے ملے ہوئے تھے۔ گویا حکومت نے جو زمین ان کو رہنے کے لئے عطا کی تھی اسے بدکاری کے اڈوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ پھر ان عورتوں کے علاوہ جو کارلائل کے نزدیک ناقابل ذکر ہیں یہ طلباء فطرت کے خلاف ان خطرناک گناہوں میں بھی پھنسے ہوئے تھے جن کو عیسائیت نے یورپ میں بالکل نیست و نابود کر دیا[2]۔ مگر جن کا ارتکاب ہندوستان کے ہر شہر میں ابھی تک جاری ہے۔ پانچ چھ سالوں میں تین وارداتیں پکڑی گئیں۔ اصل میں کتنی وارداتیں ہوتی ہوں گی۔ ان کا علم کبھی نہیں ہو سکتا۔

---

[1] یہاں اس کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کرنل لیسی جو کالج کا وقتی پرنسپل تھا اس کا ذمہ دار نہ تھا اور اس کو ان فاحشہ عورتوں کا پتہ چلا تو اس نے ایسا انتظام کیا کہ پھر اس کا اعادہ نہ ہو سکے۔

[2] کیا منٹر صاحب کا ضمیر اس بات پر کسی قسم کی شرم کا احساس کئے بغیر مہر تصدیق لگا سکتا ہے مغربی راہبوں اور فوجیوں میں یہ شناخت عام رہی ہے۔ قدیم یونانی اور رومی اقوام میں یہ عمل ہنر کی حد تک مستحسن تھا۔ لونڈوں کا اغوا باقاعدہ ہوتا تھا۔ اور جس لونڈے کا اغوا نہ ہو وہ بہت ہی بدنصیب سمجھا جاتا تھا ان سے باقاعدہ شادیاں ہوتی تھیں۔ ہیڈرین شہنشاہ روم کے لونڈے کے مجسمے اس کی موت کے بعد مندروں میں رکھے گئے ہیں اور پرستش کی گئی ہے۔ عالمگیر جنگ اول سے دو تین سال قبل غالباً ۱۹۱۲ء میں جرمنی کے چانسلر بولو جو قیصر ولیم کا قریبی رشتہ دار تھا۔ باقاعدہ مقدمہ چلایا گیا تھا۔ جرم خلاف وضع فطری تھا۔ ہنٹر صاحب کو اس بدنصیب بنگالی طلبہ کا جرم کھٹکتا رہا۔ لیکن وہ اپنے ہم عصر اور ہم وطن اوسکر وائلڈ کو بھول گئے جس نے اس جرم کی آرٹ کی حد تک پیروی کی تھی۔

حال ہی میں یعنی 1953ء میں ایک انگریز جج نے اپنا سر پیٹا ہے اور اس کا بیان ہے کہ صرف ایک سال میں اس کی عدالت میں خلاف فطری جرم کے پانچ سو مقدمات دائر ہوئے ہیں اور ہوم سیکرٹری مسٹر میکس ویل (David Maxwell Fyfe Mr.) نے اصلاح کے لئے پارلیمنٹ میں ایک شاہی کمیشن کا مطالبہ کیا ہے۔ (پاکستان ٹائمز 10 دسمبر 1953ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان طلباء میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ کوشش کریں گے کہ ضرور اپنے آپ کو بہتر بنا سکیں لیکن ان کے لئے بھی کوئی ایسا انتظام نہیں ملے گا جو کسی صحیح یا کار آمد عملی تعلیم کا ذریعہ بن سکے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پڑھائی کا روزانہ وقت بہت ہی کم رکھا گیا ہے۔ مقررہ وقت دس بجے سے دو بجے تک ہے۔ جس میں سے بیس منٹ تو اس کام کے لئے وضع کر لینے چاہئیں۔ جو استادوں اور شاگردوں کے حقہ پینے میں گزرتا ہے اور جسے کالج کی خاص اصطلاح میں عصائے موسیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور آدھ گھنٹہ حاضری کے لئے کیونکہ یہ رسم دن میں دو دفعہ ادا کرنی پڑتی ہے اس لئے کہ بہت سے طالب علم بارہ بجے کے بعد ہی چلے جاتے ہیں۔ جو طلباء زیادہ محنتی ہوتے ہیں وہ کالج کے معمولی نصاب کے علاوہ مسلمانوں کے نجی اسکولوں میں بھی دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن کالج سے باہر کی یہ تعلیم احادیث اور متعصب بنانے کی پرانی فقہ پر مشتمل ہوتی ہے اور نوجوانوں کے دماغ پر ہمچوما دیگرے نیست کا خیال پیدا کر رہی ہے خود کالج کی چار دیواری میں معمولی معمولی مسئلوں پر انتہائی اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب ایک مقیم انگریز پروفیسر کو شام کی گشت میں لڑکوں کے کمروں سے شوروغل کی آوازیں سنائی دیں۔ "تمہارا ایمان ٹھیک نہیں" اور اسی قسم کے بہت سے جملوں کی آواز برآمدے میں پہنچ رہی تھی معلوم ہوتا تھا ہر طرف سخت لے دے ہو رہی ہے۔ پروفیسر اسی وقت موقعہ پر پہنچ گیا اور جب اس نے شوروغل کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ کسی طالب علم نے فقہ کی کتاب میں پڑھا تھا کہ نماز میں دونوں ایڑیاں ملی ہونی چاہئیں۔ ورنہ اس سے دین اور دنیا میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس پر وہ لوگ جو ایڑیاں کھول کر نماز پڑھتے تھے اس نئے طرز کے حامی کو بدترین ملحد کہنے لگے۔ لہٰذا اس کے جواب میں وہ اس کے چند ساتھی پرانے طرز والوں کو دوزخی اور جہنمی ٹھہراتے رہے۔

یہ طلباء کالج کے استادوں سے ہر روز زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔ ایک شخص نے جو عملی طور پر ان سے واقف ہے مجھ سے ذکر کیا کہ اصل پڑھائی صرف اڑھائی گھنٹے ہوتی ہے گھر پر کسی قسم کی تیاری کرنا جانتے ہی نہیں۔ یوں بھی یہ بات مسلمانوں کے اصول کے خلاف ہے[1]۔ ہر استاد ایک عربی فقرہ پڑھتا ہے پھر اس کے

---

[1] مشکل یہ آپڑی ہے کہ ہنٹر صاحب اب ایسے معاملات پر رائے زنی کرتے ہیں جن سے، وہ محض نابلد ہیں۔ درس نظامیہ کے رو سے طالب علم کے دو بڑے فرض ہیں پہلا پچھلے سبق کی تکرار اور دوسرا دہرانا۔ یاد کرنا وغیرہ اور دوسرا آئندہ سبق کا مطالعہ کرنا جس سے طالب علم کو سبق آئندہ کی اشکال کا قبل از وقت احساس ہو جائے اور استاد سے دریافت کرنے کے لئے تیار رہے۔ (مترجم)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے دوسرے تیسرے لفظ کے معنی بتلاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ آخری فقرے تک پہنچ جائے جو طالب علم محنتی ہوگا وہ استاد کے بتلائے ہوئے معنوں کو بین السطور میں لکھتا جائے گا اور پھر تھوڑا تھوڑا کر کے فقرے کے معنی اور شرح کو حفظ کر لے گا۔ ان کے لئے گھر پر لغت کے استعمال کا طریقہ بتلانا یا فقرے کے معنی ازخود دریافت کرنے کی ترغیب دینا ایک بالکل اجنبی ایجاد ہے جو شاید ان کے مذہب کے لئے بھی خطرناک ہو بہرحال کلکتہ کالج میں اس طریقہ درس کو کوئی نہیں جانتا سات سال کے بعد طالب علم کو چند کتابیں حفظ ہو جاتی ہیں یعنی ان کا متن اور ان کی شرح اگر ان کے محدود نصاب سے باہر کوئی معمولی سی تحریر بھی ان کے سامنے آجائے تو وہ اس کو بالکل نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اس امر سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ تعلیم ہر اس چیز کے متعلق جو انہوں نے حاصل نہیں کی ناقابل برداشت حقارت پیدا کر دیتی ہے ان کا کچھ نہ جاننا ہی ان کو زیادہ خود پسند بنا دیتا ہے وہ اس کو قطعی حقیقت سمجھتے ہیں کہ عربی صرف و نحو، فقہ، علم انشا اور منطق ہی دنیا میں پڑھنے کے لائق ہیں۔ انہوں نے یہی پڑھا ہے کہ دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں میں پہلے عرب تھے۔ پھر انگلستان، فرانس اور روس، مکہ، مدینہ اور قاہرہ کے بعد دنیا کا سب سے بڑا شہر لندن ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ انگریز کافر ہیں اور اگلی دنیا میں اپنے آپ کو دوزخ میں پائیں گے جن طلباء میں اتنی فراست جمع ہو جائے وہاں اور کیا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے پرنسپل نے جب سائنس کا ایک ناپاک مضمون رائج کرنا چاہا اور وہ بھی انہی کی زبان یعنی اردو میں تو کیا وہ اس پر پتھر اور بوسیدہ آم پھینکنے میں حق بجانب نہ تھے۔

میں نے اس تکلیف دہ تفصیل کو اس لئے بیان کیا ہے کہ اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور اب جبکہ حکومت مسلمانوں کو تعلیم دینے کی ضرورت کے معاملے میں واقعتہً بیدار ہو چکی ہے اس کو چاہئے کہ ایسے طریقوں سے پرہیز کرے جن کے ماتحت اس کی سابقہ عظیم الشان کوششیں خاک نامرادی میں مل گئیں۔ کلکتہ کا محمڈن کالج عملی طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا گیا ہے اور یہ انہی کے انتظام کا نتیجہ ہے کہ وہ اتنا بدنام اور بے وقعت ہوا۔ مسلمان کی انحطاط پذیر قسمت کے ساتھ شروع میں ہماری ہمدردی اور بعد میں لاپروائی نے حکومت کو اس ادارے میں دخل انداز ہونے سے روکے رکھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ ادارہ بالکل ناکارہ ہے مگر اس کے باوجود کوئی فیصلہ نہ کر سکی کہ اس کو کس طرح سدھارا جائے۔ سو سال کے ہندوستانی انتظام نے اس نظام کو مسلمانوں کی ضروریات کے مطابق بنانے کی بجائے اس کو ان بدگمانیوں کے مطابق بنا دیا ہماری سب سے بڑی غلطی یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ہم نے محمڈن کالج کا انتظام بہت کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہنے دیا۔ یہاں تک کہ 1819ء میں مندرجہ بالا سب باتیں صاف طور پر نظر آنے لگیں۔ مگر اس وقت کی حکومت امید کے خلاف یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ وقت آنے پر محض یورپین سیکرٹری کا نمائشی اختیار کافی ہوگا۔ گزشتہ بیس سال سے کالج کی اصلاح کے لئے دخل اندازی نارضامندی کا موجب ہوتی رہی اسی نے تمام کوششوں کو ناکام بھی رکھا۔ آخر کار جب پرنسپل کا تقرر ہوا بھی تو محض اعزاز و نمائش کے لئے پھر جب مقیم انگریز پروفیسر کی باری آئی تو اس کا احاطہ اقتدار اس شعبہ پر ختم کر دیا گیا جہاں اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ حکومت بہت تھوڑے خرچ کے ساتھ مسلمانوں کے جملہ طبقات کے لئے خاطر خواہ تعلیمی انتظام کر سکتی ہے۔ یہ نظام ادنیٰ وسطی اور اعلیٰ تعلیم پر مشتمل ہوگا۔ ادنیٰ تعلیم کے لئے ابتدائی سکولوں میں گرانٹ ان ایڈ کے قانون کا فیاضانہ استعمال کافی ہے۔ یہاں روپے کی اتنی ضرورت نہیں جتنی مسلمانوں کی خاص ضروریات کے خیال کی۔ حکومت نے بڑی عقلمندی سے اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ وہ ان سکولوں کی امداد نہیں کرے گی جو ایک دوسرے سے پانچ میل سے کم فاصلہ پر ہوں گے۔ کیونکہ اس قسم کی امداد حکومت کو نقصان پہنچا کر بے فائدہ رقابت پیدا کر دے گی۔ چالاک ہندو اس میں بھی دیگر امور کی طرح سب سے پہلے میدان میں موجود ہے اس نے تمام ملک میں ایسے سکولوں کا جال پھیلا دیا ہے جو اس کی ضروریات کے عین مطابق ہیں اور مسلمانوں کی ضروریات کے بالکل خلاف۔ اس لئے پانچ میل کے قانون کو ذرا نرم کر دینا چاہئے تاکہ ان اسلامیہ سکولوں کو گرانٹ مل سکے جو ہندوؤں کے سکول سے اس فاصلہ کے اندر واقع ہوں۔ جہاں علیحدہ اداروں کی ضرورت نہیں وہاں سکولوں میں ایک تنخواہ وار مسلمان استاد مقرر کر دینا چاہئے۔ اس قسم کے مسلمان استاد پانچ شلنگ ہفتہ پر مل سکتے ہیں۔

جہاں تک متعصب مشرقی اضلاع کا تعلق ہے میرے خیال میں حکومت کے لئے یہ امر ازحد مفید ثابت ہوگا کہ وہ مسلمان کاشتکاروں تک پہنچنے کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کرے۔ ایک وقت میں ایسا محکمہ ہندوؤں کے لئے بھی ضروری خیال کیا گیا تھا۔ لارڈ ہارڈنگ نے ان اضلاع میں تعلیم پھیلانے کے لئے بہت سے سکول کھولے تھے جہاں ایسے سکول جاری نہ ہو سکے تھے۔ جو اپنا خرچ خود برداشت کر سکیں۔ [illegible] اس طرح کے صرف اڑتیس سکول بنگال کے تعلیمی حلقے میں میرے ہی ماتحت تھے ان پر گورنمنٹ کے 1100 پونڈ سالانہ خرچ ہوئے۔ فیس ان کے علاوہ تھی۔ جس کی کل رقم [illegible]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی ظاہر ہے کہ یہ سکول گو اپنا خرچ برداشت کرنے کے ناقابل تھے۔ مگر ان سے جو فائدہ پہنچا اس میں مبالغہ کرنا مشکل ہے۔ جہاں کہیں بھی زمیندار بہت جاہل بہت غریب یا امدادی سکولوں کے جاری کرنے میں بہت زیادہ تعصب سے کام لیتے تھے وہاں عارضی طور پر ہارڈنگ انسٹیٹیوٹ قائم کر دی جاتی۔ پہلے پہل تو دیہاتی اپنی تعلیم مفت حاصل کرتے ہیں مگر جوں جوں تعلیم یافتہ جماعت پیدا ہوتی گئی اور وہ زیادہ تعلیم کی خواہش کرنے لگے تو اس وقت ان سے فیس لے لی جاتی تھی۔ اس طرح چند سال میں خود امدادی کا کچھ ذریعہ پیدا ہو جاتا۔ اب اس انسٹیٹیوٹ کی جگہ ایک ہائی سکول لے لیتا اور وہ ملک کے کسی دوسرے پس ماندہ علاقہ میں منتقل ہو جاتی۔ اس طرح تعلیم کا سلسلہ جنوب مغربی بنگال کے دور دراز جنگلوں میں رائج کیا گیا[1]۔

میرے خیال میں متعصب مشرقی اضلاع میں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے گرانٹ ان ایڈ کے قواعد اس آبادی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو موروثی طور پر ہماری حکومت سے متنفر اور ہمارے طریقہ تعلیم کے خلاف ہے۔ اگر ارزاں قسم کے پچاس سکول قائم کر دیئے جائیں جن میں کم تنخواہ لینے والے مسلمان استاد ہوں اور جن کے خرچ کا بہت سا حصہ حکومت خود برداشت کرے تو ایک ہی نسل میں مشرقی بنگال کے لوگوں کے رویہ میں تبدیلی ہو سکتی ہے اس قسم کے اداروں کو شروع میں بہت کم کامیابی ہوگی مگر آہستہ آہستہ وہ مسلمان زمینداروں کے نوجوان[2] لڑکوں ہی کو اپنی طرف نہیں کھینچیں گے بلکہ ان مسلمان استادوں کو بھی جو اب اپنے طور پر غیر معین روزی کماتے ہیں اور جن کے لئے حکومت کی طرف سے پانچ شلنگ ہفتہ کی زائد آمدنی بہت بڑی نعمت ثابت ہوگی۔ اس طرح ہم اس جماعت کو اپنا طرفدار بنا لیں گے جو اس وقت ہماری مخالفت میں سب سے پیش پیش ہے۔

یہاں تک تو مسلمانوں کی ادنیٰ تعلیم کے متعلق تھا۔ درمیانہ درجوں کی تعلیم میں اس سے بھی کم تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔ وہابی مقدمات کے انچارج افسر نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اضلاع کے گورنمنٹ سکولوں میں مولویوں کا تقرر ہونا چاہئے۔ یہ ذرا سی تبدیل ہی کافی ثابت ہوگی۔ مولوی عام مضامین کو اردو میں پڑھائیں گے اور اسے اچھی طرح

---

[1] 1965-55ء میں جنوب مغربی حلقہ میں 282 سکول تھے اور ان میں طالب علموں کی تعداد 16043 تھی۔

[2] میری رپورٹ کے وقت 66-1865ء میں 38 ہارڈنگ اور ماڈل سکول جنوب مغربی حلقہ میں تھے طالب علموں کی تعداد 62-1861ء کی 1431 سے 2034 ہو گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکھلا بھی سکیں گے۔ مزید برآں وہ طلباء کو فارسی سے روشناس کرا سکتے ہیں اور شاید تھوڑی سی عربی بھی پڑھا دیں۔ اضلاع کے گورنمنٹ سکولوں کو اختیار دینا چاہئے کہ مسلمان لڑکوں میں انگریزی سیکھنے کا شوق جس طرح چاہیں پیدا کریں۔

ان تبدیلیوں پر اگرچہ بہت ہی کم خرچ ہوگا لیکن مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کے ایک مکمل اور قابل تحسین نظام کے لئے حکومت کو ایک پائی بھی خرچ نہیں کرنی پڑے گی۔ وارن ہسٹینگز نے کلکتہ کے محمڈن کالج کے لئے ایک بہت بڑی رقم مقرر کر رکھی ہے پھر ہگلی کے عظیم الشان انسٹی ٹیوٹ کو اگر صحیح طریقے پر خرچ کیا جائے تو یہی روپیہ اس غرض کے لئے کافی ہوگا اس وقت تک ہم جو رقم بے ایمانی سے ایک انگریز کالج کے اخراجات پر صرف کر رہے ہیں اس کو دیانتداری سے اس کام پر خرچ کرنا چاہئے جس کے لئے واقف نے حقیقتہ" اسے وقف کیا تھا۔ کیا ایک اچھا کالج دو کالجوں سے بہتر نہ ہوگا؟ اس کالج کو کلکتہ میں ہونا چاہئے یا ہگلی میں جو کلکتہ سے چوبیس میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ جزئی باتیں ہیں جن کو بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ جیسا کہ اب دستور ہے تعلیم کا زائد حصہ مسلمان مولویوں کے سپرد ہونا چاہئے۔ البتہ ہر کالج میں ایک ایسے مقیم انگریز پرنسپل کی موجودگی ضروری ہے جو عربی سے بھی واقف ہو اور اس قابل بھی کہ اپنے ماتحتوں کی عزت کے ساتھ نگرانی کر سکے۔ اس عہدے کے لئے 1200 سے 1500 پونڈ سالانہ تنخواہ پر انگریزی یا جرمن یونیورسٹیوں سے کوئی نہ کوئی قابل آدمی مل سکتا ہے۔ یہ اعلیٰ تعلیم شعبوں پر منقسم نہ ہوگی جیسا کہ کلکتہ کالج میں دستور ہے اور جہاں اعلیٰ شعبہ میں پہنچ کر طالب علم ہر اس شے کو بھول جاتا ہے جو اس نے ادنیٰ شعبہ میں حاصل کی تھی۔ اس تعلیم کے لئے ایک اچھی طرح سے ترتیب دیا ہوا مسلسل نصاب ضروری ہوگا۔ عربی کا اعلیٰ شعبہ انگریزی عربی میں تبدیل کر دیا جائے اور وہ انگریزی فارسی کے ادنیٰ شعبوں میں نہایت آسانی سے ترقی کرتا ہوا تعلیم کے اعلیٰ درجات تک جا پہنچے گا۔ یہ امر بے شک مشکوک ہے کہ آیا اسلامی فقہ کی تعلیم بھی باقاعدہ ہونی چاہئے اور سب کے لئے لازمی۔ کیونکہ اسلامی فقہ کا مطلب مذہب اسلام ہے اور یہ وہ مذہب ہے جس کے پیرو تمام دنیا کو جائز طور پر اپنا مال غنیمت سمجھتے ہیں اور ان اسلامی سلطنتوں کی ذمہ داریوں سے قطعا" ناآشنا ہیں جو عیسائی حکومتوں کے ساتھ اتحاد رکھتی یا ان کے ماتحت ہیں۔

لیکن یہ امر بھی دانشمندی سے بعید ہوگا کہ فقہ کی تعلیم کو سرے سے اڑا دیا جائے کیونکہ اس کو موقوف کرنے سے مسلمانوں کی موجودہ نسل کے نزدیک کالج کی کوئی وقعت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ رہے گی پھر بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی فقہ کے پڑھانے کا اصلی مقصد یعنی مستند قاضی پیدا کرنا اب فوت ہو چکا ہے حکومت کو اس تعلیم کی ضرورت نہیں رہی اور نہ اس کے پڑھنے والے کو زندگی میں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اس کی مناسب تعلیم علیحدہ لیکچروں میں دی جا سکتی ہے بعینہ جس طرح ہندو قانون کی تعلیم کلکتہ یونیورسٹی میں دی جاتی ہے بالفعل فقہ کی روزانہ تعلیم کی جگہ عربی یا فارسی ادبیات کو دی جا سکتی ہے جہاں تک مغربی سائنس کا تعلق ہے اسے اردو زبان میں پڑھایا جا سکتا ہے۔

اس طرح ہم مسلمانوں کی ایک ایسی ترقی پذیر نسل تیار کر لیں گے جس کا علم اپنے ہی تنگ دائرے میں محدود نہ ہوگا وہ صرف اپنے قوانین کے تلخ اصولوں سے واقف نہیں ہوگی بلکہ ان میں سنجیدہ اور حقیقی مغربی علوم کی روح بھی پیدا ہو جائے گی اس کے ساتھ ساتھ اپنے مذہبی قوانین سے بھی اتنی واقفیت ضرور ہوگی جس سے اپنی قوم میں عزت کی جگہ پا سکیں۔ ان کی انگریزی تعلیم ان کو زندگی کے منفعت بخش شعبوں میں داخل ہونے کے لئے مدد دے گی۔

مسلمانوں کی ادنیٰ اور درمیانہ درجہ کی تعلیم پانے کے لئے ایک ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز مقرر ہونا چاہئے جو ان کا ہم مذہب ہو اس قسم کا افسر 20 پونڈ سالانہ پر مل سکتا ہے۔ اس کا پہلا فرض یہ ہونا چاہئے کہ وہ ان اسلامی مدرسوں اور کالجوں کا پتہ لگائے اور ان کے متعلق رپورٹ کرے جو ہندوستانیوں کے زیر اہتمام چل رہے ہیں۔ بہت سے ایسے مدارس اب تک گوشہ گمنامی میں پڑے ہیں جن کا ہمارے تعلیمی انسپکٹروں کو کچھ علم نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں سے بعض نے ابھی تک اچھا خاصا معیار قائم کر رکھا ہے پھر اگر ہم اس بات کا اندازہ بھی کر سکیں کہ وہ کس لائحہ عمل پر کاربند ہیں اور اس سے ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں تو اور زیادہ بہتر ہوگا میرا خیال ہے کہ وہ باقاعدہ انگریزی افسروں کی نگرانی پر کبھی رضامند نہ ہوں گے۔ پھر بھی ان میں بہت سے ایسے مدرسے بھی نکل آئیں گے جو اپنے ہم مذہب ڈپٹی انسپکٹر کے معائنہ پر راضی ہو جائیں۔ اور یہ گرانٹ ان ایڈ کی ایک آسان سی شرط ہوگی۔ اس طرح ہم بنگال کے باغیانہ اداروں کو اگر وفاداری کی طرف نہیں تو کم از کم امن و امان کی طرف ضرور مائل کر سکیں گے۔ فی الحال ان طفلانہ بے وقوفیوں کی بجائے جو مسلمان اپنے مدرسوں میں پڑھتے ہیں اچھی اور عمدہ کتابوں کا سلسلہ جاری کرنا چاہئے۔ کالجوں کو پورے اطمینان کے ساتھ ان کے انگریز پرنسپلوں کی ذمہ داری پر چھوڑ دینا چاہئے ان کے لئے کافی رقم موجود ہے۔ بشرطیکہ اس کا صحیح استعمال ہو سکے۔ حکومت کو بہرکیف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں ایک پائی بھی خرچ کرنا نہیں پڑے گی۔

اس طرح ہم مسلمان نوجوانوں کو اپنے خیال کے مطابق تعلیم دے سکیں گے پھر ان کے مذہب میں کسی قسم کی مداخلت کے بغیر دوران تعلیم میں ان کو اس بات کا موقعہ دیتے ہوئے کہ وہ اپنے مذہبی فرائض سے واقفیت پیدا کریں ہم شاید ان کے مذہب کو کم سچا ثابت نہ کر سکیں لیکن ان کے تعصب کو یقینی طور پر کم کر سکیں گے مسلمانوں کی یہ نئی نسل بھی اسی راستہ پر گامزن ہو جائے گی جس پر چل کر ہندو جو دنیا کی متعصب ترین قوم تھی اب فراخ دل ہو گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کا ایمان اب اتنا راسخ نہیں رہا۔ جتنا ان کے آباؤ اجداد کا تھا ان کی فراخدلی نے ان کو بالکل آزاد کر دیا ہے۔ بعینہٖ وہ مسلمانوں کو بھی ان کے مظالم کے ارتکاب اور مجرمانہ حرکات اور تکالیف کی کوفت سے آزاد کر دے گی جو انہوں نے ایک غلط مذہب کے نام پر روا رکھی ہیں۔ میں ان اعمال و افعال کو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ جن سے لاپروائی برت کر ہی ہندو اور مسلمان اعلیٰ عقیدے کو پہنچ سکتے ہیں۔ بہرحال مجھے کامل یقین ہے کہ وہ دن ضرور آئے گا جب ہمارا یہی طریقہ تعلیم جس نے اب تک الٹے اثرات پیدا کئے ہیں۔ اس مقصد تک پہنچنے کے لئے پہلا زینہ ثابت ہوگا گو اس کے نتائج بہت دیر میں ظاہر ہوں گے۔ دراصل اب تک ہندوستان میں انگریزوں کی کوشش صرف معمولی طور پر رسم و رواج توڑنے تک ہی محدود رہی۔

اس دوران میں حکومت کا فرض ہوگا کہ مسلمانوں کی بداعتمادی کو سختی کے ساتھ دور کرتی رہے اور ان کے لئے اس کا کوئی موقعہ پیدا نہ ہونے دے اسے ان کی رعایت بھی کرنی پڑے گی نہ صرف اس تباہی کی وجہ سے جو ہماری فتح اور حکومت کی تبدیلی کے باعث ان پر نازل ہوئی بلکہ اس لئے بھی کہ ہماری ہمدردی کے مفقود ہونے سے ان کی بربادی ناقابل برداشت اور آخری حد تک پہنچ گئی ہے۔ مسلمانوں کی بے وفا جماعت کے ساتھ اس کا رویہ اس قسم کا ہونا چاہئے کہ اس سے نہ صرف حکومت کے انصاف کی تعریف ہو بلکہ عام رائے میں بھی اسے قابل توصیف گردانا جائے۔ ایک قرار واقعی[1] مجرم کے خلاف بے سلیقہ رویہ نے روم کے فلسفی اور بہت ہی نیک نام شہنشاہ کی یاد پر صدیوں تک دھبہ لگائے رکھا تھا۔ اب تک ہم نے میدان جنگ کے سوا کہیں بھی کسی کا خون نہیں گرایا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہادت کے شوق سے وہابیوں کو فوج میں داخل ہونے کی بجائے

---

[1] جیلین (Jallian) کے ماتحت افریقہ کا وائسرائے نوری گوڈینیس اور مصر کا ظالم ڈیوک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہتوں کو اس سے منحرف کر دیا۔ اس وقت جب کہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں انگریزی فوج کو گوشت پہنچانے والا بدنام شخص[1] جس کو 1864ء میں موت کی سزا ہوئی تھی۔ اب پٹنہ میں اپنے ہم مذہب بھائیوں کے خلاف شہادت دے رہا ہے۔ اگر اس کی سزا پر عمل کیا جاتا تو ہر سال ہزاروں زائرین اس کی خانقاہ پر زیارت کے لئے آیا کرتے۔ ہر زمانہ میں مذہب کے لئے مرنا بدکرداری کی زندگی کو نیک نام کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ تاریخ ہمیں دہلی کے بوچڑ سے بھی زیادہ بدکردار فوج کو گوشت بہم پہنچانے والے کی قسمت حکومت کو ایسی سزا دینے پر متنبہ کر رہی ہے جسے اس کی مسلمان رعایا شہادت کی موت تصور کرے گی۔ حکومت اس واقعہ کو کبھی فراموش نہ کرے کہ کس طرح کپڈیشیا کا رہنے والا جارج جو مفت خوری کی ملعون زندگی بسر کرتا اور رومن فوج کو سنور کا گوشت بہم پہنچانے کا وعدہ پورا نہیں کر سکتا تھا ایک بے ایمان پادری کی زندگی بسر کرتے ہوئے بن مانگی موت کے باعث پرستش کا مستحق ٹھہرا اور سرزمین انگلستان میں جارج ولی[2] کے نام سے مشہور ہوا۔

---

[1] محمد شفیع [2] Saint George

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبر 1

مکہ کے علماء کا فتویٰ

سوال

آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ خدا آپ کے اقبال کو بلند کرے۔

کیا ملک ہندوستان میں جس کے حاکم عیسائی ہیں اور جو اسلام کے تمام احکام میں مداخلت نہیں کرتے۔ مثلاً" روزانہ نماز' عیدین کی نماز وغیرہ وغیرہ مگر اسلام کے بعض احکام چھوڑ دینے کو جائز سمجھتے ہیں مثلاً" وہ اس شخص کو اپنے مسلمان آباؤ اجداد کی جائیداد کا وارث قرار دیتے ہیں جو مرتد ہو گیا ہو اور عیسائی بن گیا ہو دارالاسلام ہے یا نہیں۔ مندرجہ بالا کا جواب دیں اور اللہ سے اس کا اجر پائیں۔

جواب نمبر(1)

(الحمد لله رب العلمين) سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔

(رب زدنی علما) خدا میرے علم کو بڑھائے!

"جبتک اسلام کے بعض مخصوص احکام جاری ہیں وہ دارالاسلام ہے" اللہ سب کچھ جاننے والا اور بے عیب ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

یہ فتویٰ اس شخص نے دیا ہے جو اللہ کی مخفی عنایات کا آرزو مند ہے۔ جو خدا کی تعریف کرتا ہے اور اس کے رسول پر درود بھیجتا ہے۔

دستخط جمال ابن عبداللہ شیخ عمر الحنفی مکہ معظمہ کا موجودہ مفتی

خدا اس پر اور اس کے باپ پر رحم فرمائے۔

جواب نمبر (2)

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو واحد ہے اور خدا ہمارے رسول اور اس کی آل اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے اصحاب اور اس پر ایمان لانے والوں پر رحمت فرمائے۔ (نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم والہ وصحابہ وذریاتہ اجمعین) اے خدا میں تجھ سے نیکی کا راستہ چاہتا ہوں۔ (اھدنا الصراط المستقیم)

"ہاں جب تک کہ اس میں اسلام کی بعض خصوصیات جاری ہیں' وہ دارالاسلام ہے"۔

خدا ہی سب کچھ جاننے والا ہے وہ بے عیب ہے اور سب سے بڑا ہے۔ یہ اس شخص نے لکھا ہے جو خدائے مہربان سے نجات کا طالب ہے خدا اس کو اور اس کے والدین کو اس کے استادوں کو اس کے بھائیوں کو اس کے دوستوں اور مسلمانوں کو معاف فرمائے۔

دستخط احمد بن زینی ولہم مکہ معظمہ کے شافعی مذہب کا مفتی

جواب نمبر (3)

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو ایک ہے اور خدا میرے علم کو بڑھائے۔

یہ امرد سو کی شرح میں مرقوم ہے کہ دارالاسلام اس وقت تک دارالحرب نہیں بن جاتا۔ جب وہ کافروں کے ہاتھ میں چلا جائے بلکہ اس وقت دارالحرب بنتا ہے جب اس میں اسلام کے تمام یا بہت سے احکام جاری نہ رہیں"۔

خدا عالم الغیب ہے خدا کی رحمتیں ہمارے رسول پر اس کی آل پر اور اس کے صحابہ پر نازل ہوں۔

دستخط بقلم خود حسین بن ابراہیم مالکی مذہبی کا مفتی مکہ معظمہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبر 2

شمالی ہند کے علماء کا فتویٰ

استفتاء: مترجمہ سید امیر حسین پرنسل اسسٹنٹ کمشنر بھاگل پور
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ:

"ہندوستان میں جہاد جائز ہے؟ یہ ملک پہلے مسلمان بادشاہ کے ماتحت تھا اور اب عیسائی حکومت کے زیر اقتدار ہے۔ یہ عیسائی بادشاہ اپنی مسلمان رعایا کے مذہبی فرائض میں مداخلت نہیں کرتا۔ مثلاً" روزہ' حج' زکوۃ' نماز' جمعہ اور نماز باجماعت اور مسلمانوں کو ان فرائض کی ادائیگی کی پوری پوری آزادی ہے۔ وہ مسلمانوں کو پناہ دیتا ہے بعینہ جیسے کوئی مسلمان بادشاہ دے گا۔ یہاں مسلمان رعایا کے پاس نہ اپنے حاکموں کے ساتھ لڑنے کی طاقت ہے نہ ان کے پاس ہتھیار ہیں۔ برخلاف اس کے اگر لڑائی شروع کر دی جائے تو شکست ناگزیر ہے جس سے اسلام کی عزت کو نقصان پہنچے گا"۔

فتویٰ بتاریخ 17 ربیع الثانی مطابق 17 جولائی 1870ء اس جگہ مسلمان عیسائیوں کی امان میں ہیں اور اس ملک میں جہاد نہیں جہاں اہل اسلام کو پناہ حاصل ہو جہاد کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں اور کافروں کو پناہ اور آزادی حاصل نہ ہو۔ لیکن یہاں یہ حالت نہیں۔ مزید برآں یہ ضروری ہے کہ جہاد کیا جائے تو اس میں مسلمانوں کی فتح اور اسلام کی برتری کا قیاس غالب ہو۔ اگر اس قسم کے قیاس کا امکان نہ ہو تو جہاد ناجائز ہے۔

اس جگہ مولویوں نے ایک عربی متن درج کیا جو منہاج الغفار اور فتاویٰ عالمگیری سے منقول ہے۔

مہریں

مولوی محمد علی لکھنوی۔ مولوی عبدالحی لکھنوی۔ مولوی فیض اللہ لکھنوی۔ مولوی محمد نعیم لکھنوی۔ مولوی رحمت اللہ لکھنوی۔ مولوی قطب الدین لکھنوی۔ مولوی مفتح سبحان اللہ لکھنوی۔ مولوی لطف اللہ رام پوری۔ مولوی غلام علی رام پوری۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ نمبر 3

محمڈن سوسائٹی کلکتہ کا فیصلہ

شمالی ہندوستان کے علماء کے فتویٰ کی مخالفت کرتے ہوئے یعنی یہ کہ:
"ہندوستان دارالاسلام ہے"۔

مولوی کرامت علی یوں رقمطراز ہیں:

دوسرا سوال یہ ہے کہ ملک میں جہاد جائز ہے یا نہیں لیکن اس کو پہلے سوال کے ساتھ حل کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ دارالاسلام میں جہاد کی اجازت کسی حالت میں بھی نہیں۔ یہ امر اس قدر واضح ہے کہ اس کی حمایت کے لئے کوئی دلیل یا مثال پیش کرنا ضروری نہیں ہے۔ اب اگر کوئی گم کردہ راہ مجنون اپنی الٹی قسمت کی وجہ سے ملک ہندوستان کے انگریز حاکموں کے خلاف جنگ شروع کر دے تو اس قسم کی جنگ کو بغاوت تصور کیا جائے گا اور بغاوت اسلامی فقہ میں سخت منع ہے اس لئے یہ جنگ بھی ناجائز ہوگی۔ اگر کوئی شخص کسی حالت میں بھی ایسی جنگ کرے گا تو مسلمان اپنے حاکموں کا ساتھ دینے پر مجبور ہوں گے۔ اور ان کے ساتھ مل کر باغیوں سے جنگ کریں گے۔ مندرجہ بالا امر صاف طور پر فتاویٰ عالمگیری میں موجود ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

OUR INDIAN MUSLMANS

By

W.W.Hunter

Published by

MAKKI- DAR - UL - KUTAB

Lahore, Tel : 7241778

954

410 5

7371-64